ہے۔ اس صورت میں دادا وارثوں میں داخل نہیں ہے، اس لیے جو ہبہ بالوصیت اس کے حق میں کی جائے گی وہ متوفی کے بیٹے اور باپ کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہوگی۔

(ب) زید اپنے دادا کے نام ایک جائداد ذریعۂ وصیت نامہ چھوڑ جاتا ہے۔ وصیت کے وقت دادا کے علاوہ متوفی کا ایک بیٹا اور باپ بھی موجود تھا۔ باپ زید کی زندگی میں مر گیا۔ دادا کے حق میں جو ہبہ بالوصیت کی گئی ہے، وہ بیٹے کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ باپ کے مر جانے سے زید کی موت کے وقت، دادا وارثوں میں داخل ہو گیا۔

(ج) زید نے ایک جائداد ذریعۂ وصیت اپنے بھائی کے نام لکھی۔ تحریر وصیت کے وقت موصی کی صرف ایک بیٹی اور بھائی زندہ تھا۔ تحریر وصیت کے بعد زید کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ زید ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ایک بھائی چھوڑ کر مرتا ہے۔ جو ہبہ ذریعۂ وصیت بھائی کے نام کیا گیا تھا وہ جائز متصور ہوگا، کیونکہ اگرچہ [illegible] تحریر وصیت کے وقت آیندہ وارث ہونے والا تھا، مگر موصی کی موت کے وقت وہ وارث نہ رہا تھا، بیٹے نے اسے محجوب کر دیا۔ اگر متوفی صرف بیٹی اور بھائی کو چھوڑ کر مرتا تو بھائی وارثوں میں ہوتا، اور جو ہبہ اس کے حق میں کیا گیا تھا وہ بغیر بیٹی کی رضامندی کے نافذ نہ ہو سکتا: بیلی، ۶۲۵؛ ہدایہ، ۶۷۲۔

(د) زید ایک جائداد اپنے ایک بیٹے کے نام بحیثیت اپنے وصی کے ہبہ کرتا ہے، اس ہدایت کے ساتھ کہ "اس جائداد کا ایک جز جسے وہ مناسب تصور کرے خیرات اور زیارات میں صرف کر کے اسے عقبیٰ میں راحت پہنچائے" اور اس کے بعد جو کچھ پس انداز ہو وہ بلا شرکت غیرے اپنے تصرف میں لائے۔

یہ وصیتی ہبہ باطل ہے، کیونکہ یہ فی الحقیقت "مذہبی ہبہ کے پردے میں ایک وارث کے حق میں جائداد کو ہبہ کرنا ہے": کھجور النسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱- اگر یہ ہبہ محض مذہبی مقاصد کے لیے ہوتا، اور ان مقاصد کی کافی طور سے صراحت کی جاتی، تو وہ ایک تہائی قابل ہبہ جائداد تک نافذ ہو سکتی تھی۔

(ھ) ایک مسلمان، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرتا ہے۔ اور بیٹے کے لیے جائداد کی ۳/۴، اور بیٹی کے لیے ۱/۴ ہبہ کر جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹی اس تقسیم پر رضامند نہ ہو، اس صورت میں وہ جائداد کی ۱/۳ کی اپنے مقررہ حصے کے مطابق دعویدار ہو سکتی ہے: [دیکھو مقدمۂ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی ۱۸۸۱ء ۹ کلکتہ لا رپورٹ ۶۶-]

توضیح کے لیے دیکھو ہدایہ، ۶۷۱؛ بیلی، [illegible]۶- شرع اسلام میں ہبہ بالوصیت بغیر دو[illegible]وارثوں کی رضامندی کے کسی وارث کے حق میں [illegible]ہیں ہے۔[۱] شریعت کا منشا یہ ہے کہ وہ موصی کو وصیت کے ذریعے سے شرع اسلام کے مقررہ توریث جائداد کے سلسلے میں خلل انداز نہ ہونے دے، اگرچہ وہ اپنی جائداد کا ایک مقررہ حصہ، یعنی ایک تہائی، ایک اجنبی شخص کو دینے[۲] کا مجاز ہے۔ اس قاعدے کی وجہ یہ ہے کہ وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت کا کیا جانا دوسرے وارثوں کے لیے مضرت رساں ہے، کیونکہ اس سے ان کے حصوں میں کمی ہو جاتی ہے، اور اس سے "باہم رشتہ داروں میں رنجش اور اختلافات

۱- بفاتن بنام ولایتی خانم ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۸۳-

۲- کھجور النسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۶؛ ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۷-

پیدا ہونے کی ترغیب ہوتی ہے" (ہدایہ، ۶۷۱)۔ لیکن اگر وارث "حد بلوغ کو پہنچکر" کسی ہبہ بالوصیت کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں تو یہ صورت نہیں پیدا ہوتی۔ اس رضامندی کا اظہار موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے، کیونکہ کوئی وارث متوفی کی زندگی تک اس کی جائداد میں کسی قسم کا حق نہیں رکھتا۔ یہ امر کہ وہ وارث جس نے اپنے دوسرے شریک وارث کے حق میں اظہار رضامندی کیا بوقت اظہار دیوالیہ تھا ناقابل لحاظ ہے؛ باوجود دیوالیہ ہونے کے بھی اس کی رضامندی اسی طرح موثر ہوگی۔[1]

جس صورت میں ایک وارث کے حق میں کسی ایسی شرط کے ساتھ ہبہ بالوصیت کیا جائے جو شریعت اسلام کے منافی ہونے کی وجہ سے باطل ہو، مثلاً یہ کہ موہوب لہ جائداد موہوبہ کو منتقل نہ کر سکے گا، اور دوسرے وارث اس ہبہ پر رضامند ہو جائیں تو موہوب لہ اس جائداد پر اسی طرح کامل طور سے متصرف اور قابض ہوگا جس طرح ایک اجنبی ہو سکتا تھا۔[2] اسی طرح اگر ایک ہبہ بالوصیت کسی وارث کے لیے اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ اس کے مرنے کے بعد جائداد زید کو ملے گی، اور دوسرے وارث اس ہبہ پر راضی ہو جائیں، تو شرط کے باطل ہونے کی وجہ سے وہ جائداد کا قطعی مالک ہوگا۔[3] دیکھو دفعہ ۱۳۸ جو آگے آتی ہے۔

ہبہ بالوصیت وارثوں اور غیر وارثوں کے حق میں — دیکھو دفعہ ۱۰۴ کے نوٹ جو اسی عنوان کے تحت

---

[1] عزیز النساء بنام چینی ۱۹۲۰ء ۴۲ الہ آباد ۵۹۳، ۵۹ انڈین کیسز ۲۹۶۔

[2] عبدالکریم بنام عبدالقیوم ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۳۴۲۔

[3] ناصر علی بنام صغرا بی بی ۱۹۲۲ء لاہور ۳۰۲، ۷۴ انڈین کیسز ۸۵۳۔

دیئے گئے ہیں

باقی ماندہ کے متعلق ہبہ بالوصیت ـــــ زید ایک مکان کا کرایہ اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو اس کی زندگی تک کے لئے، اور اس کے مرنے کے بعد ایک خیراتی انجمن کے حق میں غریبوں کے لیے، ہبہ بالوصیت کرتا ہے۔ دوسرے بیٹے اس پر اظہار رضامندی نہیں کرتے۔ جو ہبہ بیٹے کے حق میں کیا گیا تھا وہ دوسرے بیٹوں کی عدم رضامندی سے کالعدم ہونے کی وجہ سے ہبۂ مابعد بھی کالعدم ہو گیا۔[1]

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون کے مطابق، موصی مجاز ہے کہ اپنی جائداد کسی وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت کرے، بشرطیکہ اس کی مقدار اس کی جائداد کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن اگر موہوبہ جائداد ایک تہائی سے زیادہ ہو، تو ہبہ اسوقت تک جائز نہ ہوگا جب تک دوسرے وارث اس پر راضی نہ ہوں؛ ایسی رضامندی موصی کی موت کے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں دی جا سکتی ہے۔[2] بیلی جلد دوم، ۲۴۲۔ مقدمۂ فہمیدہ بنام جعفری[3] میں الہ آباد ہائی کورٹ نے شریعت کا عام مسئلہ یہ قرار دیا تھا، کہ جس صورت میں کسی وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت ایک تہائی سے زیادہ جائداد کا کیا جائے، اور دوسرے وارث اس پر راضی نہ ہوں، تو وہ ہبہ بالوصیت کلیتہً کالعدم

---

[1] فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی سنہ ۱۸۸۱ء ۹ کلکتہ لاء رپورٹ ۶۶، کسی قدر تبدیل واقعات کے ساتھ۔

[2] حسینی بیگم بنام محمد مہدی سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۴۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۶۷۳، سنہ ۲۷ اے۔ ای۔ آر ۳۴، جس میں مقدمۂ فہمیدہ بنام جعفری سنہ ۱۹۰۸ء ۳۰ الہ آباد ۱۵۳ سے اختلاف کیا گیا ہے، جس میں یہ طے ہوا تھا کہ رضامندی موصی کی موت کے بعد ہونی چاہئے۔

[3] سنہ ۱۹۰۸ء ۳۰ الہ آباد ۱۵۳۔

ہے۔ امرت بی بی بنام مصطفیٰ [۱] میں عدالت مذکور نے فہمیدہ کے مقدمے کی پیروی کی۔ مقدمۂ مقدم الذکر میں تمام جائداد ایک وارث (بیٹی) کے نام، دوسرے وارث (دوسری بیٹی) کو محروم کر کے ہبہ بالوصیت کی گئی تھی۔ موخرالذکر مقدمے میں بھی موصی کی تقریباً کل جائداد ایک وارث (موصی کی بیوہ) کے نام، دوسرے وارث (نواسی) کو محروم کر کے ہبہ بالوصیت ہوا تھا عدالت نے اس صورت کو نواسی کی کلیۃً محرومی سے تعبیر کیا۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک حالیہ مقدمے [۲] میں جو اسی معاملے کے متعلق تھا، موصیہ کی دو بیٹیاں تھیں، اور یہ امر صاف طور سے نہ معلوم ہوتا تھا کہ جو ہبہ ان میں سے ایک کے نام کیا گیا تھا وہ جائداد کی ایک تہائی سے بڑھا ہوا تھا۔ بہرحال عدالت نے یہ ثابت قرار دیا کہ دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک بیٹی کے حق میں جائداد ہبہ بالوصیت کی گئی ہے۔ اور ان واقعات پر دونوں سابق کے مقدمات کی تجویز کو اس سے متعلق کرنے سے انکار کر دیا، اور اس ہبہ بالوصیت کو برقرار رکھا۔ سابق کے مقدمات کی تجویزوں کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ ان صورتوں تک محدود رہنی چاہئیں جن میں تمام جائداد ایک وارث کو دے دی گئی ہو، اور دوسرے وارث وراثت سے کلیۃً محروم رکھے گئے ہوں۔ یہی رائے صحیح کہی جا سکتی ہے۔ اس مضمون کے متعلق جو مستند حکم ہے وہ شرایع الاسلام میں پایا جاتا ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ "اگر ایک شخص ایسی وصیت کرے جس سے اس کی کچھ اولاد وراثت میں اپنے حصوں کے پانے سے محروم ہو جائے تو

---

[۱] سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۲۸۷، انڈین کیسز ۶۶، سنہ ۲۴ اے۔ اے ۲۰۔

[۲] حسینی بیگم بنام محمد مہدی سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۴۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۶۷۳، سنہ ۲۷ اے اے ۳۴۰۔

یہ محرومی جائز نہیں ہے" کتاب مذکور میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ
بہتر رائے یہ ہے کہ "جن الفاظ سے محرومی کا اثر پیدا ہوتا ہو
وہ بیکار اور غیر موثر ہیں"؛ بیلی جلد دوم، ۲۳۸۔ اس متن کے
معنی بظاہر یہی معلوم ہوتے ہیں کہ جس صورت میں کل جائداد
ایک وارث کے حق میں، دوسرے وارثوں کو محروم کر کے
ہبہ بالوصیت کردی جائے، تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ دستاویز سے
کوئی جائداد منتقل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ
نہیں نکلتا کہ جب ہبہ بالوصیت کے ذریعے سے تمام جائداد
ایک وارث کے نام نہ منتقل کی گئی ہو، بلکہ جائداد مذکور صرف
شرعی ایک تہائی سے بڑھی ہوئی ہو، تو وہ کل ہبہ بالوصیت
کالعدم متصور ہوگا۔

دفعہ ۱۰۱۔ وصیتی اختیارات کی حد ــــ ایک مسلمان اس کا
مجاز نہیں ہے کہ اپنی جائداد سے اخراجات تجہیز و تکفین اور دیون کے ادا ہونے
کے بعد جو کچھ باقی رہ جائے اس کی ایک تہائی سے زیادہ کو بذریعۂ وصیت منتقل
کرے۔ جو ہبہ بالوصیت شرعی ایک تہائی سے زیادہ کی بابت کیا جائے گا وہ
اس وقت تک نافذ نہ ہو سکے گا، جب تک کہ وارثوں نے موصی کے مرنے کے
بعد اس پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہوگا۔[۱]

ہدایہ، ۶۷۱؛ بیلی، ۶۲۵۔

ماخذ قاعدۂ ہذا ــــ "قرآن مجید اور حدیث میں
وصیت جائز قرار دی گئی ہے؛ اور ہمارے تمام علما اس پر
متفق ہیں"؛ ہدایہ ۶۷۱۔ لیکن ایک تہائی کی حد کلام مجید کی مقرر کردہ
نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم ایک حدیث میں پایا جاتا ہے جس کے

[۱] کھجورالنسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، و مقدمۂ چراکوم بنام والیا ۱۸۶۵ء ۳ مدراس ہائی کورٹ ۳۵۰۔

راوی ابی وقاص ہیں - بیان کیا جاتا ہے کہ ابی وقاص ایسے بیمار ہوئے
کہ ان کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی - رسول اللہؐ آپ کی
عیادت کے لیے تشریف لائے - ابی وقاص کے سوائے ایک بیٹی
کے اور کوئی وارث نہ تھا، ابی وقاص نے رسول اللہؐ سے دریافت
کیا کہ آیا وہ اپنی کل جائداد ذریعۂ وصیت منتقل کر سکتے ہیں؟ اس کے
جواب میں ارشاد ہوا کہ وہ اپنا نہ کل مال اور نہ دو تہائی اور نہ نصف
منتقل کر سکتے ہیں، بلکہ صرف ایک تہائی منتقل کرنے کے مجاز ہیں :
ہدایہ، ۶۷۱ - اگرچہ کلام مجید میں ایک تہائی کی حد مقرر نہیں فرمائی گئی
ہے، مگر ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو
ذریعۂ وصیت اپنی جائداد اس طرح نہ منتقل کرنی چاہیئے کہ اس کے
وارث محتاج رہ جائیں - دیکھو سیل کا ترجمہ کلام مجید صفحات ۶۰-
۶۱، ۹۵ - ۹۶، اور اس کا دیباچہ صفحہ ۹۸ -

وارثوں کی رضامندی ـــــ اس سے اور دفعۂ سابق
سے ظاہر ہوگا کہ اپنی جائداد بذریعۂ وصیت منتقل کرنے میں ایک
مسلمان کے اختیارات دو طرح محدود ہیں - ایک بلحاظ اشخاص
کے جس کے حق میں جائداد ہبہ بالوصیت کی جا سکتی ہے؛ دوسرے
بلحاظ مقدار جائداد کے جو ہبہ بالوصیت ہو سکتی ہے - وصیتی
انتقال صرف اسی صورت میں وارثوں پر واجب التعمیل ہوتا ہے
جب کہ وہ شرعی ایک تہائی سے زیادہ کا نہ ہو، اور ایسے شخص کے
حق میں کیا گیا ہو جو وارثوں میں نہ داخل ہو - ایک تہائی سے
زیادہ کا ہبہ بالوصیت اسی حالت میں نافذ ہو سکتا ہے جب کہ
وارث اس پر رضامند ہو گئے ہوں؛ اسی طرح جو ہبہ بالوصیت
کسی وارث کے حق میں کیا جائے وہ دوسرے وارثوں کی رضامندی
سے جائز ہو جائے گا - وجہ یہ ہے کہ ہبہ بالوصیت کے اختیار کو
محدود کرنا محض وارثوں کے فائدے کے لیے ہے، جس سے وہ لوگ

اپنی رضامندی کا اظہار کر کے دست بردار ہو سکتے ہیں۔ اسی بنیاد پر اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو، تو وہ اپنی کل جائداد ایک اجنبی شخص کے حق میں ہبہ بالوصیت کر سکتا ہے: بیلی، ۶۲۵۔

اگر وارث راضی نہ ہوں، تو جائداد کا بقیہ دو تہائی حصہ وارثوں میں ان کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ موصی ان کے حصے بڑھانے یا گھٹانے کا مجاز نہیں ہے، اور نہ ان کے حصوں سے استفادے کو محدود کر سکتا ہے۔[۱]

رضامندی منسوخ نہیں ہو سکتی — جب کسی ایسے ہبہ بالوصیت کے متعلق جو شرعی ایک تہائی سے زیادہ ہو، وارث اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں، تو یاد رکھو، کہ وہ اس رضامندی سے پھر جانے کے مجاز نہیں ہیں: ہدایہ، ۶۷۱۔

رضامندی صریح یا معنوی ہو سکتی ہے — رضامندی کے لیے صریح ہونا ضرور نہیں ہے: وہ ایسے عمل سے بھی مستنبط ہو سکتی ہے جس سے ایک معین اور غیر مشتبہ ارادے کا پتا چلتا ہو۔ زید اپنی تمام جائداد، جو تین مکانوں پر مشتمل ہے، ایک اجنبی شخص کے حق میں وصیت کر جاتا ہے۔ وصیت نامہ پر اس کے دو بیٹوں کی تصدیق ہے اور یہی دو بیٹے اس کے وارث ہیں۔ زید کے مرنے کے بعد موہوب لہ مکانوں پر قابض ہو جاتا ہے، اور ان کا کرایہ وصول کرتا ہے۔ بیٹے اس سے واقف ہیں اور وہ کوئی عذر نہیں کرتے۔ یہ حالات ایسے ہیں کہ ان سے کافی طور سے بیٹوں کی رضامندی کا اظہار ہوتا ہے، اور ایسا ہبہ بالوصیت بیٹوں اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو ان بیٹوں کے ذریعے سے دعویدار ہوں قابل نفاذ قرار پائے گا۔[۲]

---

[۱] جیوا بنام یعقوب علی ۱۹۲۸ء، ۶ رنگون ۵۴۲، ۱۹۲۸ اے۔ آر ۳۰۷۔

[۲] دولت رام بنام عبدالقیوم ۱۹۰۲ء، ۲۶ بمبئی ۴۹۷، نیز دیکھو شریفہ بی بی بنام غلام محمد ۱۸۹۲ء، ۱۶ مدراس ۴۳۔

وارثوں اور غیر وارثوں کے حق میں ہبہ بالوصیت۔
جس صورت میں ایک ہی وصیت نامہ کے ذریعے سے کچھ جائداد وارث اور کچھ غیر وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت کی جائے، تو جو ہبہ بالوصیت، وارث کے حق میں کیا گیا ہے وہ اگر دوسرے وارث اس پر راضی نہ ہوں ناجائز قرار پائے گا مگر جو ہبہ بالوصیت غیر وارث کے حق میں کیا گیا ہے وہ جائداد کی ایک تہائی تک جائز متصور ہوگا۔ زید اپنی ایک تہائی جائداد عمر غیر وارث، اور دو تہائی بکر اپنے ایک وارث، کو ہبہ بالوصیت کر جاتا ہے۔ جو کچھ بکر کو دیا گیا ہے اس پر دوسرے وارث راضی نہیں ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمر حسب وصیت نامہ ایک تہائی جائداد پائے گا، اور بقیہ دو تہائی زید کے وارثوں میں تقسیم[1] ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر زید اپنی کل جائداد اپنی بیوی اور ایک غیر وارث کو ہبہ بالوصیت کرتا ہے، اور زید کے دوسرے وارث بیوی کے ہبہ بالوصیت پر راضی نہیں ہوتے، تو حسب وصیت نامہ غیر وارث کو جائداد کی ایک تہائی ملے گی (جو وصیت نامہ کے ذریعے سے ملنے کی انتہائی مقدار ہے)، اور بقیہ دو تہائی وارثوں میں تقسیم[2] ہوگی۔

خیراتی کاموں کے لیے ہبہ بالوصیت — ہبہ بالوصیت خواہ خیراتی کاموں کے لیے کیوں نہ ہو جائداد کی صرف ایک تہائی تک ہو سکتا ہے۔

مہتمم ترکہ کا کمیشن — مہتمم ترکہ کو جو کمیشن بطور معاوضہ یا اجرت کے دلوایا جائے وہ ایک ہبہ بالوصیت بلا بدل

---

[1] محمد بنام اولیا بی بی سنہ ۱۹۲۰ء ۴۲ الہ آباد ۴۹۷، ۶۱ انڈین کیسز ۹۴۷۔
[2] سنہ ۱۹۲۰ء ۴۲ الہ آباد ۴۹۷، صفحہ ۵۰۲؛ ۶۱ انڈین کیسز ۹۴۷، مذکورۂ بالا۔

ہے . . . . اور کسی صورت سے بھی کمیشن مذکورہ ذین نہیں متصور ہو سکتا"
اس لیے اس سے دفعۂ ہٰذا اور دفعۂ سابق کے احکام متعلق ہوں گے۔[1]

کچھی میمن ـــــ ایک کچھی میمن اپنی کل جائداد بربنائے رواج وصیت کے ذریعے سے منتقل کر سکتا ہے۔[2] دیکھو دفعہ ۱۱۶ الف۔

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون میں، ایک شرعی تہائی جائداد سے زیادہ کے جواز کے واسطے جس رضامندی کی ضرورت ہے اس کا اظہار موصی کی موت کے قبل یا بعد دونوں صورتوں میں کیا جا سکتا ہے: بیلی، جلد دوم، ۲۴۳۔

دفعہ ۱۰۵ الف۔ ہبہ بالوصیت میں کمی ـــــ اگر ہبہ بالوصیت شرعی ایک تہائی سے زیادہ ہو، اور وارث اس پر راضی نہ ہوں، تو ہبۂ مذکورہ میں بحساب رسدی کمی کر دی جائے گی۔

ہدایہ، ۶۷۷؛ بیلی ۶۳۶ ـــ ۶۳۷۔

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون میں رسدی تقسیم کا اصول نہیں مانا جاتا۔ اس قانون کے مطابق اگر موصی اپنی جائداد کی ایک تہائی زید کو، اور ایک چوتھائی بکر کو، اور ایک چھٹا حصہ عمر کو، ہبہ بالوصیت کر جائے، اور اس کے وارث اس پر راضی نہ ہوں، تو پہلے موہوب لہ زید کو ۱/۳ جائداد ملے گی، بقیہ اشخاص بکر اور عمر کچھ نہ پائیں گے: بیلی، جلد دوم، ۲۳۵۔ لیکن اگر زید کو ۱/۳ کی جگہ ۱/۱۲ دیا گیا ہوتا تو زید ۱/۱۲ اور بکر ۱/۴ پاتا، اور عمر کو جو بلحاظ ترتیب آخر شخص ہے کچھ نہ ملتا، کیونکہ ۱/۱۲ + ۱/۴ سے ایک تہائی جائداد جس کا دینا جائز ہے ختم ہو جاتی ہے۔ اس قاعدے کا

---

[1] آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹، ۱۸؛ صالح جی بنام فاطمہ ۱۹۲۳ء ا رنگون ۶۰، ۷۱ انڈین کیسز ۷۵۳، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۳۹۱ [پی۔سی]۔

[2] ایڈوکیٹ جنرل بنام جمبا بائی ۱۹۱۷ء ۱ء بمبئی ۱۸۱، ۲۱ انڈین کیسز ۱۰۶۔

ایسی حالت میں کہ ⅓ جائداد دیکے بعد دیگرے دو مختلف اشخاص کو ہبہ کی جائے، ایک استثنا ہے، مثلاً یہ کہ موصی نے اپنی جائداد کا ⅓ حصہ زید کو ہبہ بالوصیت کیا، اور پھر ⅓ حصہ بکر کو دیا، اس صورت میں اخیر ہبہ بالوصیت سے سابق کا ہبہ بالوصیت منسوخ ہوجائے گا، اور بکر جائداد کا ⅓ حصہ پائے گا، اور زید کو کچھ نہ ملے گا: بیلی، جلد دوم، ۲۳۵۔

خیراتی کاموں کی بابت ہبہ بالوصیت

خیراتی کاموں کے لیے جو ہبہ بالوصیت کیا جائے وہ بلحاظ مقاصد ہبہ حسب ذیل تین قسموں میں منقسم ہوتا ہے:۔

(۱) ہبہ بغرض فرائض، یعنی، ان کاموں کے لیے جن کے متعلق کلام مجید میں صریح احکام موجود ہیں، جیسے، حج، زکواۃ، کفارہ (قضائے صلواۃ)۔

(۲) ہبہ بغرض واجبات، یعنی، ان کاموں کے لیے جن کا (کلام مجید میں) بصراحت حکم نہیں ہے، مگر جن کا کیا جانا مناسب اور ضرور ہے، مثلاً، صدقۂ فطرہ (جو صدقۂ عید الفطر کو دیا جاتا ہے) اور قربانی۔

(۳) ہبہ بغرض نوافل، یعنی، خود اختیاری قسم کی خیراتوں کے واسطے، مثلاً مفلسین کو دینے، یا مسجد، پل یا مسافروں کے لیے سرا بنوانے کے واسطے۔

ان تینوں قسم کے ہبہ بالوصیت میں پہلی قسم کو دوسری اور تیسری قسم پر، اور دوسری قسم کو تیسری قسم پر ترجیح حاصل ہے۔ قسم اول میں بھی جو ہبہ بالوصیت حج کے لیے کیا جائے اس کا زکواۃ اور کفارے کے ہبہ سے، اور جو زکواۃ کے لیے کیا جائے اس کا کفارے کے ہبہ سے پہلے ادا ہونا ضرور ہے۔

ہدایہ، ۶۸۸؛ بیلی، ۶۵۳-۶۵۴۔

دفعہ ۱۰۶ - ہبہ بالوصیت جنین (نازائیدہ اولاد) کے حق میں — ہبہ بالوصیت ایسے شخص کے حق میں جو موصی کی موت کے وقت معرض وجود میں نہ آیا ہو کالعدم ہے،[1] لیکن ایسے بچے کے حق میں جو رحم مادر میں ہو، ہبہ بالوصیت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ تاریخ وصیت سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

شریعت اسلام کے مطابق، موہوب لہ میں ہبہ کے لینے کی قابلیت ہونی چاہئے: بیلی، ۶۲۴؛ اس لیے موصی کی موت کے وقت اس شخص کا معرض وجود میں ہونا ضرور ہے۔[1] جنین کے حق میں ہبہ کے متعلق دیکھو ہدایہ، ۶۷۴۔

دفعہ ۱۰۷ - ہبہ بالوصیت کا زائل ہو جانا یا باقی نہ رہنا — اگر موہوب لہ موصی کی موت کے بعد تک زندہ نہ رہے تو ہبہ بالوصیت زائل ہو جائے گا، اور (جو جائداد اس ذریعے سے علیحدہ رکھی گئی تھی) وہ موصی کی جائداد میں شامل متصور ہوگی۔

ہندوستان کے قانون جانشینی ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء کی دفعہ ۱۰۵ سے مقابلہ کرو، مگر وہ مسلمانوں سے متعلق نہیں ہے۔

شیعوں کا قانون — ایسی حالت میں شیعوں کے قانون کے مطابق، ہبہ بالوصیت موہوب لہ کے وارثوں کو پہنچے گا، بشرطیکہ موصی نے اسے منسوخ نہ کر دیا ہو۔ اگر موہوب لہ بغیر اولاد چھوڑے مرجائے گا، تو موصی کے وارثوں کی طرف عود کرے گا۔[2] بیلی، جلد دوم، ۲۴۷۔

دفعہ ۱۰۸ - کونسی اشیا کے متعلق ہبہ بالوصیت کیا جاسکتا ہے — ہبہ بالوصیت کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ شے موہوبہ وصیت کے وقت

---

[1] عبدالقادر بنام ٹرنر سنہ ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۵۸۔

[2] حسینی بیگم بنام محمد مہدی سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۴۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۶۷۳ سنہ ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۰۔

موجود ہو، موصی کی موت کے وقت اس کا موجود ہونا کافی ہے۔

بیلی، ۶۲۴۔ وجہ یہ ہے کہ وصیت موصی کی موت کے بعد
اثر پذیر ہوتی ہے نہ کہ اس کے قبل۔ مگر سادہ ہبہ میں شے موہوبہ
کا ہبہ کے وقت موجود ہونا ضرور ہے: دیکھو دفعہ ۱۶۳۔

دفعہ ۱۰۸۔ الف۔ کن اشیا کی بابت ہبہ بالوصیت کیا جا سکتا ہے —— ہر ایسی جائداد ہبہ بالوصیت کی جا سکتی ہے جس میں انتقال کی قابلیت ہو، اور جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو۔ وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا ضروری نہیں۔

بیلی، ۶۲۴، ۶۶۵ —— ۶۶۶۔

دفعہ ۱۰۸۔ ب۔ آئندہ کی بابت ہبہ بالوصیت —— ایسا ہبہ بالوصیت جو آئندہ شے کے متعلق کیا جائے کالعدم ہے: سادہ (خاص) ہبہ کے متعلق، دیکھو دفعہ ۱۳۶!۔

دفعہ ۱۰۸۔ ج۔ مشروط ہبہ بالوصیت —— ہبہ بالوصیت جو کسی دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہو کالعدم ہے۔ سادہ (خاص) ہبہ کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۳۷۔

دفعہ ۱۰۸۔ د۔ ہبہ بالوصیت علی السبیل البدل —— ہبہ بالوصیت علی السبیل البدل جائز قرار دیا گیا ہے۔

ایک کچھی میمن نے جس کی وصیت کے وقت کوئی بیٹا
نہ تھا، اپنی بقیہ جائداد کے متعلق ان الفاظ میں ہبہ بالوصیت
کیا کہ: "اگر میرے کوئی بیٹا پیدا ہو اور وہ میری موت کے وقت تک
زندہ رہے تو میرے مہتمان ترکہ میری بقیہ جائداد اس کے سپرد
کر دیں گے؛ لیکن اگر وہ بیٹا میری زندگی میں مرجائے اور کوئی بیٹا

لہ۔ ایڈووکیٹ جنرل بنام جمبا بائی ۱۹۱۷ء، ۴۱ بمبئی ۱۸۱، ۲۸۴ – ۲۸۶، ۳۱ انڈین کیسز ۱۰۶
(وصیت کچھی میمن)۔

چھوڑ جائے، اور یہ بیٹا میری موت کے وقت زندہ ہو تو میرے
مہتمان ترکہ میری بقیہ جائداد اس کے حوالے کردیں گے لیکن اگر میری
موت کے وقت نہ میرا بیٹا اور نہ میرا پوتا زندہ ہو، تو مہتمان ترکہ
میری جائداد خیراتی کاموں میں لگائیں گے"۔ موصی بغیر کوئی
بیٹا چھوڑے فوت ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ تجویز ہوئی کہ یہ ہبہ
مشروط بہ مستقبل نہ تھا، بلکہ وہ قطعی طور سے ہبہ علی السبیل البدل تھا
اور بقیہ جائداد کی مستحق خیرات ہے۔

دفعہ ۱۰۹۔ ہبہ بالوصیت کی تنسیخ —— وصیتی ہبہ صریحاً یا معناً منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

ہدایہ، ۶۷۴؛ بیلی، ۶۲۸۔ صریح تنسیخ یہ ہے کہ موصی اپنے
وصیتی ہبہ کو صاف الفاظ میں خواہ وہ زبانی ہوں یا تحریری منسوخ
کردے۔ معنوی یہ ہے کہ موصی کوئی ایسا فعل کرے جس سے تنسیخ
مستنبط ہوتی ہو۔

اگر موصی یہ کہتا ہے کہ اس نے کبھی کوئی وصیتی ہبہ نہیں کیا تو
یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ایسا انکار تنسیخ متصور ہو گا یا نہیں، مختار رائے
یہ ہے کہ ایسا بیان تنسیخ نہ متصور ہو گا: ہدایہ، ۶۷۵؛ بیلی، ۶۳۰۔

دفعہ ۱۱۰۔ معنوی تنسیخ —— وصیتی ہبہ ایسے فعل سے منسوخ ہو سکتا ہے جو شے موہوبہ بالوصیت میں کچھ اضافہ کردے، یا جب اس پر موصی کا مالکانہ اختیار باقی نہ رہے۔

[(الف) ایک قطعۂ اراضی کا وصیتی ہبہ منسوخ ہو جاتا ہے،
جب کہ بعد ہبہ کے موصی اس پر ایک مکان تعمیر کر لیتا ہے۔
(ب) ایک تانبے کے پتر کا وصیتی ہبہ منسوخ ہو جائے گا،
اگر موصی ہبہ کرنے کے بعد اس پتر سے کوئی برتن بنا لے گا۔
(ج) ایک مکان کا وصیتی ہبہ منسوخ ہو جائے گا، اگر موصی
اسے فروخت یا کسی دوسرے شخص کو ہبہ کردے گا۔]

ہدایہ، ۶۷۴، ۶۷۵؛ بیلی، ۶۲۸ - ۶۲۹، یہ تمثیلات ہدایہ سے لی گئی ہیں۔

دفعہ ۱۱۱ - تنسیخ ذریعہ وصیت مابعد ــــــ جو ہبہ بالوصیت کسی شخص کے حق میں کیا جائے وہ وصیت مابعد سے جو اسی جائداد کے متعلق کسی دوسرے شخص کے حق میں کیا جائے، منسوخ ہو جاتا ہے۔ مگر اسی جائداد کے مابعد ہبہ جو دوسرے شخص کے حق میں ایک ہی وصیت نامہ کے ذریعہ سے کیا جائے، ہبۂ اول کو منسوخ نہیں کرتا؛ ایسی صورت میں جائداد دونوں موہوب لہما میں مساوی طور سے تقسیم ہو جائے گی۔

ہدایہ، ۶۷۵؛ بیلی، ۶۳۰۔

دفعہ ۱۱۱ - الف - مسلمانوں کے وصیت ناموں کا پروبیٹ

ــــــ (۱) مسلمانوں کے وصیت نامے بعد مناسب ثبوت کے شہادت میں لیے جا سکتے ہیں، اگرچہ اس کا پروبیٹ (یعنی، تصدیق وصیت نامہ و اجازت نامہ اہتمام ترکہ) نہ حاصل کیا گیا ہو[۱]۔

(۲) ایک مسلمان کے وصیت کرنے کی صورت میں، موصی کی جائداد، موصی کی تاریخ وفات سے مہتمم ترکہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے بشرطیکہ مہتمم اس خدمت کو انجام دینا قبول کر لیتا ہے، اور وہ انتظام جائداد کے لیے جائداد منتقل کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے، اور اسے وہ دوسرے اختیارات بھی حاصل ہو جاتے ہیں جو پروبیٹ اور اہتمام ترکہ کے ایکٹ سنہ ۱۸۸۱ء، اور وراثت ہند کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء کے مماثل مضامین کی رو سے ایک مہتمم ترکہ کو دئے گئے ہیں[۲]۔ دیکھو دفعہ ۳۰ اور اس کے نوٹ۔

---

[۱] شیخ موسیٰ بنام شیخ عیسیٰ سنہ ۱۸۸۴ء، ۸ بمبی ۲۴۱، ۲۵۵؛ عبدالکریم بنام کرم علی سنہ ۱۹۲۰ء، ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۸۰۸، ۸۰۸؛ انڈین کیسیز ۲۷۰؛ محمد یوسف بنام ہرگوبند داس سنہ ۱۹۲۳ء، ۴۷ بمبئی ۲۳۱؛ ۷۰ انڈین کیسز ۲۶۸؛ سنہ ۲۲ آل انڈیا بمبئی ۳۹۲ - لفظ "پروبیٹ" کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو قانونی لغت۔

[۲] وِنکٹا سبا بنام رامیا سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱۱۲؛ ۵۵ مدراس ۴۴۳؛ ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۱۱، سنہ ۳۲ء

یہی قاعدہ کبھی یمنوں[1] اور خوجوں[2] سے بھی متعلق ہوتا ہے۔

وصول دیون کے مقدمات کے لیے دیکھو دفعہ ۳۸۔

دفعہ ۱۱۱۔ ب۔ سند اہتمام ترکہ ——— یہ استثنا ان دیون کے جو متوفی کو واجب الوصول ہوں [دفعہ ۳۸]، ایک ایسے مسلمان کی جائداد پر جو بلا وصیت مرگیا ہو کسی قسم کا حق قائم کرنے کے لیے کسی سند اہتمام ترکہ کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے [ایکٹ وراثت ہند بابت سنہ ۱۹۲۵ء دفعہ ۲۱۲ (۲)]۔

دفعہ ۱۱۲۔ مہتمم ترکہ کا مسلمان ہونا ضرور نہیں ہے ——— یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک مسلمان کا وصی مسلمان ہی ہو۔

ایک مسلمان مجاز ہے کہ وہ کسی عیسائی، ہندو یا کسی غیر مسلم کو اپنا مہتمم ترکہ قرار دے[3]۔

دفعہ ۱۱۳۔ مہتمان ترکہ کے اختیارات اور فرائض ——— ایک مسلمان موصی کے مہتمم ترکہ کے اختیارات اور فرائض کا تعین وراثت ہند کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء کے ان احکام سے ہوتا ہے جو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ دیکھو دفعہ ۳۰ اور اس کے نوٹ۔

بمقدمہ شیخ موسیٰ بنام شیخ عیسیٰ[4] حسب رائے چیف جسٹس سارجنٹ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ — آل انڈیا پرایوی کونسل ۹۲ [ایک ہندو کے وصیت نامے کے متعلق، جو مسلمان کے وصیت نامے سے بھی متعلق ہوتا ہے]؛ شمائیل بنام احمد عمر سنہ ۱۹۳۱ء ۳۳ بمبئی لارپورٹ ۱۰۵۶، سنہ ۳۱ء آل انڈیا بنگال ۵۳۳؛ سنہ ۱۸۸۴ء ۸ بمبئی ۲۴۱، ۲۵۵، مذکورۂ بالا؛ سنہ ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۲۳۱، ۷۰ انڈین کیسز ۲۶۸، سنہ ۲۲ء آل انڈیا بنگال ۲۹۲، مذکورۂ بالا۔

[1] حاجی اسمٰعیل، بمقدمہ وصیت بابت سنہ ۱۸۸۰ء ۶ بمبئی ۴۵۲۔

[2] سنہ ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لارپورٹ ۷۰۸، ۵۸ انڈین کیسز ۲۷۰، مذکورۂ بالا۔

[3] محمد امین الدین بنام محمد کبیر الدین سنہ ۱۸۲۵ء ۴ صدر دیوانی عدالت اپیلز (بنگال) ۴۹، ۵۵؛ بلنری ایلک بنام ظہور النسا سنہ ۱۸۲۶ء ۴ صدر دیوانی عدالت اپیلز بنگال ۳۰۱، ۳۰۴۔

[4] سنہ ۱۸۸۴ء ۸ بمبئی ۲۴۱، ۲۵۶۔

سنہ ۱۸۸۱ء کا پروبیٹ اور ایڈمنسٹریشن ایکٹ دوسرے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں سے بھی متعلق تھا۔ اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے مسلمانوں کے مہتمان ترکہ کے اختیارات اور فرائض کا تعین شریعت اسلام سے کیا جاتا تھا۔ ایکٹ مذکور کے نفاذ کے بعد، ان کے اختیارات اور فرائض کا تعین اسی ایکٹ سے کیا جانے لگا۔ اب وہ ایکٹ بھی منسوخ ہو چکا ہے اور اس کے احکام وراثت ہند کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء میں داخل کر دیے گئے ہیں۔

جب وصیت نامہ میں چند مہتمان ترکہ مقرر کیے گئے ہوں تو ان سب کے اختیارات، اگر وصیت نامہ میں اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ ہو، وہ مہتمم ترکہ استعمال کر سکے گا جس نے وصیت نامہ پیش کر کے ثابت کرایا ہے: ایکٹ وراثت ہند بابت سنہ ۱۹۲۵ء دفعہ ۳۱۱۔

لیکن اگر کوئی پروبیٹ حاصل نہیں کیا گیا ہے تو ان سب کو باہم مل کر کام کرنا چاہیئے؛ ان میں سے کسی ایک شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تنہا جائداد کی نمائندگی کرے، یا مہتمان ترکہ کے اختیارات میں سے کوئی اختیار بلا دوسروں کی شرکت کے کام میں لائے[1]۔

لہ سنہ ۱۹۳۸ء بمبئی ۲۴۱، ۲۵۵ — ۲۵۶، مذکورۂ بالا۔

ہبہ و اقرار بحالت مرض الموت

دفعہ ۱۱۴[1] ہبہ بحالت مرض الموت ـــــ جو ہبہ ایک مسلمان مرض الموت میں کرے وہ مصارف تجہیز و تکفین اور دیون کے ادا کئے جانے کے بعد، اس کی جائداد کی صرف ایک تہائی پر موثر ہوگا، بجز اس کے کہ واہب کے مرنے کے بعد اس کے وارث ایک تہائی سے زیادہ دینے پر راضی ہو جائیں۔ اسی طرح اس قسم کا ہبہ کسی وارث کے حق میں موثر نہیں ہو سکتا جب تک کہ دوسرے وارثوں نے واہب کے مرنے کے بعد اس کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو۔

توضیح ـــــ مرض الموت وہ علالت ہے جس میں علیل کو موت کا اندیشہ پیدا ہو جائے، اور جو بالآخر اس کی موت پر ختم ہو۔

ہدایہ، ۶۸۴، ۶۸۵؛ بیلی، ۵۵۱ ـ ۵۵۲۔

[1] وزیر جان بنام سید الطاف علی ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد، ۳۵۷؛ فضل احمد بنام رحیم بی بی ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۴، ۵۱ انڈین کیسز ۶۳۸۔

مرض الموت[۵۱] ——— مرض الموت کی اہم شرط یہ ہے کہ مریض کو موت کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ "مرض الموت کی صحیح تر تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا مرض ہو جو بقیاس غالب موت پر ختم ہونے والا ہو"؛ بیلی، ۵۵۲۔ جب مرض مزمن ہو مثلاً، دق یا گردوں سے چربی کا آنا، اور فوری موت کا اندیشہ نہ ہو، تو وہ مرض الموت نہ کہلائے گا؛ مگر یہ ممکن ہے کہ وہ بعدہ اس حد تک بڑھ جائے کہ موت کا قیاس غالب ہو جائے، اور بالآخر فی الحقیقت اسی سے موت واقع ہو تو وہ مرض الموت ہو جائے گا[۵۲]۔ ہدایہ کے مطابق "مزمن" وہ مرض کہلاتا ہے جو ایک سال تک قائم رہے؛ جو مرض ایک سال تک قائم رہتا ہے وہ مرض الموت نہیں ہو سکتا، کیونکہ

۵۱۔ فاطمہ بی بی بنام احمد بخش سنہ ۱۹۰۳ء ۳۱ کلکتہ ۳۱۹ جسے پرایوی کونسل نے بھی بحال رکھا؛ سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۲۷۱، ۳۵ انڈین اپیلز ۶۷ [گردوں سے ایک سال سے زیادہ تک چربی کا آنا مرض الموت نہیں ہے]؛ ابراہیم غلام عارف بنام سائبو سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۲۲، ۳۴۔ انڈین اپیلز ۱۶۷، ۱۷۷۔ [پیٹ میں کسی شہریان کا دفعۃً پھٹ جانا مرض الموت نہیں ہے]؛ لبی بی بی بنام ببین سنہ ۱۸۷۴ء ۶ نارتھ ویسٹ پروونس ہائی کورٹ ۱۵۹؛ حضرت بی بی بنام غلام جعفر سنہ ۱۸۹۸ء ۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۵۷ [مزمن دمہ مرض الموت نہیں ہے]؛ محمد گل شیر خاں بنام مریم بیگم سنہ ۱۸۸۱ء ۳ الہ آباد ۷۳۱ [طویل علالت مرض الموت نہیں]؛ سارا بائی بنام رابعہ بائی سنہ ۱۹۰۶ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷ [فالج مرض الموت کی صورت نہیں ہے]؛ رشید کرم علی بنام شہر بانو سنہ ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۲۶۴ [بڑھتی ہوئی دق مرض الموت قرار دی گئی]؛ جنجرا بنام محمد سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۹، ۴۹۴-۴۹۶، ۶۷ انڈین کیسز ۷۷۷، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹ [مرض الموت کی صورت نہیں]؛ فضل احمد بنام رحیم بی بی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۱۵ انڈین کیسز ۴۳ [بڑھتی ہوئی دق مرض الموت قرار پائی]؛ فضلو بنام محمد سنہ ۱۹۱۷ء ۳ پٹنہ لا ویکلی ۲۳۲، ۳۴ انڈین کیسز ۱۹۶۔

۵۲۔ سنہ ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۳-۲۴۴؛ ۱۵ انڈین کیسز ۴۳۸، گزشتہ۔

"مریض اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس صورت میں وہ مرض، مرض نہیں سمجھا جاتا" : ہدایہ ۶۸۵۔ لیکن "یہ ایک سال کی مدت ایسی مدت نہیں ہے جس میں کمی اور بیشی کی گنجائش نہ ہو بلکہ اس کا مقصد تقریباً ایک سال کی مدت سے ہے"[1] خلاصہ یہ ہے کہ حسب رائے پرایوی کونسل "مرض الموت کا ہبہ" "وہ ہبہ ہے جو فوری موت کے خیال سے متاثر ہو کر کیا گیا ہو"[2]۔

کسی مرض کو مرض الموت قرار دینے کے لیے مفصلۂ ذیل امور کا موجود ہونا ضرور ہے: (۱) موت کے قریب واقع ہونے کا اندیشہ اور اس اندیشے کا غالب ہونا۔ (۲) موت کے ذہنی خوف کا ایک حد تک مریض کے دماغ پر مستولی ہونا (۳) کچھ ظاہری علامتوں کا موجود ہونا اور ان سے معمولی کاروبار کرنے کے ناقابل ہو جانا[3]۔

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کا قانون بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا[4]۔

بیع ـــــ اس دفعہ کے احکام ان انتقالات سے متعلق نہیں ہوتے جو بدل کے عوض میں کئے جائیں، مثلاً بیع[5]۔ زوج کا بمعاوضۂ مہر اپنی زوجہ کے نام جائداد کا منتقل کرنا فی الحقیقت

---

[1] سنہ ۱۹۰۳ء ۳۱ کلکتہ ۳۱۹۔

[2] سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۲۲، ۳۴ انڈین اپیلز ۱۶۷، گزشتہ۔

[3] سنہ ۱۹۰۶ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۵۱، حسب سابق؛ سنہ ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۲۶۴، حسب سابق؛ سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۹۰، ۶۷ انڈین کیسز ۷، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹، حسب سابق؛ عبدالاحد بنام احمد نواز سنہ ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۶۸۳، ۱۳۲ انڈین کیسز ۳۹۱، سنہ ۳۲ آل انڈیا لاہور ۲۲۹۔

[4] خورشید بنام فیاض سنہ ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۲۸۹، ۲۳ انڈین کیسز ۲۵۳۔

[5] فضل احمد بنام رحیم بی بی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۴-۲۴۵، ۴۵ انڈین کیسز ۶۳۸۔

بیع ہے، اگرچہ وہ ہبہ کے نام سے موسوم کیا جائے[۱]۔ برخلاف اس کے،
ایک معاملہ اگرچہ وہ فی الحقیقت ہبہ کا ہو، مرض الموت کے ہبہ کے
احکام سے بچنے کے لیے بیع بتایا جا سکتا ہے، مگر اس سے وہی احکام
متعلق ہوں گے جو مرض الموت کے ہبہ کے متعلق ہیں[۲]۔

دفعہ ۱۱۵۔ وہ شرائط جو جواز کے لیے لازم ہیں ــــــ جو ہبہ مرض الموت میں کیا جائے اس کے جواز کے لیے ان تمام شرائط کا پایا جانا لازم ہے جو (معمولی) ہبہ کے لیے ضروری ہیں، جس میں واہب کا موہوب لہ کو قبضہ دینا بھی شامل ہے۔

پہلی ۱۵۵۔ ہبہ کے جواز کے لیے جن شرطوں کی ضرورت
ہے، وہ فصل ہبہ میں دیکھو جو آگے آتی ہے۔ نیز، ملاحظہ ہوں وہ
مقدمات جو دفعہ سابق میں درج کئے گئے ہیں۔

مرض الموت کا ہبہ فی الحقیقت (معمولی) ہبہ ہے؛ اگرچہ
اس قسم کے ہبہ کے ذریعے سے جائداد منتقل کرنے میں واہب
پر وہی قیود عائد ہوتے ہیں جو اس کے وصیتی اختیارات پر
عائد ہیں۔ پس یہ ہبہ بھی انھیں تمام شرطوں سے مشروط ہوگا
جو (معمولی) ہبہ کے لیے لازم ہیں جس میں واہب کا اپنی
موت کے قبل موہوب لہ کو قبضہ دیدینا بھی شامل ہے۔

دفعہ ۱۱۶۔ مرض الموت میں قرض کا اقرار ــــــ قرض کا اقرار حالت صحت کی طرح مرض الموت میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

جس قرض کا ثبوت صرف مرض الموت کا اقرار ہو، وہ اس وقت تک نہ ادا ہونا چاہیے جب تک وہ قرض نہ ادا ہو جائیں جن کا اقرار متوفی نے بحالت صحت

---

[۱] ۔ اسحاق بنام عابد النساء ۱۹۱۴ء ۲۲ کلکتہ ۲۱ '۳۲۱، ۲۸ انڈین کیسز ۶۹۲؛ صادق علی بنام مسماۃ امیرن ۲۹ سنہ ۴ آل انڈیا اودھ ۳۱ ۴' ۱۲۱ انڈین کیسز ۸۷۔

[۲] ۔ ۱۹۱۵ء ۴ الہ آباد ۲۳۸ '۲۴۴ ـــ ۲۴۵ '۱۵ انڈین کیسز ۶۳۔

کیا تھا، اور نیز وہ قرض جو دوسری شہادتوں سے ثابت ہوں۔ مرض الموت میں جس قرض کا اقرار کسی وارث کے حق میں کیا جائے گا وہ قرض کا ثبوت نہ قرار پائے گا، اور نہ وہ نافذ ہو سکے گا۔

ہدایہ، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۶۸۴، ۶۸۵؛ بیلی ۶۹۳۔

۶۹۴۔ دفعۂ ہذا کو دفعۂ ۹۲ کے اس جزء کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے جو قرضوں کے تقدم و تاخر سے متعلق ہے۔

ہبہ
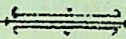
دفعہ ۱۱۷۔ ہبہ — ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف کسی جائداد کا فوراً، اور بلا کسی معاوضے کے، منتقل کر دینا، اور اس دوسرے کا خود یا اس کی طرف سے کسی اور کا قبول کر لینا، ہبہ ہے۔

ہدایہ، ۴۸۲؛ بیلی، ۵۱۵۔ دیکھو انتقال جائداد ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۱۲۲ و دفعہ ۱۲۹۔

دفعہ ۱۱۸۔ وہ اشخاص جو ہبہ کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں — ہر عاقل اور بالغ مسلمان اپنی جائداد ہبہ کے ذریعے منتقل کرنے کا مجاز ہے۔

ہدایہ، صفحہ ۵۲۴، نابالغی کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۰۱ کے نوٹ۔

دفعہ ۱۱۹۔ دائنوں کو فریب دینے کے لیے ہبہ — ہر انتقال جائداد میں جو ذریعۂ ہبہ واہب موہوب لہ کے حق میں کرے نیک نیتی کا ہونا ضرور ہے۔[1]

[1] سلطان میاں بنام اجوبہ خاتون بی بی سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ، ۵۵۷، ۱۳۸ انڈین کیسز ۳۳، سنہ ۳۲ آل انڈیا کلکتہ، ۹۴۔

واہب کے دائنین کو محروم رکھنے کی نیت سے جو ہبہ کیا جائے وہ دائنین کی خواہش پر قابل انفساخ ہے۔ ایسی نیت صرف اس واقعے سے مستنبط نہیں ہو سکتی کہ واہب ہبہ کرنے کے وقت کسی قدر مقروض تھا۔[1]

دیکھو انتقال جائداد ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۵۳۔

دفعہ ۱۲۰۔ ہبہ ایسے شخص کے حق میں جو وجود میں نہ آیا ہو۔

ہبہ ایسے شخص کے حق میں جو وجود میں نہ آیا ہو کالعدم ہے۔[2]

موہوب لہ اور اس کی ذکور اولاد کی پرورش کا انتظام —— اودھ کی چیف کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے گزارے کے لیے اس کی زندگی تک اور اس کے مرنے کے بعد اس کی ذکور اولاد کے واسطے ہبہ کرنا شریعت اسلام کی رو سے جائز ہے۔[3] یہ اس صورت میں جائز نہ ہوگا جب کہ بر وقت ہبہ، موہوب لہ کی کوئی ذکور اولاد موجود نہ ہو۔

دفعہ ۱۲۱۔ واہب کے اختیار کی حد —— وہ ہبہ جو وصیتی ہبہ سے علٰحدہ ہے، واہب اپنی کل جائداد کے متعلق کر سکتا ہے، اور وہ وارث کے حق میں بھی ہو سکتا ہے۔

"شریعت اسلام کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ موصی کو، وصیت کے ذریعے سے، وراثت کے اس طریقے میں خلل انداز

---

[1] عظیم النسا بنام ڈالی ۱۸۷۱ء ۶ مدراس ہائی کورٹ ۴۵۵، ۴۶۸-۴۶۹؛ عبدالحی بنام میر محمد ۱۸۸۶ء ۱۱ آل انڈیا الہ آباد، ۱۰ کلکتہ ۶۱۲؛ میگناٹن صفحہ ۲۱۷ (مقدمہ ۱۵)، صفحہ ۵۱۰ (مقدمہ ۴۴)؛ امیر علی، طبع چہارم جلد اول صفحہ ۵۱ تا ۵۴۔

[2] عبدالقادر بنام ٹرنر ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۵۸؛ محمد شاہ بنام اوفیشل ٹرسٹی بنگال ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۴۳۱، ۲ انڈین کیسز ۲۹۱۔

[3] مساۃ سرتاج بنام محمد ۱۹۳۱ء ۶ لکھنو ۴۲۳، ۱۲۹ انڈین کیسز ۲۲۲، ۱۹۳۱ آل انڈیا اودھ ۶۔

نہ ہونے دے جس سے حسب شرع اسلام جائداد اس کے وارثوں کو پہنچتی ہے؛ اگرچہ وہ اپنی جائداد کا ایک مخصوص حصہ، یعنی، ایک تہائی ایک اجنبی شخص کو بھی دیدینے کا مجاز ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ ایک صاحب جائداد شخص شریعت کے اس منشا کی ایک حد تک اس طرح مخالفت کر سکتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی کل جائداد یا اس کا کوئی جزء، خاص صورتیں اختیار کر کے، اپنے کسی ایک بیٹے کو دیدے[1]۔

ایک مسلمان اپنی کل جائداد تمام وارثوں کو محروم کر کے ایک اجنبی شخص کے حق میں بھی ہبہ کر سکتا ہے۔

دفعہ ۱۲۲۔ دعاوی قابل نالش اور غیر مادی اشیا کا ہبہ۔

قابل نالش دعوی اور غیر مادی اشیا بھی، مادی اشیا کی طرح، ہبہ کی جا سکتی ہیں۔

[دیون، دستاویزات قابل بیع و شرا، یا گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ[2]، حق مالکانہ[3]، حقوق زمینداری[4]، پٹے پر دی ہوئی جائداد[5]، جائداد زیر قرقی[6]، اور اسی طرح اس نذر و نیاز کا ایک مخصوص حصہ جو زائر کسی درگاہ پر چڑھائیں[7]، ہبہ ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہر ایسی شے

ف۱۔ محبوب النسا بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷؛ ۴ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۷؛ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن سنہ ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۴۹؛ ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸، ۷۵؛ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱؛ ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۵ - ۶۴۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

ف۲۔ ملک عبدالغفور بنام ملیکہ سنہ ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۱۱۲، ۱۱۲۵۔

ف۳۔ ایضاً صفحہ ۱۱۲۵۔

ف۴۔ ایضاً صفحہ ۱۱۲۶۔

ف۵۔ ایضاً صفحہ ۱۱۲۵۔

ف۶۔ نوری بیگم بنام نظام الدین شاہ سنہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، ۱۶۷۔

ف۷۔ احمد الدین بنام الٰہی بخش سنہ ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۶۵، ۱۴ انڈین کیسز ۵۸۷۔

جس پر لفظ "مال" کا اطلاق ہو سکتا ہے ہبہ کی جا سکتی ہے[1]۔]

"ہبہ" لفظی معنوں میں کسی ایسی شے کا دینا ہے جس سے موہوب لہ استفادہ کر سکتا ہو: ہدایہ، ۴۸۲۔

"شرع" کے مطابق وہ کسی مخصوص شے کی ملکیت کا حق بغیر کسی معاوضے کے عطا کرنا ہے: بیلی، ۵۱۵۔ جو مقدمات فقرۂ اول کے تحت دئے گئے ہیں وہ پیدا ہی نہیں ہو سکتے تھے، اگر ایک زمانے میں یہ غلط خیال نہ شایع ہوتا کہ ہبہ کی ہر جایز صورت کے لیے "خاص" یا مادی قبضے کا دیا جانا لازم ہے۔ اسی غلط خیال کی بنا پر، ان مقدمات میں یہ عذر کیا گیا تھا کہ صرف مادی جائداد ہی ہبہ ہو سکتی ہے، کیونکہ وہی جائداد ایسی ہے کہ جس کا خاص یا مادی قبضہ دیا جا سکتا ہے۔ مدت ہوئی کہ یہ خیال غلط سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے، اور یہ قرار پایا ہے کہ جب شے موہوبہ ایسی نہ ہو کہ اس کا مادی قبضہ دیا جا سکتا ہو، یعنی حقوق نالش یا غیر مادی حقوق پر مشتمل ہو، تو واہب کے کسی ایسے فعل سے، جس سے صاف طور سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ جائداد کے حق ملکیت سے دست بردار ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہے، ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو کہ دیون، دستاویزات قابل بیع و شرا، گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ، یہ سب حقوق قابل نالش، یا بالفاظ قانون انتقال جائداد "دعاوی قابل نالش" ہیں۔ دیکھو دفعہ ۱۲۶ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۲۳۔ حق انفکاک کا ہبہ—— (۱) راہن اپنے حق انفکاک کو ہبہ کر دینے کا مجاز ہے۔ (۲) اس امر کے متعلق البتہ رائیں مختلف ہیں، کہ جب بر وقت ہبہ جائداد مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں ہو تو حق انفکاک کا ہبہ

[1] مرزا عابد بنام منو بی بی ۱۹۲۷ء، ۲ لکھنؤ ۴۹۲، ۱۰۲ انڈین کیسز ۲۰۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۲۶۱۔

جائز متصور ہوگا یا نہیں۔ بمبئی ہائی کورٹ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے[1]۔ برخلاف اس کے کلکتہ ہائی کورٹ اسے جائز قرار دیتی ہے[2]۔ اور موخرالذکر ہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

بمبئی ہائی کورٹ کی یہ رائے نہیں ہے کہ حق انفکاک کسی صورت میں بھی ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی رائے صرف اس قدر ہے کہ جب جائداد مرہونہ بروقت ہبہ مرتہن کے قبضے میں ہو اس وقت حق انفکاک کا ہبہ جائز نہیں ہو سکتا۔ بمبئی کے فیصلے کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ کے جواز کی اہم شرط یہ ہے کہ واہب شے موہوبہ کا قبضہ موہوب لہ کو دیدے، اور راہن یہ کر نہیں سکتا کیونکہ مرتہن قابض جائداد ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہبہ کے جواز کے لیے واہب کا موہوب لہ کو قبضہ دینا ضروری ہے، لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ جب شے موہوبہ حقیقی قبضہ دینے کے ناقابل ہو تو واہب کے ایسے مناسب افعال سے جن کا منشا موہوب لہ کی طرف جائداد منتقل کرنے کا ہو، ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے (دفعہ ۱۲۶)۔ جب جائداد مرہونہ خود راہن کے قبضے میں ہو، تو اس کے حق انفکاک کا ہبہ، جائداد کو موہوب لہ کے حوالے کئے بغیر، جائز نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب مرتہن قابض ہو، تو راہن موہوب لہ کو قبضہ نہیں دے سکتا، اور اس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہبہ کی تکمیل واہب کے کسی دوسرے مناسب فعل سے ہو جاتی ہے۔ بمبئی ہائی کورٹ کے فیصلے اس لحاظ سے کہے جا سکتے ہیں، کہ صحیح نہیں ہیں۔ ان فیصلوں کی صحت پر الہ آباد ہائی کورٹ نے اعتراض[3] اور کلکتہ ہائی کورٹ نے ان سے

---

[1] اسمعیل بنام رامجی ۱۸۹۹ء ۲۳ بمبئی ۶۸۲؛ محی الدین بنام منوچہر شاہ ۱۸۸۲ء ۶ بمبئی ۶۵۰۔

[2] تارا پرا سنا بنام شاندی بی بی ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۶۸، ۷۵، انڈین کیسز ۳۱۹، ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۲۲۔

[3] رحیم بخش بنام محمد حسن ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد ۱، ۱۰؛ انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۱۔

اختلاف کیا ہے۔

زید چھ غیر منقولہ جائدادوں کا مالک ہے۔ اس نے اپنی تین جائدادیں بکر کے پاس رہن بالقبض کردی ہیں۔ رہن کرنے کے بعد وہ اپنی چھٹوں جائدادیں عمر کے حق میں ہبہ کرتا ہے اور تین جائدادوں پر جو بکر کے پاس رہن نہیں ہیں عمر کا قبضہ کرادیتا ہے۔ اس صورت میں بمبئی ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ چھٹوں جائدادوں کا ہبہ جائز تھا[1]۔

دفعہ ۱۲۴۔ ایسی جائداد کا ہبہ جس پر واہب کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص قبضۂ مخالفانہ رکھتا ہو —— ایسی جائداد کا ہبہ جو کسی ایسے شخص کے قبضے میں ہو جسے واہب کے مقابلے میں مخالفانہ دعویٰ ہو، جائز نہیں ہے، جب تک واہب اس کا قبضہ حاصل کر کے موہوب لہ کے حوالے نہ کردے [تمثیل (الف)]؛ یا تکمیل ہبہ کے لیے وہ تمام امکانی کارروائی عمل میں نہ لائے جس سے موہوب لہ کو اس کا قبضہ حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔ [تمثیل (ب)]۔

[(الف) زید عمر کے حق میں ہبہ نامہ کے ذریعے سے ایک ایسی اراضی کے مالکانہ حقوق منتقل کرتا ہے جو اس وقت بکر کے قبضے میں ہے، اور بکر بمقابلہ زید کے اس پر مخالفانہ دعویٰ رکھتا ہے۔ زید بغیر قبضہ حاصل کئے فوت ہو جاتا ہے۔ زید کی موت کے بعد عمر بکر پر بغرض حصول قبضہ نالش دائر کرتا ہے۔ مقدمے میں کامیابی نہیں ہوسکتی، کیونکہ عمر کو قبضہ نہ دئے جانے کی وجہ سے ہبہ کی تکمیل نہ ہوئی تھی: مہر علی بنام تاج الدین ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۱۵۶؛ رحیم بخش بنام محمد حسن ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد؛ میگناٹن صفحہ ۲۰۱، مقدمہ ۶؛ فقیر نینار بنام کنداسوامی ۱۹۱۲ء ۳۵ مدراس ۱۲۰،

[1] چاند صاحب بنام گنگا بائی ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۲۹۶؛ ۶۴ انڈین کیسز ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۲۴۸۔

۱۲۸ - ۱۳۱، ۱۴ انڈین کیسز ۹۹۳ -

ب - زید ایک غیر منقولہ جائداد کا ہبہ نامہ عمر کے حق میں لکھتا ہے۔ ہبہ کے وقت وہ جائداد بکر کے قبضے میں ہے جو اس پر بمقابلہ زید کے مخالفانہ دعویٰ رکھتا ہے۔ حصول قبضہ کے لیے عمر بکر پر نالش کرتا ہے اور زید کو ترتیبی مدعی علیہ بناتا ہے۔ زید اپنی تحریری وثیقے کی بنا پر عمر کے دعوے کو قبول کر لیتا ہے۔ بکر کا عذر یہ ہے کہ ہبہ ناجائز ہے، کیونکہ ہبہ کے وقت زید جائداد پر قابض نہ تھا، اور عمر کو قبضہ نہیں دیا گیا۔ یہ ہبہ جائز ہے اگرچہ واہب نے موہوب لہ کو قبضہ نہیں دیا تھا۔ پرایوی کونسل کے ججوں کی یہ رائے ہوئی کہ "مقدمۂ ہذا میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جواز ہبہ کی نزاع واہب اور موہوب لہ میں نہیں ہے۔ جسے نزاع ہے وہ دونوں کے خلاف دعوی دار ہے۔ "تکمیل ہبہ کے لیے جو کچھ ضرور تھا وہ واہب نے کیا، وہ مقدمے کا فریق بھی ہے اور ہبہ کے کامل ہونے کو تسلیم کرتا ہے"۔ کالیداس بنام کنیالال ۱۸۸۴ء ۱۱ کلکتہ ۱۲۱، ۱۱ انڈین اپیلز ۲۱۸، یہ مقدمہ دھرم شاستر کے متعلق ہے، مگر اس کا اتباع بمقدمۂ محمد بخش بنام حسینی بی بی ۱۸۸۸ء ۱۵ کلکتہ ۶۸۴، ۷۰۱-۷۰۲، ۱۵ انڈین اپیلز ۸۱ میں کیا گیا جو مسلمانوں کے درمیان تھا۔ موخر الذکر مقدمے میں پرایوی کونسل کے ججوں نے حسب ذیل تجویز کی :-

"اس مقدمے میں ہمارے نزدیک مجوزہ ہبہ کی تکمیل کے لیے جو کچھ واہبہ کو کرنا چاہئے تھا وہ اس نے کیا اس سے زیادہ اسے کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہبہ پوری شہرت کے ساتھ عمل میں آیا تھا، خود ہبہ نامہ میں موہوب لہ کو قبضہ کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا، اور فی الحقیقت ان کا قبضہ کر لینا ظاہر بھی

ہوتا ہے۔ ان حالات میں، ہمارے نزدیک، اس عذر پر کہ شہزادی (واہبہ) قابض نہ تھی اور بروقت ہبہ اس نے قبضہ نہیں دیا، ہبہ کے جواز پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔"]

باتباع رائے مذکورۂ بالا، یہ قرار پایا ہے کہ جائداد غیر منقولہ کا ایسا ہبہ جو خریدار نیلام بہ تعمیل ڈگری، نیلام کے وقت کرے وہ جائز ہے، اگرچہ اس وقت تک اس کی خریداری منظور نہ ہوئی ہو اور نہ اسے قبضہ ملا ہو، بشرطیکہ موہوب لہ کو واہب نے قبضہ کرنے کی اجازت دیدی ہو[1]۔ دیکھو ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء

دفعہ ۶۵۔

دفعہ ۱۲۵۔ تحریر ضروری نہیں ہے — جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کے ہبہ کے جائز ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا لازم نہیں ہے[2]۔

انتقال جائداد کے ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعات ۱۲۲ تا ۱۲۹ (فصل ہفتم) ہبہ کے متعلق ہیں۔ ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۲۳ میں یہ حکم ہے کہ جائداد غیر منقولہ کا ہبہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے ہونا چاہئے جس پر واہب کے دستخط اور کم از کم دو گواہوں کی تصدیق ہو، جائداد منقولہ کا ہبہ رجسٹری شدہ دستاویز مصدقہ حسب صراحت بالا کے ذریعے سے یا بذریعہ قبضہ وہی عمل میں آسکتا ہے۔ لیکن دفعہ ۱۲۳ کے احکام مسلمانوں کے ہبہ سے متعلق نہیں ہیں (دیکھو دفعہ ۱۲۹ اسی ایکٹ کی) جو ہبہ حسب شریعت اسلام کیا جائے وہ اسی طرح عمل میں آنا چاہیے جس طرح شریعت مذکور میں بتایا گیا ہے (دفعہ ۱۲۶)

---

[1] مرزا عابد بنام منو بی بی ۱۹۲۶ء ۲ لکھنؤ ۴۹۶، ۱۰۰ انڈین کیسز ۲۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۹۱۔

[2] قمر النسا بی بی بنام حسینی بی بی ۱۸۸۰ء ۳ الہ آباد ۲۶۷، میں پرایوی کونسل نے زبانی ہبہ کو جائز قرار دیا۔ نیز ملاحظہ ہو بیلی، ۵۰۹۔

اگر شریعت اسلام کی مقررہ شرائط کی تکمیل ہوگئی ہے (دفعہ ۱۲۶)
تو ہبہ جائز ہے، اگرچہ وہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے
نہ کیا گیا ہو، اور رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے کئے جانے کی
حالت میں بھی اگر اس پر دو گواہوں کی تصدیق نہ ہو[۱]۔ لیکن
اگر شریعت اسلام کے احکام کی پابندی نہیں کی گئی ہے، تو
وہ جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اگرچہ اس کی تکمیل اس طریقے
پر کی گئی ہو جو انتقال جائداد کی دفعہ ۱۲۳ میں بتایا گیا ہے۔
دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۲۶۔

ہبہ کا قانون جنوبی برما میں۔۔۔ ایکٹ انتقال
جائداد کی دفعہ ۱۲۳، جس کی رو سے جائداد غیر منقولہ کا ہبہ
رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے ہونا چاہئے، ۱۹۰۷ء میں
ضلع پیگو سے بھی متعلق کردی گئی ہے، لیکن دفعہ ۱۲۹ جو
شریعت اسلام کے قواعد ہبہ اور قبضہ دہی وغیرہ کی حفاظت
کرتی ہے [دفعہ ۱۲۶ آئندہ] بصراحت علاقہ مذکور سے متعلق
نہیں کی گئی ہے۔ ایک حال کے مقدمے میں پرایوی کونسل کے
ججوں نے یہ تجویز کی کہ انتقال جائداد کے ایکٹ کی دفعہ ا کی
رو سے لوکل گورنمنٹ نہ اس کی مجاز تھی اور نہ بظاہر اس کا
یہ منشا تھا کہ وہ دفعہ ۱۲۹ سے علیحدہ کرکے دفعہ ۱۲۳ کی توسیع کرے؛
دوسرے الفاظ میں اس ضلع سے دفعہ ۱۲۳ کے متعلق کرنے کے
یہ معنی نہ تھے کہ ضلع مذکور دفعہ ۱۲۹ کے عمل سے مستثنیٰ رہے۔ اس کا
نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان ضلع پیگو کی واقع شدہ جائداد ہبہ
کرے، تو وہ ہبہ اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ
(۱) وہ عمل انتقال جائداد کے ایکٹ کی دفعہ ۱۲۳ کے احکام کے

[۱] کرم الٰہی بنام شرف الدین ۱۹۱۶ء، ۳۸ الٰہ آباد ۲۱۲، ۳۵ انڈین کیسز ۱۴۔

مطابق بذریعۂ دستاویز رجسٹری شدہ نہ ہوا ہو؛ (۲) اور حسب قانون اسلام جائداد پر فوراً قبضہ نہ کرا دیا گیا ہو۔[1]

دفعہ ۱۲۵۔ الف۔ واہب کی حق ملکیت اور اختیار سے دست برداری —— ہبہ کے جواز کے لیے یہ امر لازم ہے کہ واہب جائداد موہوبہ کی حق ملکیت اور اس پر اختیارات سے کلیتہً دست بردار ہو جائے۔[2]

"ہبہ میں استنباط سے کام نہیں لیا جاتا۔ اس کا صریح اور صاف ہونا لازم ہے، اور واہب کی نیت کا اظہار شے موہوبہ کو قطعی طور سے چھوڑ دینے سے ہونا چاہیئے، اگر واہب شے موہوبہ پر مالکانہ اختیارات کام میں لاتا رہے گا تو وہ ہبہ کالعدم اور ناجائز متصور ہوگا"؛ میکناٹن صفحہ ۱۵ دفعہ ۸۔

دفعہ ۱۲۵۔ ہبہ کے تین لوازم —— ہبہ کے جواز کے لیے یہ امور لازم ہیں: (۱) واہب کا اظہار ہبہ کے متعلق؛ (۲) موہوب لہ یا اس کی طرف سے کسی شخص کا صریح یا معنوی طور سے ہبہ کو قبول کرنا؛ (۳) واہب کا جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کو قابض کر دینا جیسا کہ دفعہ ۱۲۶ میں بتایا گیا ہے۔ اگر ان تینوں شرطوں کی تکمیل کی گئی ہے تو ہبہ کامل ہے۔

بیلی، ۵۱۵؛ ہدایہ ۴۸۲۔ اس دفعہ کو دفعہ ۱۱۹ کے مضامین کو پیش نظر رکھ کر پڑھنا چاہیئے۔

دفعہ ۱۲۶۔ قبضہ دہی —— (۱) ہبہ کے جواز کے لیے یہ امر لازم ہے کہ شے موہوبہ پر ایسا قبضہ کرا دیا جائے جیسا کہ بلحاظ اس کی نوعیت کے ممکن ہو۔[3] ہبہ کی

۱۔ مامی بنام کلندر رام ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۲۲۳، ۵ رنگون ۷۰۰، انڈین کیسز ۱۰۲ ۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۲۔

۲۔ مساۃ بی بی بنام شیخ واحد ۱۹۲۸ء، ۷ پٹنہ ۱۱۸، ۵۸ انڈین اپیلز ۱۸۳۔

۳۔ صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱ — ۲۲۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۵ — ۶۴۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ المجبور النسا بنام روشن جہاں ۱۹۲۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱۔

تکمیل کے لیے جیسا کہ جوڈیشل کمیٹی نے لکھا ہے "موہوب لہ کا شے موہوبہ کو اپنے قبضے میں لے لینا" لازم ہے[1]۔ دیکھو دفعات ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۷، اور ۲۲۸۔

۲۔ رجسٹریشن ـــــــ دستاویز ہبہ کی رجسٹری کرا لینے سے عدم قبضہ دہی کا نقص رفع نہیں ہوتا۔

[زید اپنے ایک مسکونہ مکان کی دستاویز ہبہ عمر کے نام لکھ دیتا ہے۔ دستاویز کی باضابطہ رجسٹری کرا دی جاتی ہے، مگر عمر کو قبضہ نہیں دیا جاتا۔ ہبہ ناتمام اور اس لیے کالعدم ہے: مقدمہ مغل شاہ بنام محمد صاحب ۱۸۸۶ء ۱۱ بمبئی ۵۱۷؛ اسمٰعیل بنام رام جی ۱۸۹۹ء ۲۳ بمبئی ۶۸۲؛ رحمت اللہ بنام بویا پتی ۱۹۰۶ء ۳۰ مدراس ۵۱۹۔]

۳۔ اگر زبانی شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ حسب قانون [دفعات ۱۲۵ ب و ۱۲۶] ایک ہبہ کی تکمیل ہو گئی ہے، تو یہ امر ناقابل لحاظ ہے کہ واہب نے ایک دستاویز ہبہ بھی لکھی تھی، مگر رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ ۱۷ (الف) کے احکام کے مطابق اس کی رجسٹری نہ ہوئی تھی[1]۔

(۴) دستاویز ہبہ میں یہ بیان کہ جائداد موہوبہ کا قبضہ دیدیا گیا، واہب کے وارثوں کو پابند کر دیتا ہے[2]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ۳۰۷؛ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۴۹؛ ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸، ۷۵؛ تارا پرسنا بنام شاندی بی بی ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۶۸، ۷۵؛ انڈین کیسز ۴۱۹؛ ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۲۲۴۔

[1] محمد بنام فخر جہاں ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۲۰۹؛ ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۱۵؛ ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴؛ ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۸۱۔

[2] نصیب علی بنام واجد علی ۱۹۲۶ء ۵۴ کلکتہ لاجرنل ۴۹۰، ۱۰۰ انڈین کیسز ۲۹۶؛ ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۱۹۷؛ عبدالرحمان بنام گیا پرشاد ۱۹۲۹ء آل انڈیا اودھ ۴۳۔

[3] محمد ممتاز بنام زبیدہ جان ۱۸۸۹ء ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵۔

ہدایہ، ۲/۴۸۲؛ بیلی، ۵۲۰-۵۲۲-

تعبیری قبضہ — جس حالت میں واہب اصل جائداد کسی کو ہبہ کرتا ہے، مگر اس کا استفادہ اپنے لیے محفوظ رکھتا، اور جائداد پر حقیقی طور سے قابض بھی رہتا ہے تو ہبہ کی تاریخ کے بعد سے موہوب لہ کا اس جائداد کی بابت سرکاری محاصل ادا کرتے رہنا، موہوب لہ کے تعبیری قبضے کے مساوی ہے، اور یہ ہبہ اس قسم کے قبضے سے کامل متصور ہوگا[1]۔

نام داخل خارج کرنا — ہبہ کی صورت میں تبدیل قبضہ کی تکمیل کے لیے (سرکاری کاغذات میں) نام کا داخل خارج کرانا ضرور نہیں ہے[2]۔ اور نہ نام کا داخل خارج کرانا قبضہ دہی کا جائز قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے[3]۔

بارِ ثبوت — دو شریعت اسلام کی رو سے ایک جائداد کا مالک اس کا مجاز ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی کل جائداد یا اس کا کوئی جز، خاص صورتیں اختیار کرکے، کسی کو ہبہ کردے؛ لیکن جو لوگ اس معاملے سے استدلال کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ بصراحت اور صاف طریقے سے یہ ثابت کریں کہ ان خاص صورتوں کی (جس کی تکمیل ہبہ کے لیے ضروری ہوتی ہے) تکمیل کی گئی تھی۔ ہبہ یا تو ذریعۂ ہبہ نامہ بلا کسی عوض کے کیا گیا ہوگا یا بالعوض۔ اگر بلا کسی عوض کے کیا گیا ہے تو

---

[1] محمد بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۲۱۰، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۱۶، ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴، سنہ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۲۸۱-

[2] سنہ ۱۸۸۹ء ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵، ۲۱۷، گزشتہ؛ محمد صادق بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۱۳، ۶ لکھنؤ ۵۵۶، ۵۶۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵، سنہ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳-

[3] محمد عظیم بنام سعادت علی سنہ ۳۱ آل انڈیا اودھ ۱۷۷-

جب تک کہ شے موہوبہ کا ایسا قبضہ نہ دیدیا گیا ہو جیسا کہ بلحاظ نوعیت شے ممکن تھا، ہبہ مذکور ناجائز قرار پائے گا۔ ہبہ بالعوض کی صورت میں (جس کے لیے قبضہ دہی ضرور نہیں ہے) عوض کا حقیقی طور سے ادا کیا جانا، اور واہب کا نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو فی الفور جائداد کی ملکیت سے علیحدہ کرکے موہوب لہ کو مالک بنا دینے کا ارادہ ثابت کرنا چاہیے[۱]۔

قبضہ دہی مابعد ——— ہبہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ ہبہ، یعنی اس کے اظہار اور قبول کے وقت، قبضہ نہ لے لیا گیا ہو[۲] وہ قبضہ بھی جو ہبہ کئے جانے بعد حاصل کیا گیا ہو کافی ہے اگر ایسا عمل واہب کی مرضی کے مطابق ہوا ہو[۳]۔

ہبہ کا قانون جنوبی برما میں ——— دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۲۵ تحت عنوان ہذا۔

دفعہ ۱۲۶ الف۔ ہبہ بہ توسط امانت ——— بہ توسط امانت بھی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہبہ کی صحت کے لیے انھی شرائط کا پورا ہونا لازم ہے جو موہوب لہ کو براہ راست ہبہ کئے جانے کی حالت میں ضرور ہوتی ہیں؛ فرق صرف اتنا ہے کہ اس صورت میں امینوں کو ہبہ قبول کرنا ہوگا [دفعہ ۱۲۵ اب]۔

---

[۱] چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۴۸، ۴۴۹، ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸، ۷۴؛ الکجورالنسا بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۷، ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷؛ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۵، ۶۴۶ - ۳۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ غلام جعفر بنام مصلح الدین سنہ ۱۸۸۱ء ۵ بمبئی ۲۳۸، ۲۴۲۔

[۲] دیکھو سنہ ۱۹۰۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۲ — ۲۲۳، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۶ — ۶۴۷، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴ گزشتہ؛ ملانی بنام مولا بخش سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۲۶۰، ۲۶۲ — ۲۶۳، ۷۸ انڈین کیسز ۲۲۲، سنہ ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷۔

[۳] میگناٹن، صفحہ ۵۰ دفعہ ۴ و مقدمہ ۴ صفحہ ۲۱۵؛ جمن بنام حسین سنہ ۳۱ آل انڈیا اودھ ۱۲۹، ۷ انڈین کیسز ۱۶۱۔

اور قبضہ بھی انھی کو دیا جائے گا۔[ل] [دفعہ ۱۲۶]۔

(۲) ایک مسلمان امانت کے توسط سے جائداد ایسے اشخاص کے فائدے کے لیے ہبہ نہیں کرسکتا جو ہبہ کے پانے کے ناقابل ہیں، اور نہ وہ بتوسط امانت ایسی حقیت پیدا کرسکتا ہے جسے اس فرقے کا قانون ہبہ جس سے اس کا تعلق ہے تسلیم نہیں کرتا۔ نہ کوئی شیعہ اور نہ کوئی سنی اس کا مجاز ہے کہ وہ ایسے شخص کے حق میں ہبہ کرے جو ابھی پیدا نہ ہوا ہو، اسی طرح وہ امانت کے توسط سے بھی اس عمل کا مجاز نہیں ہوسکتا۔ حین حیاتی ہبہ سنیوں کے قانون میں جائز نہیں ہے، اس لیے ایک سنی امانت کے توسط سے بھی حین حیاتی ہبہ بطریق جائز نہیں کرسکتا۔ لیکن شیعوں کے قانون میں حین حیاتی (Life-estate) اور باقی ماندہ محصلہ حقیتیں (Vested remainder) تسلیم کی جاتی ہیں۔ اس لیے ایک شیعہ امانت کے توسط سے ایسی حقیتیں قائم کرسکتا ہے، مگر ایسے اشخاص کے حق میں نہیں جو ابھی پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔ البتہ سنی اور شیعہ دونوں، وقف کے ذریعے سے (Successive life-interests) ایسی ترتیبی حین حیاتی حقیتیں قائم کرسکتے ہیں جو یکے بعد دیگرے عمل پذیر ہوتی رہیں۔

[زید ایک شیعہ مسلمان، ایک ایسی دستاویز لکھتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی بعض غیر منقولہ جائداد اپنی بیوی اور بچوں کے استفادے کے لیے، امینوں کی حیثیت سے عمر، بکو

ل۔ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۱۸ — ۴۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۲ — ۶۴۸؛ ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ موسیٰ بھائی بنام یعقوب بھائی سنہ ۱۹۰۴ء ۲۹ بمبئی ۲۶۷ — ۲۷۶ [مقدمہ خوجوں کا]؛ جینا بائی بنام تھینا سنہ ۱۹۱۰ء ۳۴ بمبئی ۶۰۴، ۶ انڈین کیسز ۵۱۳؛ قاسم علی بنام کریم بھائی سنہ ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۲۵۹ — ۲۶۰، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵، [خوجوں کا مقدمہ]؛ رام چرن بنام فاطمہ بیگم سنہ ۱۹۱۵ء ۴۲ کلکتہ ۹۳۳، ۹۳۸، ۳۰ انڈین کیسز ۶۸۶ [مقدمۂ وقف]؛ میرزا ہاشم بنام ہندانیم سنہ ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۳۴۳، ۱۱۳ انڈین کیسز ۲۵۵، سنہ ۲۸ اے۔ آر ۳۲۳۔

اور خالد کے نام منتقل کرے۔ دستاویز کی تکمیل زید نے کردی ہے اور اس کی رجسٹری بھی ہوگئی ہے، مگر نہ عمر، بکر اور خالد نے اور نہ ان میں سے کسی ایک نے دستاویز (امانت) کی تکمیل کی اور نہ کوئی جائداد امینوں کے نام منتقل ہوئی، زید بدستور اس جائداد کے کرائے سے حسب سابق منتفع ہوتا رہا۔ اس صورت میں نہ امینوں نے امانت کو قبول کیا اور نہ امینوں کو جائداد پر قبضہ دلا دیا گیا، اس لئے ہبہ کالعدم ہے:

صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۱۸ ـ ۲۲۴، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۲ ـ ۶۴۸، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔]

امینوں کا معاملے میں داخل کرنا صرف ہبہ کی عمل آوری کا ایک ذریعہ ہے۔[ل] امینوں کا امانت کو قبول کر لینے کا اظہار ان کے دستاویز امانت کی تکمیل کرنے سے ہوتا ہے۔ تمثیل مذکورۂ بالا میں، امینوں نے کسی دستاویز امانت کی تکمیل نہ کی تھی، اور اس لیے ان کا امانت کو قبول کرنا ثابت نہ تھا۔

جس طرح موہوب لہٗ کو براہ راست، ہبہ کرنے کی صورت میں، یہ امر ضرور ہے کہ واہب جائداد موہوبہ سے اپنا عمل دخل کلیتہً اٹھالے، اسی طرح اس ہبہ میں بھی ضرور ہے جو امینوں کے توسط سے کیا جائے۔ اگر واہب ایسا نہیں کرتا، تو ہبہ ناجائز ہے۔[ع]

ل۔ رام چرن بنام فاطمہ بیگم ۱۹۱۵ء ۴۲ کلکتہ ۹۳۳، ۹۳۸، ۳۰ انڈین کیسز ۶۸۶۔

ع۔ مرزا ہاشم بنام ہند ابیم ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۴۳ ۴، ۱۱۳ انڈین کیسز ۲۵۵، ۱۹۲۸ء آل انڈیا رنگون ۳۲۳ [جس میں اس شرط کی وجہ سے کہ امینوں کو بغیر واہب کی رضامندی کے جائداد کا فروخت کرنا ممنوع تھا ہبہ ناجائز قرار پایا تھا]۔

دفعہ ۱۲۷۔ غیر منقولہ جائداد کی قبضہ دہی ۔۔۔ (۱) جس جائداد غیر منقولہ پر واہب فی الحقیقت قابض ہو ۔۔۔ اس کا ہبہ اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ واہب مع اپنے تمام سازوسامان کے اس کے حدود سے مادی طور سے خارج ، اور موہوب لہ اس پر باضابطہ طور سے داخل اور قابض نہ ہو جائے[۱]۔

۲۔ جب جائداد کرایہ داروں کے تصرف میں ہو ۔۔۔ ایسی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ جو کرایہ داروں کے تصرف میں ہو ، اس طرح تکمیل پا سکتا ہے ، کہ واہب کرایہ داروں سے درخواست کرے کہ وہ موہوب لہ کے کرایہ دار بن جائیں[۲]۔

۳۔ جب واہب اور موہوب لہ دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں ۔۔۔ ایسی جائداد غیر منقولہ کے ہبہ کے واسطے جس میں واہب اور موہوب لہ دونوں بروقت ہبہ ایک ساتھ رہتے ہوں واہب کا مع سازوسامان کے خارج ، اور موہوب لہ کا باضابطہ طور سے داخل ہونا ضرور نہیں۔ ایسی صورت میں ہبہ واہب کے کسی ایسے علانیہ فعل سے کامل ہو جاتا ہے جس سے انتقال قبضہ اور جائداد موہوبہ پر تصرف سے دست برداری کی نیت بصراحت ظاہر ہوتی ہو[۳]۔ اس قسم کے سوالات کے تصفیے کا اصول جسٹس ویسٹ نے ایک بمبئی کے مقدمے[۴] میں اس طرح بیان کیا تھا کہ "جب کسی شخص کو کسی

---

[۱] میگناٹن ، صفحہ ۲۳۱ ، تمثیل ۲۲۔

[۲] شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۴۶ ، ۱۵۰ ؛ بی بی خوریر بنام بی بی رقیہ ۱۹۰۵ء ۲۹ بمبئی ۴۶۸ ، ۴۷۷ ؛ مجبور النساء بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴ ، ۱۹۲ ، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱ ، ۳۰۸۔

[۳] شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۴۶ ؛ عبد المجید خاں بنام حسینی بیر ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۲۲۹ ، ۵۵ انڈین کیسز ۹۵۲ ؛ حمیرا بی بی بنام نجم النساء ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۱۴۷ (چچی سے بھتیجے کو) ؛ بی بی خوریر بنام بی بی رقیہ ۱۹۰۵ء ۲۹ بمبئی ۴۶۸ (ہبہ بہو اور اس کی اولاد کے نام) ؛ کتدھت بنام سائیم ۱۹۰۷ء ۳۰ مدراس ۳۰۵ (نانا سے بیٹی کو)۔

[۴] ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۴۶ گزشتہ۔

مقام کا قبضہ دینا پیش نظر ہو، اور وہ شخص اسی مقام پر موجود ہو تو قابض سابق کے اعلان کر دینے سے شخص مذکور قابض ہو جاتا ہے۔[۱]

تمثیل متعلق بضمن (۳) ——— ایک مسلمان خاتون نے، جس نے اپنے بھتیجے کو بطور فرزند کے پالا تھا، اس کے نام اس مکان کا ہبہ نامہ لکھ دیا جس میں بروقت ہبہ وہ دونوں رہتے تھے۔ واہبہ نے نہ بروقت ہبہ اور نہ اس کے بعد مکان خالی کیا، بلکہ اپنے بھتیجے کے ساتھ بدستور اسی میں مقیم رہی۔ جائداد بھتیجے کے نام منتقل کر دی گئی تھی، اور کرایہ اسی کے نام سے وصول ہوتا تھا۔ قرار پایا کہ باوجود یا ضابطہ طور سے قبضہ نہ دینے کے ہبہ کا عمل صحیح تھا: حمیرا بی بی بنام نجم النسا ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۱۴۷۔

دفعہ ۱۲۷ الف۔ جائداد غیر منقولہ کا ہبہ زوج کی طرف سے زوجہ کے حق میں ——— جو قاعدہ دفعہ ۱۲۷ کے ضمن (۳) میں بتایا گیا ہے وہ ایسی جائداد غیر منقولہ کے ہبہ سے بھی متعلق ہوتا ہے جو زوجہ زوج کے حق میں[۲] یا زوج زوجہ کے حق میں کرے، خواہ اس جائداد کو وہ دونوں مشترک طور سے بود و باش کے لیے استعمال کرتے ہوں[۲] یا وہ کرائے پر دی گئی ہو[۳]۔ اس واقعے سے کہ ہبہ کے بعد زوج نے اسی مکان میں بود و باش رکھی، یا اس کا کرائے وصول کرتا رہا، ہبہ ناجائز نہیں ہو جاتا۔ ایسی صورتوں میں قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ جو کرایہ زوج وصول کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنی زوجہ کی طرف سے وصول کرتا ہے[۴]۔

۱۔ میکناٹن، صفحہ ۵۱ دفعہ ۹۔

۲۔ آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی ۱۸۶۴ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ ۱۵۷؛ عزیز النسا بنام ڈالی ۱۸۹۶ء ۶ مدراس ہائیکورٹ ۴۵۵۔

۳۔ امنا بائی بنام ہاجرہ بائی ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۳۵۲۔

۴۔ امی بنام قلندر اماں ۱۹۲۷ء ۱۰۵ انڈین اپیلز ۲۳، ۵ رنگون ۱۰۰۷، انڈین کیسز ۳۲، ۲۷

زوج کی طرف سے زوجہ کے حق میں ہبہ —
آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی، سنہ ۱۸۶۴ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ ۱۵۷، ۱۶۲ مذکورۂ سابق میں زوج نے اپنی زوجہ کے نام ایک مکان، جس میں وہ دونوں رہتے تھے، اور ایک چوال جو کرائے پر دی گئی تھی ہبہ کی تھی۔ چیف جسٹس سر ایم۔ سامی نے یہ رائے ظاہر کی: کہ "میری رائے میں، زوج اور زوجہ کے تعلقات، اور زوج کے اپنی زوجہ کے ساتھ رہنے اور اس کی جائداد کا انتظام کرنے کے حق کی بنا پر وہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا جو ہبہ کرنے کے بعد مسلسل بود و باش اور وصول کرایہ سے ایسی صورتوں میں نکالا جاتا جب کہ فریقین میں وہ تعلقات نہ ہوتے جو موجود ہیں"۔ مقدمۂ مائی بنام قلندر اماں[1] میں ہبہ زوج کی طرف سے زوجہ کے حق میں تھا، اور سرکاری کاغذات میں باضابطہ طور سے داخل خارج کا عمل ہو کر زوجہ کا نام بحیثیت مالک کے درج ہو چکا تھا۔ اس مقدمے سے بحث کرتے ہوئے پرائیوی کونسل کے ججوں نے یہ رائے ظاہر کی: کہ "یہ امر تسلیم کر لینا چاہیئے کہ داخل خارج کا عمل خود محی الدین [زوج] نے کرایا تھا، اور جب ایک مسلمان زوج جائداد غیر منقولہ اپنی زوجہ کے نام ہبہ کرے، اور یہ ثابت ہو جائے کہ داخل خارج کا عمل ہو چکا ہے، تو زوج اور زوجہ کے تعلقات کی بنا پر فطری طور سے یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ زوج نے جائداد کے متعلق جو کارروائی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ آل انڈیا پرائیوی کونسل ۲۲، بتائید مقدمہ سنہ ۱۸۶۴ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ ۱۵۷، ۱۶۲ گزشتہ؛ محمد صادق بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۶ لکھنؤ ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵، سنہ ۳۲ آل انڈیا پرائیوی کونسل ۱۳؛ سنہ ۱۸۸۸ء ۱۳، ۳۵، ۳۵۴-۳۵۵، گزشتہ۔

[1] سنہ ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۵ رنگون ۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۲، سنہ ۲۷ آل انڈیا پرائیوی کونسل ۲۲۔

اس عمل کے بعد کی وہ من جانب زوجہ تھی نہ کہ خود اپنی طرف سے"
اگر ہبہ نامہ میں یہ بیان ہوا ہو کہ زوج نے زوجہ کو قبضہ دیدیا'
اور ہبہ نامہ زوجہ کے حوالے کر دیا گیا اور وہ اس کے پاس ہے
تو سرکاری کاغذات میں تبدیل نام کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

دفعہ ۱۲۸ الف۔ غیر مادی جائداد اور دعاوی قابل نالش میں قبضہ دہی۔۔۔ جب کوئی غیر مادی جائداد یا دعاوی قابل نالش ہبہ کئے جائیں تو واہب کے کسی ایسے فعل سے جس سے بصراحت یہ نیت ظاہر ہوتی ہو کہ وہ فی الفور اپنے آپ کو جائداد سے علیحدہ کر کے اسے موہوب لہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے' ہبہ کامل ہو جاتا ہے۔

(الف) سرکاری پرامیسری نوٹ کا ہبہ' تحریر ظہری اور موہوب لہ کو حوالے کر دینے سے کامل ہو جاتا ہے: نواب امجد علیخاں بنام محمدی بیگم ۱۸۶۷ء ۱۱ مدراس انڈین اپیلز ۱۷، ۱۴۴۵۔

(ب) حقوق زمینداری' عطیۂ سرکار کا ہبہ' کلکٹری کے رجسٹر میں تبدیل نام سے کامل ہو جاتا ہے: سجاد احمد خاں بنام قادری بیگم ۱۸۹۸ء ۱۸ الہ آباد ۱۔

(ج) زید نے کچھ روپیہ ایک بنک میں جمع کرایا اور اس کی رسید لاکر اپنی بیوی کو یہ کہہ کر دی کہ "میں نہانے کے بعد بنک جاکر کاغذ تمہارے نام کرا دوں گا" رسید کے حاشیے پر الفاظ "ناقابل انتقال" درج تھے۔ قبل تبدیل نام کے زید فوت ہو جاتا ہے۔ یہ ہبہ ناکامل ہے: آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹، ۱۷۔ رسید کے "ناقابل انتقال" ہونے کی وجہ سے جو حق واہب کو بنک سے رقم وصول کرنے کا تھا

ف۔ محمد صادق بنام فخر جہاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۱۳، ۶ لکھنو ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳۔

وہ محض رسید کے حوالے کر دینے سے موہوب لہ کی طرف منتقل نہیں ہو جاتا۔[1]

قبضہ دہی کی مختلف صورتوں میں امتیاز کیا جانا چاہیئے:۔ ایک یہ صورت ہے کہ شے موہوبہ کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں موہوب لہ کو حقیقی قبضہ نہ دیا جا سکتا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں موہوب لہ کو ایسا قبضہ دیا جا سکتا ہو۔ جو اراضی پٹے پر دیدی گئی ہو، ظاہر ہے کہ اس کا قبضہ خاص، یعنی، حقیقی قبضہ نہیں دیا جا سکتا، اس صورت میں اراضی کا ہبہ جائز ہے، اگرچہ قبضہ نہ دیا جائے۔[2] "اس میں شک نہیں کہ شرع اسلام کا یہ اصول مسلم ہے کہ ہبہ کے جواز کے لیے قبضے کا دیا جانا ضرور ہے، مگر سوال یہ ہے کہ قبضہ کس چیز کا؟ اگر واہب موہوب لہ کو وہ تمام امکانی قبضہ نہیں دیتا جو وہ دے سکتا ہے تو وہ ہبہ یقیناً کامل نہیں ہے۔ ہماری رائے میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، شرع اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو جائداد کے حق کے ہبہ کا مانع ہو۔ واہب کے لیے ضرور ہے کہ جو کچھ وہ موہوب لہ کو دیتا ہے وہ **جہاں تک اس کے امکان** میں ہو، اس کی طرف منتقل کرے، یعنی، وہ حق جو خود اسے حاصل ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ جب کسی جائداد کا حق ہبہ کیا جائے تو وہ ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ واہب وہ شے نہ منتقل کرے جو خود اس کے قبضے میں نہیں ہے، یعنی، مادی جائداد۔ ہبہ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اسے **جہاں تک اس کے امکان** میں ہو، اپنے آپ کو شے موہوبہ کی ملکیت سے علٰحدہ کر لینا ضرور ہے۔"[2]

---

[1] ملک عبدالغفور بنام ملیکہ ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۱۱۲۔

[2] انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، ۱۷۰-۱۷۱

دفعہ ۱۲۹ - باپ یا دوسرے ولی کا نابالغ کے نام ہبہ کرنا۔

اگر باپ اپنی کسی نابالغ اولاد یا ولی اپنے وارڈ کے حق میں ہبہ کرے تو اس کے لیے تبدیل قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نیک نیتی سے دینے کا ارادہ ثابت ہونا ضرور ہے[1]۔

ہدایہ، ۴۸۴؛ بیلی، ۵۳۸؛ میگناٹن، صفحہ ۱۵ دفعہ ۹۔

جب باپ یا دوسرے ولی کا یہ نیک نیتی اور حقیقی طور سے ہبہ کرنا معلوم ہو جاتا ہے، تو قانون تبدیل قبضہ پر زور نہیں دیتا، اور یہ مان لیتا ہے کہ اس کے بعد واہب کا جو قبضہ قائم رہا وہ نابالغ کی طرف سے تھا: امیر النسا بنام عباد النسا ۱۸۷۵ء ۱۵ بنگال لا رپورٹ ۶۷، ۷۸، لا رپورٹ ۲ انڈین اپیلز ۸۷، ۱۰۴،

جس ولی کا اس دفعہ میں ذکر کیا گیا ہے، وہ نابالغ کی جائداد کا ولی ہے۔ ایک نابالغ کی جائداد کی ولایت کے مستحق حسب ترتیب مندرجہ یہ لوگ ہیں: یعنی، (۱) باپ (۲) اس کا وصی (۳) دادا (۴) اس کا وصی۔ اگر باپ اپنے نابالغ بیٹے کے حق میں ہبہ کرے تو تبدیل قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ خود باپ اپنے بیٹے کے ولی ہونے کی حیثیت سے اس کی جائداد پر قابض رہنے کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دادا اپنے نابالغ پوتے کے حق میں ہبہ کرے تو تبدیل قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی، بشرطیکہ پوتے کا

---

[1] امیر النسا بنام عباد النسا ۱۸۷۵ء ۱۵ بنگال لا رپورٹ ۶۷، ۷۸، ۲ انڈین اپیلز ۸۷، ۱۰۴؛ محمد صادق بنام فخر جہاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۶ لکھنؤ ۵۵۶، ۱۳۶، انڈین کیسز ۳۸۵ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳ [نیک نیتی ثابت ہوئی]؛ سلطان میاں بنام عجیبہ خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۵۵۷، ۱۳۸، ۱۳۸ انڈین کیسز ۳۳، ۱۹۳۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۹۷ [نیک نیتی ثابت نہ ہوئی]؛ فاطمہ بی بی بنام احمد بخش ۱۹۰۴ء ۳۱ کلکتہ ۳۱۹، ۳۳۰؛ خالق بخش بنام مہابیر پرشاد ۱۹۳۱ء ۶ لکھنؤ ۳۰۴، ۱۲۹ انڈین کیسز ۳۳۵، ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۱۹۔

باپ مرگیا ہو، کیونکہ اس صورت میں دادا بحیثیت ولی اپنے نابالغ پوتے کی جائداد پر قبضہ رکھنے کا مجاز ہوگا۔ لیکن اگر باپ زندہ ہے، اور اس کے حقوق واختیارات ولایت مسلوب نہیں کرلیے گئے ہیں تو دادا کو چاہیئے کہ جائداد موہوبہ کا قبضہ نابالغ کے باپ کی طرف بحیثیت ولی نابالغ منتقل کرے؛ اگر ایسا نہ ہوگا تو ہبہ کامل نہ متصور ہوگا۔ محض اس واقعے سے کہ نابالغ ہمیشہ اپنے دادا کے پاس رہا اور اس کی پرورش اور برداشت اسی نے کی ہے، دادا نابالغ کی جائداد کا ولی نہ قرار پائے گا اور نہ اس سے تبدیل قبضہ کی ضرورت رفع نہ ہو سکے گی

از روئے شرع اسلام ماں اپنے نابالغ بچے کی جائداد کی ولی نہیں ہوتی؛ اس لیئے، اگر ماں اپنے نابالغ بچے کے حق میں ہبہ کرے گی تو اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ جائداد اپنے قبضے سے نکال کر بچے کے باپ کے قبضے میں دیدے، اگر باپ مرگیا ہے تو اس کے وصی کے، اگر کوئی وصی نہ ہو تو بچے کے دادا کے، اور اگر وہ بھی مرگیا ہو تو اس کے وصی کے حوالے کرے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو ایسے ہبہ میں جو ماں اپنے نابالغ بچے یا کوئی دوسرا شخص ایسے نابالغ کے حق میں کرے جو اس کی حفاظت میں ہو، کسی تبدیل قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی (دیکھو دفعہ ۱۳۰)

دفعہ ۱۳۰۔ وہ ہبہ جو نابالغ کے حق میں باپ یا ولی کے سوائے کوئی اور شخص کرے — جو ہبہ نابالغ یا دیوانے کے حق میں باپ یا ولی کے سوائے کوئی اور شخص کرے وہ اس وقت کامل ہوتا ہے جب کہ اس کا

۵۷۔ موسیٰ میاں بنام قادر بخش ۱۹۲۸ء ۵۵ انڈین اپیلز ۱۷۱، ۲۵ بمبئی ۳۱۶، ۱۰۹ انڈین کیسز ۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۰۸۔

قبضہ نابالغ کے باپ یا ولی کی طرف منتقل کر دیا جائے۔[1]

جب موہوب لہٗ نابالغ یا دیوانہ ہو تو اس کی طرف سے قبضہ کرنے کا حق اس کے ولی کو پہنچتا ہے، جو سب سے پہلے باپ، اس کے بعد باپ کا وصی، پھر دادا، اور دادا کے بعد دادا کا وصی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص بھی نہ ہو، تو نابالغ کی طرف سے وہ شخص قبضہ کر سکتا ہے جس کے اختیار میں اس وقت نابالغ ہو (دیکھو دفعہ ۲۶۲ ب): بیلی، ۵۳۹؛ ہدایہ، ۴۸۴؛ میکناٹن صفحہ ۵۱ دفعہ ۱۰۔ اس صورت میں تبدیل قبضہ کی ضرورت نہیں جبکہ ولی خود واہب ہو (دفعہ ۱۲۹) دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۲۹۔

دفعہ ۱۳۱۔ ہبہ بحق امین —— جب کہ وہ شے جو ہبہ کی جاتی ہے پہلے سے موہوب لہٗ مثلاً امین کے قبضے میں ہو، تو ہبہ صرف اظہار اور قبول سے بغیر باضابطہ قبضہ دہی کے کامل ہو جاتا ہے۔

[ا] (الف) ایسی جائداد کا ہبہ جو امین، پٹہ دار، گرو دار یا رہن دار کے قبضے میں ہو بغیر باضابطہ تبدیل قبضہ کے کامل ہو جاتا ہے: ہدایہ، ۴۶۴؛ بیلی، ۵۲۲۔

(ب) زید نے اپنے ایک ملازم کو جس کے متعلق کرایہ وصول کرنے کا کام تھا ایک مکان ہبہ کر دیا۔ کوئی شہادت ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ جائداد کے تبدیل قبضہ کے متعلق کوئی علانیہ عمل کیا گیا، ہبہ کالعدم ہے، کیونکہ اس ملازم یا مختار کی نسبت جو کرایہ وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ان مکانات پر "قابض" ہے جن کا

---

[1] موسیٰ میاں بنام قادر بخش حسب سابق؛ جمن بنام حسین ۱۳ آل انڈیا اودھ ۷، ۱۲۹ انڈین کیسز ۱۶۱ [ہبہ ماموں نے کیا —— کبھی بھی قبضہ نہیں دیا گیا —— ناجائز قرار پایا]۔

کرایہ وہ وصول کرتا ہے: ولایت حسین بنام میرن ۱۸۷۹ء ۵ کلکتہ لا رپورٹ ۹۱ -]

دفعہ ۱۳۲۔ مشاع کی تعریف — جائداد منقولہ یا غیر منقولہ میں غیر منقسمہ حصے کو "مشاع" کہتے ہیں۔

دفعہ ۱۳۳۔ مشاع کا ہبہ جب کہ جائداد ناقابل تقسیم ہو — ایسی جائداد مشاع کا ہبہ جائز ہے جو ناقابل تقسیم ہو۔

زید جو ایک گھر کا مالک ہے عمر کو وہ مکان اور ایک زینے کا حق استعمال جو وہ اپنے ایک پڑوسی مکان دار کے ساتھ مشترک طریقے سے کام میں لاتا ہے، ہبہ کرتا ہے۔ زید کا جو غیر منقسمہ حصہ زینے میں ہے، اس کا ہبہ جائز ہے، اگرچہ وہ مشاع کا ہبہ ہے، کیونکہ زینہ ناقابل تقسیم ہے: قاسم حسین بنام شریف النساء ۱۸۸۳ء ۵ الہ آباد ۲۸۵]۔

دفعہ ۱۳۴۔ مشاع کا ہبہ جب کہ جائداد قابل تقسیم ہو — ایسی جائداد مشاع کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو، فاسد ہے، باطل نہیں ہے۔ چونکہ ہبہ باطل نہیں بلکہ فاسد ہے، اس لیے اس کی تکمیل و اصلاح تقسیم ما بعد، اور موہوب لہ کو موہوبہ حصہ حوالے کر دینے سے ہو سکتی ہے۔ اگر ایک مرتبہ قبضہ ہو گیا، اور دستاویز ہبہ کا عمل شروع ہو گیا، تو قبضے کی کسی تبدیل ما بعد سے وہ ناجائز نہ قرار پائے گا [تمثیل (الف)]۔

مستثنیات — جائداد مشاع کا ہبہ، اگرچہ وہ قابل تقسیم ہو، بلا تقسیم اور بلا موہوب لہ کو قبضہ دینے کے، وقت ہبہ سے مفصلۂ ذیل صورتوں میں جائز متصور ہوتا ہے۔

(۱) جب کہ ہبہ ایک وارث دوسرے وارث کے حق میں کرے [تمثیل (ب)]؛

(۲) جب کہ ہبہ زمینداری یا تعلقداری کے ایک حصے کا ہو [تمثیل (ج)]؛

(۳) جب کہ ہبہ ایسی جائداد قابل ارث کا ہو جو کسی بڑے تجارتی شہر میں واقع ہو [تمثیل (د)]؛

(۴) جب کہ ہبہ اراضی کی کمپنی (لیمٹڈ کمپنی) کے حصص کا ہو۔[۱]

[(الف) - زید ایک غیر منقسمہ اراضی کا اپنا حصہ عمر کو ہبہ کرتا ہے - بروقت ہبہ اس کا حصہ علیحدہ نہیں کیا گیا تھا، مگر بعدہ وہ علیحدہ کر کے عمر کے قبضے میں دیدیا گیا - یہ ہبہ اگرچہ ابتدا میں فاسد تھا، مگر بعد کی قبضہ دہی سے جائز ہو گیا: محمد ممتاز بنام زبیدہ جان ۱۸۸۹ء ۱۱ الہ آباد ۴۶۰، ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵؛ محمد بنام گوہر بائی ۱۹۰۴ء ۲۶ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۴۳؛ محب اللہ بنام عبد الخالق ۱۹۰۵ء ۳۰ الہ آباد ۲۵۰؛ عبد العزیز بنام فتح محمد ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۵۱۸، ۹ انڈین کیسز ۶۳۵ -

(ب) ایک مسلمان عورت، ایک ماں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مر جاتی ہے - ماں غیر منقسمہ ترکہ میں اپنا حصہ بطور جائز بیٹے، یا بیٹی، یا دونوں کو مشترکہ طور سے ہبہ کر سکتی ہے: محمد بخش بنام حسینی بی بی ۱۸۸۸ء ۱۵ کلکتہ ۶۸۴، ۱۵ انڈین اپیلز ۸۱ -

(ج) زید، عمر، بکر ایک زمینداری کے حصہ دار ہیں - ہر حصے کا سرکاری لگان علیحدہ مقرر ہے، اور کلکٹری کے رجسٹر میں ہر ایک حصے کا جداگانہ نمبر قائم ہے؛ اور ہر حصہ دار رعایا سے ایک مقررہ لگان وصول کرنے کا مجاز ہے - زید بغیر تقسیم زمینداری اپنا حصہ خالد کو ہبہ کر دیتا ہے - یہ ہبہ جائز ہے، کیونکہ فی الحقیقت یہ متاع کا ہبہ نہیں ہے، حصے متعین اور ایک دوسرے سے جدا ہیں: امیر النسا بنام عباد النسا ۱۸۷۵ء

[۱] ابراہیم غلام عارف بنام سائیبو ۱۹۰۷ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۳۴ انڈین اپیلز ۱۶۷ -

۱۵ بی لا رپورٹ ۶۷، ۲ انڈین اپیلز ۸۷، عبدالعزیز بنام فتح محمد سنہ ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۵۱۸، ۹ انڈین کیسز ۶۳۵؛ جیون بنام امتیاز سنہ ۱۸۷۸ء ۲ الہ آباد ۹۳؛ قاسم بنام شریف النسا سنہ ۱۸۸۳ء ۵ الہ آباد ۲۸۵؛ ظہورن بنام عبدالسلام سنہ ۱۹۳۰ء ۵ لکھنؤ ۵۹۷، ۱۲۳ انڈین کیسز ۸۵۷، سنہ ۳۰ آل انڈیا اودھ ۱۷۱۔

(د) زید کا ایک مکان رنگون میں ہے، وہ اس مکان کا تیسرا حصہ عمر کو ہبہ کر دیتا ہے۔ یہ ہبہ جائز ہے، کیونکہ جائداد ایک بڑے تجارتی شہر میں واقع ہے: ابراہیم غلام عارف بنام سائبو سنہ ۱۹۰۷ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۳۴ انڈین اپیلز ۶۷۔

(ہ) زید ایک تجارتی کوٹھی کا شریک ہے، سرمایۂ شراکت میں اس کا جو حصہ ہے وہ عمر کے حق میں ہبہ کر دیتا ہے۔ یہ ہبہ ناجائز ہے جب تک کہ حصہ الگ کر کے عمر کے حوالے نہ کر دیا جائے: ہدایہ، ۴۸۳؛ بیلی، ۵۲۹—۵۳۰]۔

ہدایہ، ۴۸۳ — ۴۸۴؛ بیلی ۵۲۳ — ۵۳۰۔ [۱۲] ایسی شے کے ایک جز کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو جا ناجائز ہے جب تک کہ وہ جز واہب کی جائداد سے تقسیم ہو کر علیحدہ نہ کر لیا جائے؛ لیکن ایسی شے کے ایک جز کا ہبہ جائز ہے جو ناقابل تقسیم ہو۔ وجہ یہ ہے کہ شے کے ناقابل تقسیم ہونے کی وجہ سے "کامل قبضہ ناممکن ہے" اور اس لیے غیر کامل قبضہ بھی کافی مان لیا جاتا ہے؛ ایسی شے کے متعلق یہی ہو سکتا ہے۔ ہدایہ، ۴۸۳۔

"مشاع" کی اصطلاح لفظ "شیوع" سے نکلی ہے جس کے معنی پراگندگی کے ہیں۔ غیر منقسمہ حصہ "مشاع" کہلاتا ہے کیونکہ اگر جائداد کا غیر منقسمہ حصہ کوئی شریک جائداد کسی اجنبی کے حق میں ہبہ کر دے تو جائداد کے استفادے میں پراگندگی اور پریشانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن اگر ایک

شریک جائداد دوسرے شریک جائداد کے نام ہبہ کردے، تو ایسی کوئی پراگندگی یا پریشانی نہیں پیدا ہو سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسی جائداد مشاع کے وارثوں میں سے جو قابل تقسیم ہو کسی ایک وارث کا اپنا حصہ کسی اجنبی کو ہبہ کر دینا فاسد، مگر جائداد کے شریک کو ہبہ کر دینا جائز ہے۔

مشاع کا اصول ترقی پذیر تمدن کے مناسب حال نہیں ہے ——— مقدمہ محمد ممتاز بنام زبیدہ جان میں، جس پر تمثیل الف مبنی ہے، پریوی کونسل کے ججوں نے لکھا: کہ "مشاع میں ناجوازئ ہبہ کا اصول ترقی پذیر تمدن کے بالکل مناسب حال نہیں ہے، اور اسے نہایت سختی کے ساتھ قاعدہ ہی کے دائرے میں محدود رکھنا چاہئے"۔ ججان پریوی کونسل نے اس اصول کو اس مقدمے میں برتا جو تمثیل (د) میں دیا گیا ہے۔

مشاع کا اصول مدراس میں ——— مدراس ہائیکورٹ کے ایک مقدمے[1] میں، جسٹس بنسن نے یہ قرار دیا کہ مشاع کا اصول مدراس پریسیڈنسی سے غیر متعلق ہے، لیکن ایک بعد کے مقدمے میں یہ طے ہوا کہ وہ نظریہ غلط تھا[2]۔

مشاع کا اصول ان انتقالات سے متعلق نہیں ہے جو بدل کے ساتھ کئے جاتے ہیں ——— جو قاعدہ اس دفعہ میں بیان کیا گیا ہے وہ صرف ہبہ سے متعلق ہے؛ اس کا تعلق ان انتقالات سے نہیں ہے جو بدل کے ساتھ کئے جاتے ہیں[3]۔

---

[1] الابی کویا بنام موسیٰ کویا سنہ ۱۹۰۱ء ۲۴ مدراس ۵۱۳۔
[2] وہاج اللہ بنام بویا بتی سنہ ۱۹۰۷ء ۳۰ مدراس ۵۱۹۔
[3] اشید بائی بنام عبداللہ سنہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۲۷۱۔

مشاع کے اصول سے بچنے کی ترکیب (حیلہ) — الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک مقدمے میں یہ لکھا کہ اگرچہ ایسی مشاع جائداد جو قابل تقسیم ہو بطریق جائز ہبہ نہیں ہو سکتی، مگر یہ شکل، اس ترکیب سے رفع ہو سکتی ہے، کہ واہب اپنا غیر منقسمہ حصہ ایک مقررہ قیمت پر اس شخص کے ہاتھ فروخت کر دے جس کے حق میں وہ ہبہ کرنا چاہتا ہے، اور جو قرض اس کی قیمت کی بابت ہو اسے معاف کر دے[۵۱]۔ اگر یہ رائے صحیح مان لی جائے، تو ہبہ کی کسی صورت میں بھی قبضہ دہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس طرح کہ واہب جائداد کو موہوب لہ کے ہاتھ فروخت کرنے کا حیلہ کرے اور بعدہ اسے ادائے رقم کی ذمہ داری سے بری کر دے۔

شیعوں کا قانون — ان کے یہاں ایسی مشاع جائداد کا بھی ہبہ جائز ہے جو قابلِ تقسیم ہو[۵۲]: بیلی، جلد دوم، ۲۰۴۔

دفعہ ۱۳۵۔ ہبہ دو یا دو سے زیادہ موہوب لہم کے نام — جائداد قابل تقسیم کا ہبہ دو یا اس سے زیادہ موہوب لہم کے نام بغیر تقسیم کے ناجائز ہے، لیکن اگر ہر ایک موہوب لہ جائداد کے اس حصے پر جو اسے دیا گیا ہے قابض ہو جاتا ہے تو وہ ہبہ جائز ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ اس صورت سے متعلق نہیں ہے جو دفعہ ۱۳۴ کے تیسرے استثنا میں بیان کی گئی ہے[۵۳]، اور نہ اس کا خیال استثنا کی دوسری صورتوں میں کیا گیا ہے۔

۵۱۔ احمدی بیگم بنام عبدالعزیز سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۰۳، ۱۰۰ انڈین کیسز ۴۴۶، ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵۔

۵۲۔ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱–۲۲۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۳۶ ۶۴۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

۵۳۔ ابراہیم غلام عارف بنام سائبو سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۳۴ انڈین اپیلز ۱۶۷۔

[زید ایک مکان عمر اور بکر کے نام ہبہ کرتا ہے۔ ہبہ کے وقت جائداد کی کوئی تقسیم نہ ہوئی تھی۔ ہبہ کے بعد عمر اور بکر جائداد کو تقسیم کر کے واہب کی رضامندی سے ہر ایک اپنے حصے پر قابض ہو جاتا ہے۔ کیا یہ ہبہ جائز ہے؟ میگناٹن [صفحہ ۵۰ دفعہ ۷ مقدمہ نمبر ۵] کی رائے کے مطابق، ایسا ہبہ جائز نہیں، اس لیے کہ جائداد کی تقسیم انتقال کے ساتھ ہی ہونی چاہیئے تھی۔ بیلی (صفحہ ۵۲۴) کے نزدیک "یہ ہبہ ابتدا ہی سے کالعدم نہ متصور ہوگا" اور موہوب لہم کی بعد کی تقسیم سے جائز ہو جائے گا"، اور یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ نیز دیکھو ہدایہ صفحہ ۴۸۵۔]

شیعوں کا قانون ـــ ان کے قانون کے مطابق دو یا دو سے زیادہ موہوب لہم کے حق میں ہبہ جائز ہے، اگرچہ ہبہ کے وقت یا بعدہ تقسیم عمل میں نہ آئے: بیلی، جلد دوم ۲۰۵۔

دفعہ ۱۳۶۔ ہبہ بابت آیندہ ـــ کوئی ایسی شے ہبہ نہیں ہو سکتی جو آیندہ ہونے والی ہو [تمثیلات (الف) و (ب)]، اور نہ اس کا نفاذ کسی آیندہ وقت پر اٹھا رکھا جا سکتا ہے خواہ وہ وقت معین ہو یا غیر معین[1] [تمثیل (ج)]۔

[(الف) زید عمر کو اپنے باغ کے وہ پھل ہبہ کرتا ہے جو اُس سال آئیں۔ آیندہ جائداد کے ہبہ ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے: بیلی، ۵۱۶۔

(ب) ایک مسلمان ایک دستاویز اپنی بیوی اور اس کے وارثوں کے حق میں اس مضمون کی لکھتا ہے کہ فلاں جاگیری مواضع کی آمدنی میں اس کا جو حصہ ہے اس میں سے چار ہزار روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لیے اس کی بیوی اور اس کے وارثوں کو

[1] چکوبی کٹی بنام احمد ۱۸۸۷ء، ۱۰ مدراس ۱۹۶، ۱۹۹۔

ملا کرے۔ یہ ہبہ کالعدم ہے، کیونکہ وہ مواضع کی آیندہ آمدنی کے ایک جز کے متعلق ہے: امۃ النسا بنام میر نور الدین ۱۸۹۶ء ۲۲ بمبئی ۴۸۹۔

(ج) زید ایک ہبہ نامہ عمر کے نام ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ "جب تک میں زندہ ہوں میں جائداد پر قابض اور اس سے مستفید ہوتا رہوں گا، اور جائداد کو فروخت یا کسی کو ہبہ نہ کروں گا، میرے مرنے کے بعد تم اس کے مالک ہوگے"۔ یہ ہبہ کالعدم ہے، کیونکہ اس کے ساتھ قبضہ نہیں دیا گیا ہے، اور اس کا نفاذ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ زید مر نہ جائے: یوسف علی بنام کلکٹر ٹپارا ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۳۸۔ نیز دیکھو چھوٹی بی بی بنام احمد ۱۸۸۶ء ۱۱ مدراس ۹۶، صفحہ ۱۹۱۔

(د) زید ایک درگاہ کے چڑھاوے سے ایک معین حصہ پانے کا مستحق ہے۔ زید بطریق جائز اپنے حصے کو ہبہ کر سکتا ہے۔ یہاں جو شے ہبہ کی جاتی ہے وہ "واہب کا درگاہ کی آمدنی کے وصول ہو جانے کے بعد ایک معین حصہ پانے کا حق ہے" (دیکھو دفعہ ۱۲۲)؛ احمد الدین بنام الٰہی بخش ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۶۵، ۱۴ انڈین کیسز ۵۸۷؛ انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، صفحہ ۱۷۰-۱۷۱]۔ میگناٹن، صفحہ ۵۰ دفعہ ۳ و ۵؛ بیلی، ۵۱۶۔ جو قاعدہ اس دفعہ میں بیان ہوا ہے وہ اس اصول پر مبنی ہے کہ شے موہوبہ کا بروقت ہبہ موجود ہونا لازم ہے: بیلی، ۵۱۶۔

دفعہ ۱۳۷۔ ہبہ موقوف بوقوع امر دیگر۔ ہبہ کا عمل میں آنا (نفاذ) کسی دوسرے امر کے وقوع پر موقوف نہیں رکھا جا سکتا ہے۔[1]

[1] میگناٹن، صفحہ ۵۰ دفعہ ۳؛ بیلی، ۵۱۵-۵۱۶؛ عبدالکریم بنام عبدالقیوم ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۳۴۲، ۳۴۵۔

"ہبہ کسی امر کے وقوع پر موقوف نہ ہونا چاہیئے مثلاً زید کا داخلہ یا خالد کی آمد"؛ بیلی، ۵۱۵ - ۵۱۶، ۵۴۹ - ۵۵۰۔ ایک شیعہ مسلمان زید کو حین حیات کے لیے، اور زید کے بلا اولاد نرینہ چھوڑ کر مرجانے کی حالت میں، عمر کے حق میں ایک جائداد ہبہ کرتا ہے۔ عمر کے حق میں جو ہبہ کیا جاتا ہے وہ دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے[۱]۔ پرایوی کونسل کے ایک مقدمے میں ایک شیعہ مسلمان نے کچھ جائداد اپنی بیوی کے حق میں اس کی حیات کے لیے، اور اس کے فوت ہوجانے کے بعد خود اپنی ایسی اولاد کے نام جو اس کی موت کے وقت زندہ ہو، ہبہ کی تھی۔ جہاں پرایوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ جو ہبہ اولاد کے حق میں کیا گیا ہے وہ دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہے مگر انھوں نے اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق کوئی رائے نہ دی[۲]۔ ہبہ علی سبیل البدل کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۰۸ الف۔

دفعہ ۱۳۸۔ ہبہ کسی شرط کے ساتھ (مشروط ہبہ) — جب ہبہ کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو اس کی تکمیل میں نقص پیدا کرتی ہو تو وہ شرط کالعدم ہے، اور ہبہ کا نفاذ اس طرح ہوگا گویا کہ اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں لگائی گئی تھی[۳]۔ سنیوں کے قانون کے مطابق، حین حیاتی حقیتوں کے متعلق

---

[۱]۔ قاسم علی بنام کریم بھائی سنہ ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۲۵۷ - ۲۵۸؛ ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵۔

[۲]۔ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۱۹ - ۲۲۰؛ ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۳ - ۶۴۴، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

[۳]۔ مقابلہ نظام الدین بنام عبدالغفور سنہ ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۲۶۴، ۲۷۵، جو پرایوی کونسل میں بحال رہا۔ نامزد شدہ عبدالغفور بنام نظام الدین سنہ ۱۸۹۲ء ۱۷ بمبئی ۱، ۵، ۱۹ انڈین اپیلز ۱۷۰، ۱۷۸ [آخیر فیصلے کے لیے دیکھو محمد ابراہیم بنام عبداللطیف سنہ ۱۹۱۳ء ۳۷ بمبئی ۴۴۷، ۴۵۸؛ ۱۷ انڈین کیسز ۶۸۹]؛ سلیمان بنام وزارت علی سنہ ۱۸۸۱ء ۸ انڈین اپیلز ۱۱۷، ۱۲۴؛ عبداللہ بنام محمد سنہ ۱۹۰۵ء ۷ بمبئی لا رپورٹ ۳۰۶؛ محمد شاہ بنام افیشل ٹرسٹی بنگال سنہ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۴۳۱، ۲ انڈین کیسز ۲۹۲۔

دیکھو دفعہ ۴۴ (۱) و (۲) اور جو مقدمات اس کے تحت دئے گئے ہیں۔

حین حیاتی حقیت کا ہبہ ——— "ہمارے تمام علما اس امر پر متفق ہیں کہ جب کوئی شخص ہبہ کرے اور اس کے ساتھ کوئی فاسد شرط لگا دے، تو ہبہ جائز اور شرط کالعدم ہوتی ہے: بیلی، ۵۴۶۔ عمری (حین حیاتی) عطا بجز ہبہ اور ایک شرط کے کچھ اور نہیں ہے، اور شرط فاسد ہے، لیکن فاسد شرط کے لگا دینے سے ہبہ کالعدم نہیں ہو جاتا"؛ ہدایہ، ۴۸۹۔

تمثیلات

[(الف) اگر ایک سنی مسلمان یہ کہتا ہے کہ "یہ محل تیرے لیے عمری (یعنی تیرے حین حیات کے لیے) ہے، اور جب تو مر جائے گا تو وہ میری طرف عود کرے گا" تو ہبہ جائز اور شرط کالعدم ہے: بیلی، ۵۱۷؛ ہدایہ، ۴۸۹۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ محل کی کامل حقیت موہوب لہ کو حاصل ہو جائے گی نہ کہ صرف حین حیات کے لیے۔ یہ ہبہ کا قانونی اثر ہے۔ اسی طرح، اگر ایک مکان زید کو حین حیات کے لیے، اور بعد اس کے مرنے کے عمر کو ہبہ کیا جائے، تو ہبہ کا قانونی اثر یہ ہوگا کہ زید اس کا قطعی مالک ہو جائے گا، اور عمر کو کچھ نہ ملے گا۔ یہی قاعدہ وصیتی ہبہ سے بھی متعلق ہے[۱]۔

(ب) زید گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ عمر کے حق میں ہبہ کرتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ عمر ایک مہینے کے بعد ان نوٹوں کا ایک چوتھائی حصہ اسے واپس کر دے۔ شرط کالعدم ہے۔ نوٹ قطعی طور سے عمر کے ہو جائیں گے: دیکھو بیلی، ۵۴۷؛ ہدایہ ۴۸۸ [یہاں اصل جائداد کے ایک جزو کی واپسی کی

[۱] عبد الکریم بنام عبد القیوم ۱۹۰۶ء ۲۸ الٰہ آباد ۳۴۲۔

شرط ہے]۔

(ج) زید ایک مکان عمر کو ہبہ کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسے فروخت نہ کرے گا، یا یہ کہ وہ اسے فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کرے گا، یا یہ کہ عمر اسے اس مکان کا ایک حصہ عوض میں زید دے گا۔ یہ سب شرطیں کالعدم ہیں، اور عمر مکان کا قطعی مالک ہو جائے گا: بیلی، ۷، ۵۴۸؛ نیز دیکھو دفعہ ۱۳۹۔

انتقال کی ممانعت ــــ ہبہ میں کامل یا جزی انتقال کی ممانعت کالعدم ہے۔ اگر وہ بالعوض ہو، تو جزی ممانعت جائز ہے، مثلاً یہ قرار دیا جائے کہ جائداد موہوبہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ فروخت کی جائے گی جو کہ واہب یا موہوب لہ کے خاندان کا رکن نہ ہو[۱]، لیکن اگر ممانعت کلی ہے تو وہ کالعدم متصور ہوگی۔ دیکھو قانون انتقال جائداد دفعہ ۱۰۔

(د) زید ایک جائداد عمر کو ہبہ کرتا ہے۔ ہبہ نامہ میں یہ شرط ہے کہ عمر اس جائداد کو منتقل نہ کرے گا۔ انتقال کی ممانعت کالعدم ہے، اور عمر کو جائداد کامل حقوق کے ساتھ مل جائے گی: بابولال بنام گھن شام داس ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۶۳۳، ۷۰ انڈین کیسز ۸۴، ۲۲ آل انڈیا الہ آباد ۲۰۵]۔

حین حیاتی ہبہ شافعیوں کے قانون کے مطابق ــــ حین حیاتی ہبہ شافعیوں کے قانون میں (جو کہ سنیوں کا ایک فرقہ ہے) جائز ہے[۲]۔

حین حیاتی ہبہ شیعوں کے قانون میں ــــ

۱ے محمد رضا بنام عباس باندی بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۳۶، ۳۶ کلکتہ ویکلی رپورٹ ۱۳۷۷، ۱۳۷ انڈین کیسز ۳۲۱، ۱۹۳۲ء الہ آباد پریوی کونسل ۱۵۸۔

۲ے محمد ابراہیم بنام عبداللطیف ۱۹۱۲ء ۳۷ بمبئی ۴۴۷، ۴۸ ۵۸؛ انڈین کیسز ۶۸۹۔

شیعوں کے قانون میں حین حیاتی حقیقت تسلیم کی جاتی ہے[۵۱]۔ بیلی نے جلد دوم صفحہ ۲۲۶ پر بیان کیا ہے کہ اگر ایک شخص یہ کہے کہ ”میں نے یہ محل تجھے تیری زندگی یا اپنی زندگی تک کے لیے دیدیا“ تو یہ ہبہ جائز ہوگا۔ مقابلہ کرو تمثیل (الف) کے ساتھ۔

اور دیکھو دفعہ ۴۴ (۳) اور وہ مقدمات جو اس کے تحت دیے گئے ہیں۔

دفعہ ۱۳۹۔ شرائط از نوع امانت ــــ جب کوئی جائداد بطریق ہبہ منتقل کی جائے، اور واہب اصل جائداد پر نہ کوئی اختیار، اور نہ کوئی جز اختیارات اپنے لیے محفوظ رکھتا ہو، بلکہ صرف یہ شرط کرتا اور یہ حق حاصل کرتا ہو کہ اس کی مقررہ آمدنی اس کی زندگی تک وہ خود پاتا رہے گا تو یہ ہبہ اور یہ شرط دونوں جایز ہیں۔ ایسی شرط کالعدم نہیں ہے، کیونکہ اس سے جائداد کے کسی جز کا واپس لینا مقصود نہیں ہوتا، جیسا کہ دفعہ ۱۳۸ کی تمثیل (الف) و (ج) میں پیش نظر ہے۔ ایسی شرط کی تعمیل بطور امانتی اقرار، اور وجوب جایز کے کرائی جا سکتی اور وقت مقررہ تک جائداد کی آمدنی مل سکتی ہے۔ نواب امجد علی خاں بنام محمدی بیگم[۵۲] [تمثیل (الف)] کے مقدمے میں جو شیعوں کے متعلق تھا، اور محمد بنام فخر جہاں[۵۳] میں جو سنیوں کے

---

[۵۱] بانو بیگم بنام میر عابد علی ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۱۷۲؛ سراج الحسن بنام مصطفیٰ حسین ۱۹۲۱ء اودھ چیف کورٹ ۳۲۱، ۴۹ انڈین کیسز ۵۸۔

[۵۲] ۱۸۶۷ء ۱۱ مدراس انڈین اپیلز ۱۷، ۵۱، ۵۴۷ ــ ۵۴۸؛ مرزا ہاشم بنام بندا نیم ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۳۴۳، ۱۱۳ انڈین کیسز ۲۵۵، ۱۹۲۸ء آل انڈیا رنگون ۲۲۳ [اس میں یہ تجویز ہوئی کہ واہب نے جائداد پر اختیار سے قطعی دست برداری نہ کی تھی، کیونکہ دستاویز امانت میں ایک شرط یہ تھی کہ امنا جائداد کو بغیر واہب کی منظوری کے فروخت نہ کریں گے، اور اس لیے واہب نے جو حین حیاتی استفادہ اپنے لیے محفوظ رکھا تھا، وہ ناجائز قرار پایا]۔

[۵۳] ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۲۰۸ ــ ۲۱۰، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۱۴ ــ ۳۱۶، ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرابوی کونسل ۲۸۱۔

متعلق تھا، پرایوی کونسل نے اسی کے مطابق تجویز کی ہے۔

ہندوستان کی عدالتوں نے اس تجویز کے اصول کو توسیع دے کر ان مقدمات میں بھی استعمال کیا ہے جن میں ہبہ اس شرط کے ساتھ کیا گیا تھا کہ موہوب لہ جائداد موہوبہ کی آمدنی کسی ایسے شخص یا اشخاص کو ان کی زندگی بھر دیتا رہے گا جنھیں واہب نامزد کرے [تمثیل (ب) و (ج)]۔

[(الف) زید گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ اپنے بیٹے عمر کے نام تحریر ظہری کے ساتھ منتقل کرتا، اور بطور ہبہ کے اس کے حوالہ کر دیتا ہے، اور شرط یہ کرتا ہے کہ ان کی آمدنی زید کی زندگی تک زید ہی کو ملتی رہے گی۔ ہبہ اور شرط دونوں جائز ہیں، اور عمر پر لازم ہے کہ وہ زید کی زندگی تک ان کی آمدنی اس کو دیتا رہے: نواب امجد علی خاں بنام محمدی بیگم سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مدراس انڈین اپیلز ۵۱۷، ۵۴۷ — ۵۴۸ متعلق بہ اہل تشیع - یہی اصول اہل سنت وجماعت سے بھی متعلق ہے: محمد بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۸ انڈین کیسز ۲۵۴، سنہ ۲۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۸۱۔

(ب) زید اپنا مکان اپنے بیٹے عمر کو ہبہ کرتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ عمر ایک تہائی مکان کی آمدنی زید کے پوتے خالد کو، خالد کی زندگی بھر دیتا رہے۔ ہبہ اور شرط دونوں جائز ہیں، اور عمر پر لازم ہے کہ وہ خالد کو خالد کی زندگی تک آمدنی مذکور دیتا رہے: لالی جان بنام محمد سنہ ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۷۸، ۱۶ انڈین کیسز ۱۰۵، یہ سنیوں کا مقدمہ ہے۔

(ج) زید کچھ جائداد اپنے بیٹے عمر کو اس شرط کے ساتھ ہبہ کرتا ہے کہ عمر اس کی آمدنی سے چالیس روپے سالانہ خالد کو خالد کی زندگی تک دیتا رہے، اور باقی آمدنی عمر اور بکر میں بکر کی زندگی تک مساوی طور سے تقسیم ہوتی رہے۔ ہبہ اور شرط

دونوں جایز ہیں، اور عمر پر لازم ہے کہ وہ چالیس روپے سالانہ خالد کو دیتا رہے اور بقیہ آمدنی اپنے اور بکر میں بکر کی زندگی تک مساوی طور سے تقسیم کر لیا کرے: توکل بھائی بنام امتیاز بیگم ۱۹۱۶ئہ ۴۱ بمبئی ۲،۳۷۲، ۳۹ انڈین کیسز ۹۶، یہ بھی سنیوں کا مقدمہ ہے۔

(د) ایک مسلمان خاتون بعض غیر منقولہ جائداد اپنے بھتیجوں کے نام بطور ہبہ اس شرط کے ساتھ منتقل کرتی ہے کہ وہ اس کی بسر برد کے لیے نو سو روپے سالانہ اسے دیتے رہیں۔ اور جائداد کے ایک حصے میں بود و باش رکھنے کا حق بھی اپنے لیے محفوظ کر لیتی ہے۔ دستاویز ہبہ نامہ میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر رقم مقررہ برابر نہ ادا ہوتی رہے گی، تو اسے اختیار ہوگا کہ وہ مقدمہ دائر کر کے رقم مذکور وصول کرلے۔ یہ ہبہ درست نہیں ہے، کیونکہ نو سو روپے سالانہ کی ادائی اس پر منحصر نہیں کی گئی ہے کہ جائداد کی آمدنی اس کے لیے کافی ہوگی، جیسا کہ تمثیلات (الف)، (ب) اور (ج) میں ہے۔ انتقال کا بدل وہ وعدہ ہے جو ہر صورت میں رقم ادا کرنے کے متعلق کیا گیا ہے: شریف الدین بنام محی الدین ۱۹۲۷ئہ ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۶۷، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۷، ۲۷ئہ آل انڈیا کیسز ۸۰۸]۔

نوٹ ــــ تمثیلات (الف)، (ب) اور (ج) میں جو معاملہ ہوا ہے وہ دراصل "ہبہ بشرط عوض" کا ہے جس کے لیے دیکھو دفعہ ۱۴۲ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۳۹ - (الف) ہبہ ترتیبی ــــ اگر ایک جائداد زید اور عمر کے نام مساوی طور سے اس شرط کے ساتھ ہبہ کی جائے، کہ ان میں سے کسی ایک کے نرینہ اولاد چھوڑے بغیر مر جانے کی حالت میں اس کا حصہ دوسرے شخص کو دیا جائے، تو یہ ہبہ شیعوں کے قانون کے

مطابق درست ہے۔[1]

سنیوں کے قانون کے مطابق، شرط کالعدم ہے، 'زید' اور
عمر ہر ایک اپنا حصہ قطعی طور سے پائے گا، اور اس کے مرنے کے بعد
اس کا حصہ اس کے وارثوں کو ملے گا؛ دیکھو دفعہ ۱۳۸۔

دفعہ ۱۴۱۔ تنسیخ ہبہ —— [ضمن ۱] واہب مجاز ہے کہ شے موہوبہ کا قبضہ دینے سے پہلے جس وقت چاہے ہبہ کو منسوخ کردے۔
وجہ یہ ہے کہ قبضہ دینے سے پہلے ہبہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

[ضمن ۲] بپابندی احکام ضمن [۴] ہبہ بعد قبضہ دہی کے بھی منسوخ ہو سکتا ہے، بجز ان صورتوں کے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

(۱) جب کہ ہبہ زوج زوجہ کے یا زوجہ زوج کے حق میں کرے؛
(۲) جب کہ موہوب لہ کا رشتہ واہب کے ساتھ محرمات کا ہو؛
(۳) جب کہ موہوب لہ مر گیا ہو؛
(۴) جب کہ شے موہوبہ موہوب لہ کے قبضے سے ذریعۂ فروخت،[2] ہبہ یا اور کسی طریقے سے نکل گئی ہو؛
(۵) جب کہ شے موہوبہ گم یا ضائع ہو گئی ہو؛
(۶) جب کہ شے موہوبہ کی قیمت میں اضافہ ہو گیا ہو، خواہ اس کا کوئی سبب ہو؛[3]
(۷) جب کہ شے موہوبہ کی ہیئت ایسی بدل گئی ہو کہ وہ شناخت نہ ہو سکتی ہو، جیسے گیہوں پس کر آٹا ہو گئے ہوں۔[4]

---

[1] مسماۃ واہب النسا بنام مصحف حسین سنہ ۱۹۲۶ء ۲ لکھنؤ ۱۸۷، ۱۹۵ انڈین کیسز ۱۱۳، سنہ ۲۷ آل انڈیا اودھ ۳۲۸۔

[2] ولی باندی بنام طیبہ سنہ ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۵۳۴، ۵۰ انڈین کیسز ۹۱۹؛ مولانی بنام مولا بخش سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۲۶۰، ۸۰ انڈین کیسز ۲۲۲، سنہ ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷۔

[3] ولی باندی بنام طیبہ سنہ ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۵۳۴، ۵۰ انڈین کیسز ۹۱۹، مولانی بنام مولا بخش سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۲۶۰، ۸۰ انڈین کیسز ۲۲۲، سنہ ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷۔

[4] مقبول بنام غفور النساء سنہ ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۳۳۳، ۲۴ انڈین کیسز ۲۲۵۔

(۸) جب کہ واہب کو ہبہ کے عوض میں کچھ ملا ہو [دفعات ۱۴۱ و ۱۴۲]۔

[ضمن ۳] ہبہ واہب منسوخ کر سکتا ہے، نہ کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث۔

[ضمن ۴] قبضہ دیدینے کے بعد، بجز عدالت کی ڈگری کے، ہبہ کو کوئی اور چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔ نہ واہب کا اعلان تنسیخ اور نہ اس کا واپسی کے لیے مقدمہ دائر کرنا تنسیخ ہبہ کے لیے کافی متصور ہوتا ہے۔ جب تک کہ ڈگری نہ ہو جائے، موہوب لہ شئے موہوبہ کے استعمال اور اس کے منتقل وغیرہ کر دینے کا مجاز ہے۔

ہدایہ، ۴۸۵؛ بیلی، ۵۳۲ - ۵۳۷۔ اس کی وجہ کہ سوائے زوج یا زوجہ یا محرمات کے دوسرے اشخاص کے حق میں جو ہبہ کیا جائے وہ منسوخ ہو سکتا ہے، ہدایہ کے صفحہ ۴۸۶ پر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

"جو ہبہ غیر اشخاص کے حق میں کیا جاتا ہے وہ ایک قسم کا معاوضہ ہے؛ اعلیٰ اور معززین کو جو تحفے دینے کا دستور ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ واہب کی سرپرستی اور حفاظت کریں، اپنے سے ادنیٰ اشخاص کو ہبہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ واہب ان کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے؛ ہمدرجہ اشخاص کو ہبہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے شئے موہوبہ کے مساوی کوئی شئے پائے؛ اس صورت حال سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ، جب تک ہبہ نامہ کے مقاصد پورے نہ ہوں، واہب کو تنسیخ ہبہ کا اختیار رہنا چاہئے، اور ہبہ ایسا عمل ہے جو منسوخ ہو سکتا ہے۔"

جو ہبہ اشخاص مذکورہ [ضمن ۲] کے ذیلی ضمنوں (۱) و (۲) کے حق میں کیا جائے، وہ کسی طرح منسوخ نہیں ہو سکتا، اگرچہ واہب نے بصراحت تنسیخ کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہو۔ دوسری تمام صورتوں میں ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے؛ بجز اس کے کہ ان حالتوں میں سے جن کا ذکر دفعۂ ہذا کے [ضمن ۲] کے ذیلی ضمنوں (۳) سے لے کر (۸) تک میں کیا گیا ہے، کوئی حالت پیدا ہو جائے۔ اگر

کوئی ایسی حالت پیدا نہیں ہوئی ہے، تو واہب باوجود اس بیان کے بھی کہ وہ ہبہ کو منسوخ نہ کرے گا، اس کے منسوخ کردینے کا مجاز ہوگا۔ وجہ یہ ہے، کہ بجز ان صورتوں کے جن کا ذکر ذیلی ضمنوں نشان (۱) و (۲) میں کیا گیا ہے، ہر ہبہ میں واہب کا اختیار تنسیخ مضمر رہتا ہے[1]۔ اس کا مقابلہ کرو انتقال جائداد کے ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۱۲۶ کے ساتھ، ہر چند وہ مسلمانوں کے ہبہ سے متعلق نہیں ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کا قانون حنفیوں کے قانون سے مفصلۂ ذیل امور میں مختلف ہے:-

(الف) جو ہبہ کسی ایسے شخص کے حق میں کیا جائے جس سے خون ملا ہو، خواہ وہ محرمات میں ہو یا نہ ہو، بعد قبضہ دہی ناقابل تنسیخ ہے؛

(ب) جو ہبہ زوج زوجہ کے یا زوجہ زوج کے حق میں کرے، وہ مختار رائے کے مطابق منسوخ ہو سکتا ہے (بیلی، جلد دوم ۲۰۵ - ۲۰۶)؛

(ج) واہب کے صرف اعلان سے، بغیر کسی عدالتی کارروائی کے، ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے [بیلی، جلد دوم صفحہ ۲۰۵، الف - این (۱۰)]۔

دفعہ ۱۸۱ - ہبہ بالعوض — [۱] ہبہ بالعوض (بمقابلہ خاص (سادہ ہبہ کے) وہ ہبہ ہے جو بدل کے معاوضے میں کیا جائے۔ وہ فی الحقیقت ایک قسم کی بیع ہے، اور اس میں معاہدۂ بیع کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں؛ اس لیے اس میں تکمیل انتقال کے لیے قبضہ دہی کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ خاص ہبہ میں لازم ہے۔ مزید براں اس کے ذریعے سے مشاع جائداد

---

[1] قاسم علی بنام کریم بھائی ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴ - ۲۵۱، ۲۵۶، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵۔

قابل تقسیم کا حصہ بھی منتقل ہو سکتا ہے' (اگرچہ خاص (سادہ) ہبہ میں ایسا نہیں ہو سکتا[۵۱])
ہبہ بالعوض کے معاملے کی تکمیل اور جواز کے لیے دو شرطوں کا موجود ہونا ضرور ہے:-
(۱) موہوب لہ کی طرف سے حقیقی طور سے عوض کا ادا کیا جانا؛ (۲) واہب کا نیک نیتی کے ساتھ فی الفور جائداد موہوبہ کی ملکیت سے دست بردار ہو جانے اور اسے موہوب لہ کو دیدینے کا ارادہ۔ عوض کا کافی ہونا لازم نہیں ہے؛ اس کی مقدار خواہ کچھ ہو' مگر اس کا حقیقی طور سے اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کیا جانا ضرور ہے۔[۵۲] یہ ہندوستان کا ہبہ بالعوض ہے' اور اس "حقیقی ہبہ بالعوض" سے مختلف ہے جس سے دفعۂ ہذا کے نوٹ میں بحث کی گئی ہے۔ اسے ہندوستان کے مسلمان متقنین نے جائداد مشاع قابل تقسیم کے ہبہ کے لیے رائج کیا ہے۔[۵۳]

[۲] کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ اس نوعیت کا معاملہ بجز بیع کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا؛ اس لیے جب اس کا تعلق جائداد غیر منقولہ سے ہو اور اس کی مالیت ایک سو روپے یا اس سے زیادہ پائی جائے تو حسب احکام دفعہ ۵۴ ایکٹ انتقال جائداد ۱۸۸۲ء بابت بیوع' اس کا عمل ذریعۂ دستاویز رجسٹری شدہ[۵۴] ہونا چاہئے؛ اور بیع کی حیثیت سے اس میں حق شفعہ بھی

---

[۵۱] بیلی' ۱۲۲-۱۲۳؛ میگناٹن' صفحات ۵۱-۵۲' دفعات ۴ و ۵؛ ہتیندر سنگھ بنام مہاراجہ دربھنگہ ۱۹۲۸ء ۵۵ انڈین اپیلز ۱۹۷' ۷ پٹنہ ۵۰۰' ۵۰۹؛ انڈین کیسز ۱۰۸' ۸۵۸' ۱۹۲۸ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۱۲' شریف الدین بنام محی الدین ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴' ۱۰۵' انڈین کیسز ۶۷' ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸' فتح علی بنام محمد ۱۹۲۸ء لاہور ۴۲۰' ۱۹۲۸ء الٰہ آباد لا رپورٹ ۵۱۶۔

[۵۲] کھجورالنسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴' ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱؛ محمد فیض بنام غلام احمد ۱۸۸۱ء ۳ الٰہ آباد ۴۹۰' ۸ انڈین اپیلز ۲۵؛ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن ۱۹۰۶ء ۲۸ الٰہ آباد ۴۳۹' ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸' موہن لال بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۴ الٰہ آباد ۵۸۰' ۶۷ انڈین کیسز ۶۷' ۱۹۲۲ء آل انڈیا الٰہ آباد ۴۳۷۔

[۵۳] بیلی' صفحہ ۳۵۰۔

[۵۴] عباس علی بنام کریم بخش ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۶۰' ۴ انڈین کیسز ۴۶۶؛ شریف الدین

پیدا ہوتا ہے۔[1]

(الف) زید اور عمر دو مسلمان بھائی، بعض گانووں کے مشترکہ پٹہ دار ہیں۔ زید اپنے بھائی عمر اور خالدہ نامی ایک بیوہ کو چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ زید کے مرنے کے چند روز بعد، عمر ایک دستاویز کے ذریعے سے دو گانوں خالدہ کو دیتا ہے۔ اس دستاویز کی تکمیل کے دو دن بعد، مگر اسی کارروائی کے سلسلے میں، خالدہ ایک تحریر لکھ دیتی ہے جس کے ذریعے سے وہ ان دو گانوں کے معاوضے میں جو اسے دیے گئے ہیں، اپنے خاوند کی جائداد کے دعوے سے بحق عمر دست بردار ہو جاتی ہے۔ یہ معاملہ ہبہ بالعوض کا ہے اور جائز ہے، اگرچہ قبضہ اسی وقت نہ دیا جائے: دیکھو محمد فیض بنام غلام احمد ۱۸۸۱ئ ۳ الہ آباد ۴۹۰، ۸ انڈین اپیلز ۲۵۔

(ب) ایک مسلمان ایک دستاویز کے ذریعے سے اپنی بیوی کو کچھ غیر منقولہ جائداد بمعاوضہ مہر دیتا ہے جس جائداد پر بیوی کو قبضہ نہیں دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے معاملہ بحیثیت ہبہ بالعوض کے جائز ہے: محمد یوسف بنام پتا ماسال ۱۸۹۹ئ ۲۳ مدراس ۷۰۔

(ج) ایک مسلمان خاتون، جو ایک غیر منقولہ جائداد مشاع قابل تقسیم کی شریک ہے، ایک دستاویز کے ذریعے سے اپنا حصہ اپنے دو بھتیجوں کے حق میں اس معاوضے میں ہبہ کرتی ہے کہ وہ اس کی بسر برد کے لیے نو سو روپے سالانہ دیتے رہیں گے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بنام محی الدین ۱۹۲۷ئ ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ٦۷، ۱۹۲۷ئ آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸؛ نیز دیکھو فتح علی بنام محمد ۱۹۲۸ئ ۹ لاہور ۴۲۸، ۴۲۵ - ۴۳٦، ۱۹۲۸ئ آل انڈیا لاہور ۵۱٦۔

[1] ستیندر ناتھ بنام کلثوم بی بی ۱۹۳۲ئ ۳٦ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۸٦، ۱۲۹ انڈین کیسز ۴۰۳، ۱۹۳۲ئ آل انڈیا کلکتہ ٦۲۵۔

دستاویز میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اگر بھتیجے برابر رقم نہ دیتے رہیں گے، تو اسے نالش کر کے رقم وصول کرنے کا حق حاصل رہے گا۔ دستاویز کی باضابطہ طور سے رجسٹری بھی ہوگئی ہے۔ یہ معاملہ ہبہ کا نہیں ہے مگر جائز ہے، اگرچہ اس میں جائداد مشاع منتقل کی گئی ہے:

شریف الدین بنام محی الدین سنہ ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۱۰۵۷۵۴، انڈین کیسز ۶۷، سنہ ۲۷ آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸۔

معاملے کی حقیقی نوعیت — اگرچہ معاملہ عرضی دعوے میں "ہبہ بالعوض" کا بتایا گیا ہو، مگر مدعی مجاز ہے کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ معاملہ فی الحقیقت خاص (سادہ) ہبہ کا تھا، بشرطیکہ یہ عذر کارروائی کی ابتدائی نوبت پر کیا جائے[1]۔

(د) ایک مسلمان دو بھائی اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرجاتا ہے۔ اس کے بعد ہر بھائی وہ حصہ جو اسے متوفی کی جائداد سے ملا ہے بیٹی کے حق میں اس معاوضے میں چھوڑ دیتا ہے کہ دوسرا بھائی بھی ایسا ہی کرے۔ یہ معاملہ ہبہ کا نہیں ہے، ایک بھائی کا اپنے حصے سے دست بردار ہونا دوسرے بھائی کی دست برداری کا معاوضہ ہے، معاملے کے جواز کے لیے بیٹی کو قبضہ دینا ضرور نہیں ہے[2]۔

وہ ہبہ جو "چچازاد بھائی ہونے کے لحاظ سے کیا جائے" ہبہ بالعوض نہیں متصور ہوتا۔ یہ معاملہ ہبہ خاص (سادہ ہبہ) کا ہے، اور اس ہبہ کو جائز قرار دینے کے لیے قبضہ دینا ضرور ہے[3]۔ اسی طرح ایسا ہبہ جو "دلی محبت سے خدمت کرنے"

---

[1] سراج الدین بنام الیسب سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۱۶۱، ۷۰ انڈین کیسز ۲۰۳، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۲۵۸۔

[2] اشید بائی بنام عبداللہ سنہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۲۷۱۔

[3] جعفر علی بنام احمد سنہ ۱۸۶۸ء ۵ بمبئی ہائی کورٹ اپیل کیسز ۳۷۔

اور مہربانی سے پیش آنے اور پرورش کرنے اور ہر قسم کی عنایت اور رعایت کرنے" کے معاوضے میں کیا جائے سادہ ہبہ ہے۔ ہبہ بالعوض نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی (حقیقی) معاوضہ موجود نہیں پایا جاتا۔ ایسے ہبہ کے جواز کے لیے بھی قبضہ لازم ہے[51]

معاوضے (بدل) کا کافی ہونا —— کھجورالنسا بنام روشن جہاں[52] میں جو اس مضمون پر اہم مقدمہ ہے، ججان پرایوی کونسل نے لکھا کہ: "اس میں کچھ کلام نہیں ہوسکتا کہ معاوضے (بدل) کا کافی ہونا مطلق قابل لحاظ نہیں ہے۔ ایسا معاوضہ جو عطا کردہ شے کے مقابلے میں بالکل ناکافی (حقیر) ہو جائز ہوسکتا ہے۔ بعض مقدمات میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ "ایک چھلّے کا دینا کافی معاوضہ متصور ہوسکتا ہے"؛ معاوضے کی مقدار خواہ کچھ ہو، مگر اس کا حقیقی طور سے اور نیک نیتی کے ساتھ ادا ہونا لازم ہے۔" اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں معاوضہ خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، معاملۂ ہبہ جائز قرار پائے گا، بشرطیکہ معاوضہ مذکور فی الحقیقت اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کیا گیا ہو۔ بمبئی کے ایک مقدمے میں، جو مقدمۂ مذکورۂ بالا سے قبل فیصل ہوا تھا، زید نے عمر کو ایک جائداد عطا کی تھی، اور اس کا معاوضہ صرف دس روپے بیان کیا گیا تھا۔ عدالت نے یہ قرار دیا تھا کہ معاوضہ صرف دس روپے ہے، اس لیے یہ معاملہ ہبہ بالعوض کا نہیں سمجھا جاسکتا[53]۔ اب یہ فیصلہ صحیح نہیں مانا جاتا۔

۵۱۔ رحیم بخش بنام محمد حسن سنہ ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد ۱۔
۵۲۔ سنہ ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱۔
۵۳۔ روجا بائی بنام اسمعیل سنہ ۱۸۷۰ء ۷ بمبئی ہائی کورٹ، او۔سی ۲۷، ۳۰۔

ہبہ بالعوض میں کلام مجید کی ایک جلد کا بطور معاوضہ دینا بھی
کافی ہے[1]۔

فوری انتقال کی نیت —— ایک جائداد موہوب لہ
کے حق میں اس شرط کے ساتھ ہبہ کی گئی تھی کہ وہ واہب اور
اس کی بیوی کی زندگی تک انھیں کے قبضے اور استفادے میں
رہے گی۔ جبان پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ واہب کی
نیت جائداد کو فوراً علیحدہ کرنے کی نہ تھی، اور اس لیے یہ
معاملہ ہبہ بالعوض کا نہیں قرار دیا جاسکتا[2]۔

حقیقی ہبہ بالعوض —— "ہبہ بالعوض" کے لفظی معنی
اس ہبہ کے ہیں جس کا معاوضہ دیا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:
ایک "حقیقی ہبہ بالعوض" یعنی وہ ہبہ بالعوض جس کی تعریف قدیم فقہا
نے کی ہے؛ دوسرے "ہندوستان کا ہبہ بالعوض" مقدم الذکر
میں دو عمل ہوتے ہیں: یعنی (۱) ہبہ، اور اس کے بعد (۲)
خود اختیاری اور غیر مشروط معاوضہ، یعنی ایسا معاوضہ جس کے
متعلق بروقت ہبہ کوئی شرط نہ ہوئی ہو۔ موخر الذکر میں صرف
ایک ہی عمل ہے، کیونکہ ہبہ کا مستقل معاوضہ معاہدۂ ہبہ میں
مضمر ہوتا ہے: بیلی، ۲۲۔ "حقیقی ہبہ بالعوض" میں شئے موہوبہ
اور عوض دونوں پر ہبہ کے احکام جاری ہوتے ہیں شئے موہوبہ
اور عوض دونوں پر قبضہ دیا جانا چاہیئے، اور دونوں اصول
شاع کے پابند ہیں۔ واہب قبضہ دہی کے بعد، اور عوض کے

۱۔ عباس علی بنام کریم بخش سنہ ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۶۰، ۴ انڈین کیسز ۴۶۶۔

۲۔ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۵۳، ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸ (اس میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو کسی معاوضے کا دیا جانا ثابت نہیں؛ موسیٰ آدم پٹیل بنام اسمٰعیل موسیٰ سنہ ۱۹۰۹ء ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۱۶۹، ۱۹۴، ۵ انڈین کیسز ۹۴۶۔

حوالے کئے جانے کے قبل، کسی وقت بھی ہبہ کو منسوخ کردینے کا
مجاز ہوتا ہے [دفعہ ۱۴۰]۔ مگر عوض کے حوالے ہوجانے کے بعد
کوئی فریق اسے منسوخ کردینے کا مجاز نہیں رہتا۔ یہ معاملہ
دو شخصوں میں دو جداگانہ ہبہ کے افعال سے مرکب ہوتا ہے۔
ان شخصوں میں سے ہر شخص ایک ہبہ میں واہب اور دوسرے
ہبہ میں موہوب لہ قرار پاتا ہے۔ مثلاً اگر زید ایک انگوٹھی
عمر کو ہبہ کرکے اس کے حوالے کردے، اور اس کے بعد عمر،
پہلے سے کسی شرط کے بغیر، اپنی گھڑی زید کو یہ کہہ کر دیدے کہ
یہ آپ کی انگوٹھی کا معاوضہ ہے، تو یہ معاملہ حقیقی ہبہ بالعوض
کا ہوگا، اور اسے زید اور عمر دونوں میں سے کوئی شخص منسوخ
نہ کرسکے گا۔ لیکن اگر عمر اپنی گھڑی زید کو یہ کہے بغیر دے گا کہ
یہ آپ کی انگوٹھی کا معاوضہ ہے، تو معاملہ ہبہ بالعوض کا نہ ہوگا۔
اس صورت میں یہ معاملہ دو ہبہ کا ہوگا، اور ہر ہبہ کرنے والا
اس کی تنسیخ کا مجاز ہوگا [دفعہ ۱۴۰]۔ برخلاف اس کے اگر زید
اپنی انگوٹھی عمر کو یہ کہہ کر دیتا ہے کہ "میں نے یہ انگوٹھی آپ کو
اتنے میں دی ہے"، تو یہ "ہندوستان کا ہبہ بالعوض" ہوگا۔
یہ فی الحقیقت بیع ہے، اور ہبہ بالعوض نہ آغاز میں بیع ہے
اور نہ انجام میں۔[۱]

دفعہ ۱۴۲۔ ہبہ بشرط عوض —— جب کوئی ہبہ معاوضے کی شرط کے ساتھ کیا جائے، تو وہ "ہبہ بشرط عوض" کہلائے گا۔ معاملے کے جواز کے لیے ہبہ بشرط عوض میں بھی سادہ ہبہ کی طرح قبضہ دہی لازم ہے، اور وہ منسوخ بھی ہوسکتا ہے [دفعہ ۱۴۰]۔ لیکن جب موہوب لہ واہب کو عوض

---

[۱] بیلی، ۱۲۲-۱۲۳، ۱۴۱ ۵۴۱-۵۴۳، رحیم بخش بنام محمد حسن ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد ۱؛ شریف الدین بنام محی الدین ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۷، ۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸۔

دیدے تو اس کے بعد وہ ناقابل تنسیخ ہوجاتا ہے[۱]۔

ہندوستان کا "ہبہ بالعوض" اور "ہبہ بشرط عوض" میں بڑا فرق یہ ہے، کہ مقدم الذکر میں قبضہ دہی ضرور نہیں ہے، برخلاف اس کے موخر الذکر میں لازم ہے۔

"ہبہ بالعوض" کی جو تعریف قدیم فقہا نے کی ہے اس کے لحاظ سے اس میں اور "ہبہ بشرط عوض" میں اہم فرق یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں، موہوب لہ جو عوض دیتا ہے وہ اپنی خوشی اور مرضی سے دیتا ہے، ہبہ بشرط عوض میں عوض دینے کا بصراحت تمام فریقین میں اقرار ہوجاتا ہے۔ مقدم الذکر کی تمامتر نوعیت ہبہ کی ہوتی ہے، اس میں از ابتدا تا انتہا بیع کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے موخر الذکر کی ابتدا میں ہبہ کی نوعیت ہوتی ہے، اور جب شے موہوبہ پر موہوب لہ کا، اور عوض پر واہب کا قبضہ ہوجاتا ہے، تو اس کی حیثیت بیع کی ہوجاتی ہے، اور اس لحاظ سے اس سے احکام شفعہ متعلق ہوتے ہیں، اور ہر فریق اس کا مجاز بھی ہوجاتا ہے کہ جو شے اسے ملی ہے اسے وہ کسی نقص کی بنا پر واپس کردے۔ حق شفعہ اور حق واپسی بربنائے نقص، شرع اسلام میں معاہدۂ بیع کی دو خصوصیات ہیں۔ چونکہ ہبہ بشرط عوض کا رواج ہندوستان میں نہیں ہے، اس لیے اس سے مزید بحث بیکار ہے۔ شرع اسلام میں بیع کے جو احکام ہیں، وہ طالب علم کو بیلی کے ڈائجسٹ، طبع دوم کی فصل بیع کے دیباچہ صفحات ۴۷۵-۴۸۳ پر ملیں گے۔

دیکھو دفعہ ۱۳۹ کے تمثیلات (الف)، (ب) اور (ج)

---

[۱] بیلی، ۵۴۳-۵۴۴؛ ہدایہ، ۴۸۴؛ مغل شاہ بنام محمد صاحب ۱۸۸۷ء ۱۱ بمبئی ۵۱۷ [یہ تجویز کرکے کہ قبضہ لازمی تھا، اس مقدمے کے معاملے کو تجویز میں ہبہ بالعوض کہنا صحیح نہ تھا]۔

اور اس کے نوٹ۔

دفعہ ۱۴۳۔ عاریت ــــ کسی شے کو لینے اور اس سے استفادہ کرنے کی ایسی اجازت جسے دینے والا جب چاہے منسوخ کر سکے، عاریت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے[1]۔

ہدایہ، ۴۷۸۔

ہبہ، انتقال ملکیت ہے بغیر بدل (معاوضہ) کے ہبہ بالعوض بدل کے ساتھ انتقال ملکیت ہے۔ عاریت، انتقال ملکیت نہیں بلکہ عارضی طور سے استفادے کی اس وقت تک کے لیے اجازت ہے جب تک کہ اجازت دینے والے کی مرضی ہو۔ ہبہ بجز خاص صورتوں کے منسوخ ہو سکتا ہے (دفعہ ۱۴۰)۔ ہبہ بالعوض کسی صورت میں منسوخ نہیں ہو سکتا۔ عاریت، ہر صورت میں منسوخ ہو سکتی ہے۔

دفعہ ۱۴۴۔ صدقہ ــــ صدقہ وہ عطا ہے جو مذہبی ثواب کے لیے کی جائے۔ ہبہ کی طرح صدقہ بھی فوری قبضہ دہی کے بغیر جایز نہیں ہوتا، اور نہ وہ جائداد مشاع قابل تقسیم کے متعلق جائز ہو سکتا ہے [دفعہ ۱۳۴]۔ برخلاف ہبہ کے، صدقہ جب حوالہ کر دئے جانے سے کامل ہو جاتا ہے تو وہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ صدقہ دو یا دو سے زیادہ ایسے اشخاص کو دیا جانا جو سب مفلس ہوں، ناجائز نہیں ہے [دفعہ ۱۳۵]۔

بیلی، ۵۵۴-۵۵۶؛ ہدایہ، ۴۸۹۔ ہبہ اور صدقے کا فرق اس مقصد کے لحاظ سے ہے جس مقصد سے وہ کیا جاتا ہے۔ ہبہ میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ موہوب لہ کے ساتھ اظہار محبت کیا جائے، یا اس کی نظر میں اپنی وقعت یا عزت قائم کی جائے؛ صدقے کا مقصد "خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے"۔ حصول ثواب کے لیے جائداد کا کسی خوش حال کو دینا بھی صدقے میں داخل ہے۔

صدقے اور وقف میں فرق ــــ صدقے کی صورت میں

---

[1] محمد فیض بنام غلام احمد (۱۸۸۱ء) ۳ الہ آباد ۴۹۰، ۸ انڈین اپیلز ۲۵؛ ممتاز النساء بنام طفیل (۱۹۰۶ء) ۲۰ الہ آباد ۲۶۴، جس کی صراحت مقدمۂ خلیل احمد میں کی گئی ہے، بمقدمہ (۱۹۰۸ء) ۳۰ الہ آباد ۳۰۹؛ محمد صدیق بنام رسالدار (۱۹۲۷ء) ۲ لکھنؤ ۲۱۲، ۱۹۵ انڈین کیسز ۲۲۰، (۱۹۲۶) آل انڈیا اودھ ۳۶۰۔

اصل شے صرف ہو سکتی ہے، وقف کی صورت میں صرف جائداد کی آمدنی صرف میں لائی جا سکتی ہے۔[۱]

دفعہ ۱۴۵۔ ہبہ ایسے مسلمان کا جو مورمکتا یُم قانون کا پابند ہو تو ازہی یا تروادی کے حق میں ــــ ماں اور اس کی تمام اولاد اور وہ جملہ نسل جو عورتوں سے چلے "توازہی یا تروادی" ہے۔ وہ ایک قانونی ذات تسلیم کی جاتی ہے، اور اس حیثیت سے جائداد کی مالک ہو سکتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایسا مسلمان جو مورمکتا یُم قانون کا پابند ہو، کوئی جائداد اپنی بیوی اور اس کی اولاد کو جن سے "توازہی" مرکب ہوتی ہے، ہبہ کر دے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ وہ جائداد پر ان لوگوں کا کس طرح قبضہ اور اس سے کس طرح استفادہ کرانا چاہتا ہے، تو ایسا ہبہ بحق "توازہی" متصور ہوگا اور موہوب لہم اس جائداد پر بحیثیت ترادی یا توازہی جائداد کے قابض ہوں گے، جس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تقسیم نہ ہو سکے گی۔[۲] جب جائداد زوجہ اور اس کی ایسی اولاد کے حق میں ہبہ کی جائے جو واہب کے صلب سے ہو، باستثنا اس اولاد کے جو شوہر سابق سے ہو، تو یہ ہبہ توازہی کے حق میں نہ متصور ہوگا، اور موہوب لہم جائداد مذکورہ پر بطور مشترک پٹہ داران مساوی الحصص کے قابض ہوں گے اور ہر حصہ دار کو اپنے حصے کے انتقال کا حق حاصل رہے گا۔[۳]

---
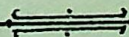
[۱] اسنادھام بنام ابوبکر سنہ ۱۹۱۱ء ۳۴ مدراس ۱۲، ۱۴؛ عبدالشکور بنام ابوبکر سنہ ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۲۵۸، ۲۶۹، ۱۲۷ انڈین کیسز ۴۰۱، سنہ ۳۰ آل انڈیا بمبئی ۱۹۱۔

[۲] کنھا چا اما بنام کٹی امی سنہ ۱۸۹۳ء ۱۶ مدراس ۲۰۱؛ چکراکنان بنام کنھی بوکر سنہ ۱۹۱۶ء ۳۹ مدراس ۳۱۷، ۳۰ انڈین کیسز ۷۵۵۔

[۳] موئی تیان کٹی بنام عائشہ سنہ ۱۹۲۸ء ۵۱ مدراس ۷۴۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۸۰۴، سنہ ۲۸ آل انڈیا مدراس ۸۷۰۔

فصلِ دوازدہم

وقف

دفعہ ۱۴۶ - وقف کی تعریف وقف ایکٹ کی رو سے "وقف سے مراد کسی مسلمان کا اپنی کسی جائداد کو (دفعہ ۱۴۶ ب تا ۱۴۶ ج) دوام کے لئے (دفعہ ۱۴۶ الف) کسی ایسی غرض کے واسطے منتقل کر دینا ہے جو شرع کے مطابق مذہبی یا خیراتی غرض کہی جا سکتی ہو (دفعہ ۱۴۶ د)۔"

ایکٹ جواز وقف علی الاولاد ۱۹۱۳ء کی دفعہ ۲ میں وقف کی تعریف بطریق مذکورۂ بالا کی گئی ہے۔ یہ ایکٹ معاملات سابقہ پر بھی موثر ہے اور ان تمام اوقاف سے متعلق ہوتا ہے جو ایکٹ مذکور کے نفاذ کے قبل یا بعد کئے گئے ہوں۔ جوڈیشل کمیٹی نے ایک مقدمہ میں اس تعریف کے متعلق کہا کہ یہ تعریف اس ایکٹ کے مقصد کے لئے کی گئی ہے، اس سے اس کا کامل اور حاوی ہونا لازم نہیں آتا[1]

[1] - ماجی بنام قلندرال ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۲۶، ۵ رنگون ۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۲ ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۲۔

وقف کی تعریف حسب فقہائے اسلام۔ وقف کے لفظی معنی "حبس" (روک رکھنے) کے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق، شرعی وقف، کسی مخصوص شئے کی ملکیت کو واقف کے حق میں روک رکھنا، اور اس کے منافع یا انتفاعے کو "محتاجوں پر خیرات میں یا دوسرے حسنات میں" صرف کئے جانے کے واسطے مخصوص کر دینا ہے۔ ان کے دونوں شاگردوں، امام ابویوسف اور امام محمد کی رائے میں، وقف کے معنی شئے موقوفہ سے واقف کی ملکیت کا زائل ہو کر معنوی طریقے سے خدا کی ملکیت میں اس طرح آجانا ہے، کہ اس کا منافع "مخلوق کی طرف رجوع کرے اور اس کے کام آئے"۔ بیلی، ۵۵۵ — ۵۵۸۔ دیکھو ہدایہ، ۲۳۱، ۲۳۴۔

دفعہ ۱۴۶ الف۔ وقف دوامی ہونا چاہیئے — وقف کا دوامی ہونا لازم ہے۔ اس لئے اگر وقف ایک معین مدت، مثلاً بیس سال کے لئے کیا جائے، تو وہ جائز نہ ہوگا۔ مزید براں جس مقصد کے لئے وقف کیا گیا ہے اس کی نوعیت بھی دوامی ہونی چاہیئے۔

بیلی، ۵۶۵؛ ہدایہ، ۲۳۴۔ نیز دیکھو دفعہ ۱۶۰ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۴۶ ب۔ شئے موقوفہ — ایکٹ وقف کے لحاظ سے شئے موقوفہ "ہر قسم کی جائداد" ہو سکتی ہے۔ اس لئے نہ صرف جائداد غیر منقولہ بلکہ جائداد منقولہ، کمپنیوں کے حصے گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ، اور زر نقد بطریق جائز وقف کیا سکتا ہے[1]۔

وقف ایکٹ کے نفاذ سے پہلے کے مقدمات میں، اس معاملے میں اختلاف آرا تھا کہ آیا جائداد منقولہ کا وقف جائز ہے یا نہیں۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کی ہائی کورٹوں نے اسے ناجائز قرار دیا تھا، جب تک کہ جائداد منقولہ غیر منقولہ کے لوازم سے نہ ہو، مثلاً اراضی زراعت کے ساتھ مواشی اور آلات کشاورزی وغیرہ، یا جب تک جائداد منقولہ کا وقف

---

[1] عبدالشکور بنام ابوبکر ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۳۶۹ — ۳۷۰، ۱۲۷ انڈین کیسز ۱۰۰۴؛ ۱۹۳۰ء آل انڈیا بمبئی ۱۹۱۔

بر بنائے رسم و رواج جاری نہ ہو[1] یہ اس رائے کے مطابق تھا جو خود فقہائے اسلام نے قائم کی تھی : بیلی ، ۵۷۰ – ۵۷۱ ؛ ہدایہ ، ۲۳۴ – ۲۳۵ ۔ برخلاف اس کے ، الہ آباد ہائی کورٹ نے جائداد منقولہ اور کمپنیوں کے حصوں اور زر نقد تک کے وقف کو ناجائز نہیں قرار دیا تھا[2] اس قسم کے تمام اوقاف وقف کے ایکٹ کی رو سے جائز قرار پائے ہیں ۔ حال کے ایک مقدمے میں پرایوی کونسل میں یہ بحث پیش آئی تھی کہ آیا ایکٹ وقف کی رو سے گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹوں کا وقف کیا جانا جائز ہوگا ، مگر اس کے تصفیے کی نوبت نہ آئی ، کیونکہ وقف کا عمل سالہا سال سے جاری تھا ، اور اس بنا پر اس کا جواز (بغیر کسی مزید بحث کے) تسلیم کر لیا گیا[3]

دفعہ ۱۶۴ ج جو جائداد وقف کی جائے وہ واقف کی ہونی چاہیے ۔۔ جو جائداد وقف کی جائے وہ وقف کے وقت واقف کی ملکیت میں ہونی چاہیے[4]

بیلی ، ۵۶۲ ۔

مرہونہ یا پٹے پر دی ہوئی جائداد کا وقف ۔۔ جو جائداد رہن یا پٹے پر دی ہوئی ہو ، وہ بطریق جائز وقف ہو سکتی ہے : بیلی ، ۵۶۳ – ۵۶۴ ۔

جس جائداد کے خریدنے کا واقف نے اقرار کر لیا ہو ۔ جس جائداد پر واقف کا قبضہ بر بنائے معاہدۂ بیع ہو گیا ہو ، وہ بطریق جائز وقف ہو سکتی ہے ، بشرطیکہ بالآخر وہ خرید لی جائے[5]

---

[1] کلثوم بی بی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ، کلکتہ ویکلی نوٹس ۹ ، ۴۴۹ ؛ فاطمہ بائی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ، ۹ بمبئی لا رپورٹ ۱۳۳۷ ؛ قادر ابراہیم بنام محمد ۱۹۰۹ء ، ۳۳ مدراس ۱۱۸ ، ۴ انڈین کیسز ۱۳۶ ۔

[2] ابو سعید بنام باقر علی ۱۹۰۱ء ، ۲۴ الہ آباد ۱۹۰ ۔

[3] محمد صادق بنام فخر جہاں بیگم ۱۹۳۲ء ، ۵۹ انڈین اپیلز ۱ ، ۱۴ – ۱۸ ، ۶ لکھنؤ ۵۵۶ ، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۸۵ ، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳ ۔

[4] مسیح الدین بنام بیجا داس ۱۹۱۲ء ، ۳۵ الہ آباد ۶۸ ، ۱۷ انڈین کیسز ۸۷۱ ۔

[5] شہزادی بنام خواجہ حسین ۱۸۶۹ء ، ۱۲ ویکلی رپورٹ ۴۹۸ ؛ جھنجھیا بنام محمد ۱۹۳۲ء ، ۹ کلکتہ ۷۷ ، ۱۳۴ / ۴۸ ، ۱۶۷ انڈین کیسز ۷۹۸ ، ۱۹۳۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹

[6] مسماۃ بسم اللہ بنام محمد علی ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۱۶۲ ، ۱۱۰۲ انڈین کیسز ۷۷ ۔

دفعہ ۱۴۶ الف - مشاع کا وقف - مشاع یا غیر منقسمہ جائداد کا حصہ، مختار رائے کے مطابق، وقف ہوسکتا ہے، خواہ وہ جائداد قابل تقسیم ہو یا نہ ہو۔

استثنا - مسجد یا قبرستان کے لئے مشاع کا وقف جائز نہیں، خواہ جائداد قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم۔

ہدایہ، ۲۳۳؛ بیلی، ۳، ۵۷۰۔ مختار رائے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے، امام ابو یوسف کی رائے ہے۔ امام محمد کے نزدیک، ایسی جائداد مشاع کا وقف جو قابل تقسیم ہو جائز نہیں، کیونکہ ان کی رائے میں وقف کے جواز کے واسطے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ واقف جائداد پر متولی کا قبضہ کرا دے، دیکھو دفعہ ۱۵۱ جو آگے آتی ہے۔ اگرچہ امام ابو یوسف کی رائے میں جائداد کے قابل تقسیم ہونے کی حالت میں بھی مشاع کا وقف جائز ہے، مگر وہ بھی مشاع کا وقف مسجد یا قبرستان کے لئے جائز نہیں تصور کرتے۔ انھوں نے اس کے دو وجوہ بیان کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ دو کسی شے کی ملکیت میں دوسرے شخص کی شرکت خدا کے تنہا حق کے منافی ہے''۔

اس سے جو کچھ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان متوفی کے چند وارثوں میں سے کوئی وارث اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ جائداد غیر منقسمہ میں اپنا حصہ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف کر سکے، اگرچہ وہ دوسرے کاموں کے لئے اپنا ایسا حصہ وقف کر سکتا ہے۔ رنگون کے ایک مقدمے[1] میں، ولسن کے اینگلو محمدن لا طباعت ششم کے فقرہ ۳۲۱، اور پریوی کونسل کے مقدمہ محمد ممتاز بنام زبیدہ جان[2] کی تجویز پر بھروسا کر کے یہ قرار دیا گیا کہ اگر چند وارثوں میں سے ایک وارث تمام جائداد پر قابض ہو جاتا ہے اور اسے مسجد کے فائدے کے لئے

---

[1] عبدالرحیم بنام مانک منتو ۱۹۳۲ء آل انڈیا رنگون ۱۳۸، ۶۵ انڈین کیسز ۱۵۸۔

[2] ۱۸۸۹ء ۱۱ الہ آباد ۴۶۰، ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵۔

بغیر دوسرے وارثوں کی رضامندی کے متولیان مسجد کے قبضے میں دیدیتا ہے، تو وقف خود اس کے حصے تک جائز ہوگا۔ جس فقرے کا اوپر ذکر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں: "ولیکن اگر ان مقدمات کے اوقاف جائز ہیں جن کا ذکر نوٹ (۱) میں کیا گیا ہے، تو وہ مساجد اور قبرستانوں کے اہتمام یا تعمیر کے لئے بھی جائز ہوں گے"۔ یہ فقرہ پہلی مرتبہ طباعت ششم میں درج ہوا ہے، اور جن مقدمات کا اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے متاع کے وقف سے تعلق رکھتے ہیں جو مساجد یا قبرستان کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے تھے۔ پرایوی کونسل کے جس مقدمے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ متاع کے ہبہ کا ہے۔ پس متاع کا وقف مسجد یا قبرستان کے لئے ان خاص وجوہ سے جو امام ابو یوسف نے بیان فرمائے ہیں ناجائز ہے۔

دفعہ ۱۴۶ الف۔ مقاصد وقف ۔ جس مقصد کے لئے وقف کیا جائے اس کے لئے ضرور ہے کہ وہ شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی یا حسنات میں شمار ہوتا ہو (ایکٹ وقف ۲ (۱))۔ وقف واقف کے خاندان، بچوں اور اولاد کے حق میں بھی ہو سکتا ہے (ایکٹ وقف دفعہ ۳)۔

الف۔ وقف کے جائز مقاصد حسب ذیل ہیں:-

(۱) مساجد، اور نماز پڑھانے کے لئے ائمہ کی معاش کی غرض سے[1]۔

(۲) مدرسوں اور ان میں پڑھانے کے لئے استادوں کی معاش کے لئے[2]۔

(۳) بند آب، پلوں، اور کاروان سراؤں کے لئے[3]۔

(۴) محتاجوں میں تقسیم خیرات، اور ان کو سفر حج میں امداد کرنے کے لئے[4]۔

---

[1] اور [2] بیلی، ۴، ۵۔

[3] و [4] ہدایہ، ۲۴۰۔

(۵) حضرت علی مرتضیٰؓ کی پیدائش کے جشن ولادت کے انعقاد کے واسطے[1]؛

(۶) محرم میں تعزیہ داری[2]، اور محرم میں اونٹوں اور دلدل کا مذہبی جلوس نکالنے کے لئے[3]؛

(۷) امام باڑوں کی ترمیم کے لئے[4]؛

(۸) واقف اور اس کے خاندان کے ارکان کی برسی کرنے کے واسطے[5]؛

(۹) قدم شریف کے مراسم کے لئے[6]

(۱۰) مساجد میں روشنی کے لئے[7]

(۱۱) قرآن خوانی کے لئے مکان میں ہو یا کسی عام مقام پر[8]؛

(۱۲) واقف اور اس کے خاندان کے ارکان کے فاتحہ کے لئے[9]

---

[1] بیبیا جان بنام کلب حسین ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۱۳۶، ۱ انڈین کیسز ۶۳؛ سید اسمٰعیل بنام حمیدی بیگم ۱۹۲۱ء ۶ پٹنہ لا جرنل ۲۱۰، ۲۳۵ — ۲۳۶، ۶۲ انڈین کیسز ۵۵، ۳۶ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۲۵؛ حاجی عبدل بنام حاجی حامد ۱۹۰۳ء ۵ بمبئی لاء رپورٹ ۱۰۱۰ [کچھی میمن کا وصیت نامہ]؛ عبدالشکور بنام ابوبکر ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۱۲۷ انڈین کیسز ۱۰۱، ۳۰ء آل انڈیا بمبئی ۱۹۱ [کچھی میمن کا مقدمہ — ہبہ بالوصیت مذہبی کاموں کے لئے]۔

[2] ایضاً

[3] سید علی بنام سید محمد علی ۱۹۲۸ء، پٹنہ ۴۲۶، ۲۸ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۴۸۔

[4] و [5] دیکھو مقدمات زیر مد (۵)۔

[6] پھول چند بنام اکبر یار خاں ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۲۱۱۔

[7] مظہر حسین بنام عبدل ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۴۰۰، ۹ انڈین کیسز ۷۵۲۔

[8] ایضاً۔

[9] لچھمی پت سنگھ بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ پھول چند بنام اکبر یار خاں ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۲۱۱؛ بیبیا جان بنام کلب حسین ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۱۳۶، ۱ انڈین کیسز ۶۳ — صفحہ ۳۹ ا رپورٹ؛ مظہر حسین بنام عبدل ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۴۰۰، ۹ انڈین کیسز ۷۵۲ (جس میں چیف جسٹس اسٹینلی مذبذب رہے)؛ متورا مانادن بنام ویوا لوائی ۱۹۱۱ء ۳۴ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۳۰ مدراس ۱۱۶، ۱۲۲، ۲۹ انڈین کیسز ۲۳۵ — نیز دیکھو صالح بھائی بنام صفیہ بو ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۱۱۱، ۱۲ انڈین کیسز ۷۰۲

(فاتحہ میں متوفی اشخاص کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے دعا کی جاتی ہے، اور محتاجوں کو خیرات تقسیم ہوتی ہے) ؛

(۱۳) ان اخراجات کے لئے جو خاندانی مقبرہ، اور رمضان میں افطاری کے متعلق ہوں[۱] ؛

(۱۴) محتاج رشتہ داروں اور متعلقین کی پرورش کے لئے[۲] ۔

مفصلۂ ذیل مقاصد کے لئے وقف جائز نہیں ؛ ۔

۱ ۔ ممنوعات شرعی کے لئے ، مثلاً گرجا یا دیول کی تعمیر یا نگہداشت کے لئے ؛ بیلی ، ۵۹۰ ؛

۲ ۔ شخصی قبر کی نگہداشت کے لئے ، برخلاف مزار بزرگان[۳] ؛

۳ ۔ قبروں پر قرآن خوانی اور متوفی کی روح کو ثواب پہنچانے کے دوامی مراسم کے واسطے ۔ یہ مدراس ہائیکورٹ کی رائے ہے[۴] ، بمبئی ہائی کورٹ نے اس سے اختلاف کیا ہے اقلاً اس حد تک کہ اس کا تعلق ان مراسم سے ہے جو متوفی کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے عمل میں آتے ہیں[۵] ؛

۴ ۔ مولوی امیر علی نے اپنی کتاب "اصول شرع محمدی" [اشاعت چہارم ، جلد اول کے صفحہ ۲۷۶] میں یہ رائے ظاہر کی تھی ، کہ متعلقین اور ملازمین کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لئے وقف جائز ہے ، اس کا اتباع الہ آباد ہائی کورٹ نے کیا[۶] ۔ حال میں ایک پرایوی کونسل کے مقدمے

---

[۱] سید علی بنام سید محمد ۱۹۲۸ء پٹنہ ۴۴۶ ، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۴۱ ۔

[۲] مکرم بنام انجمن النساء ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۵۲ ، ۱۹۹ انڈین کیسز ۱۰۳۶ ، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۲۲۳ ۔

[۳] کالیکولا بنام نصیر الدین ۱۹۹۴ء ۱۸ مدراس ۲۰۱ ۔

[۴] ۱۸ مدراس ۲۰۱ ، مذکورۂ سابق ، زلیخا بی بی بنام سید زین العابدین ۱۹۰۶ء بمبئی لا رپورٹ ۱۰۵ ۔ الہ قبروں پر قرآن خوانی]

[۵] عبد الشکور بنام ابوبکر ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۳۵۶ ، ۳۶۷ ــ ۳۶۸ ، ۱۲۷ انڈین کیسز ۴۰۱ ، ۱۹۳۰ء آل انڈیا بمبئی ۱۹۱ ۔

[۶] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴ ، ۸۶ ، ۸۷ ، ۵۴ الہ آباد ۹۳ ، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۵۴ ، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۸۱ ۔

میں اسی قسم کی بحث پیش آئی تھی[۱]، اور مولوی امیر علی کے فقرۂ مذکورۂ بالا سے استدلال کیا گیا تھا، مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ بعدہ اس سے رجوع کر لیا گیا، بورڈ نے لکھا: کہ یہ امر مسلم ہے کہ "جواز وقف کے ایکٹ نشان ۶ سنہ ۱۹۱۳ء میں غلاموں اور متعلقین کے لئے وقف کئے جانے کا کوئی انتظام نہیں ہے"۔

دفعہ ۱۴۶ و ۔ عدم تعین کی وجہ سے وقف کا کالعدم ہو جانا۔ مقاصد وقف کا تعین کافی صراحت کے ساتھ کیا جانا لازم ہے؛ اگر ایسا نہ ہوگا، تو وقف عدم تعین کی وجہ سے کالعدم ہو جائے گا [دیکھو نوٹ (۱)]۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مقاصد کا نام بنام ذکر کیا جائے[۲]، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جب مقاصد کا ذکر کیا جائے تو یہ بھی بتایا جائے کہ ہر مقصد پر کس قدر رقم صرف کی جانی چاہیئے[۳] [دیکھو نوٹ (۲)]۔

نوٹ (۱) ۔ انگلستان کے قانون کی رو سے امانت کا مقصد، خواہ وہ شخصی ہو یا عام، متیقن ہونا چاہیئے، ورنہ وہ امانت عدم تیقن کی وجہ سے کالعدم ہو جائے گی۔ اس مضمون پر انگلستان کا اہم مقدمہ مورس بنام بشپ اوف ڈرہام[۴] ہے۔ اس مقدمے میں لارڈ ایلڈن نے یہ رائے قائم کی کہ امانت "ایسے خیراتی یا آزادی کے مقاصد کے لئے جنھیں امین سب سے زیادہ پسند کرے"، ایسی مبہم ہے کہ اس کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ قرار پایا کہ جو امانت "خیراتی یا مقاصد حسنہ[۵]"

---

[۱] غلام محمد بنام غلام حسین سنہ ۱۹۳۲ء ۹۵ انڈین اپیلز ۴۸، ۲۰۱ / ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۳۹ / انڈین کیسز ۵۴ سنہ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۸۱۔

[۲] شیخ رمضان بنام مسماۃ رحمانی سنہ ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۷۰، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۷۲؛ گنگا بائی بنام تواری سنہ ۱۸۶۳ء ا بمبئی ہائی کورٹ آفس سرکلر ۱۷۔

[۳] منورامانا ون بنام وادا لوائی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۴ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۸ — ۲۹، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۱۳۹ انڈین کیسز ۲۳۵، سنہ ۱۹۱۶ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۸۶؛ سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۲۵-۳۲۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۱۷ سنہ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۳۳۔

[۴] سنہ ۱۸۰۴ء ۱۰ ویسی ۵۲۲۔

[۵] مقدمۂ ایلینڈ سنہ ۱۸۸۱ء ویکلی نوٹس ۱۷۳۔

یا "خیراتی یا محبت انسانی کے لئے"[1] یا ان "خیراتی یا مقاصد عامہ کے کاموں کے لئے کی جائے جنھیں میرا امین مناسب خیال کرے"[2] عدم تعین کی وجہ سے کالعدم ہے۔ اسی اصول کا اتباع کر کے، پراِیوی کونسل نے یہ طے کیا ہے کہ ایک ہندو کا ہبہ "دھرم" کے لئے "خیراتی، مذہبی یا محبتِ انسانی" کے الفاظ کے مساوی ہونے کی بنا پر بوجہ عدم تعین کالعدم ہے[3]۔

مسلمانوں کے مقدمات کو لیجئے، ایک قدیم مقدمے میں ایک مسلمان خوجہ نے "دھرم" کے لئے ہبہ بالوصیت کیا تھا، بمبئی کی ہائی کورٹ نے عدم تعین کی بنا پر اسے ناجائز قرار دیا تھا[4]۔ اسی طرح بمبئی کے ایک بعد کے مقدمے میں، ایک مسلمان کا ہبہ بالوصیت "دھرم"، کھیرات (خیرات) وگیرہ (وغیرہ) کے لئے، عدم تعین کی بناء پر کالعدم قرار دیا گیا۔ "کھیرات" گجراتی لفظ ہے اور کہا جاتا ہے کہ عربی کے لفظ "خیرات" کی بگڑی ہوئی شکل ہے عربی میں "خیر" کے معنی اچھے کے ہیں، اور خیرات کے معنی اچھے کاموں، صدقوں اور نیکیوں کے لئے جاتے ہیں[5]۔ پنجاب کے ایک مقدمے میں وہ وقف جو ایسے خیراتی کاموں کے لئے کیا گیا تھا، جو واقف کے امنا مناسب سمجھیں اور جن سے واقف کو کچھ ثواب پہنچے عدم تعین کی وجہ سے کالعدم قرار پایا[6]۔ الہ آباد کے ایک مقدمے میں یہ طے ہوا کہ جو وقف

---

[1] بمقدمۂ مبکڈف ۱۸۹۶ء ۲ چانسری ۴۶۳۔

[2] بلیر بنام ڈنکن ۱۹۰۲ء آل انڈیا کلکتہ ۳۷؛ گریمانڈ بنام گریمانڈ ۱۹۰۵ء آل انڈیا کلکتہ ۱۲۴۔

[3] رن چھوڑ داس بنام پروتی بائی ۱۸۹۹ء ۲۳ بمبئی ۷۲۵، ۲۶ انڈین اپیلز ۷۱۔

[4] گنگا بائی بنام توار ۱۸۶۳ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ آفس سرکلر ۷۱۔

[5] مریم بی بنام فاطمہ بی ۱۹۲۸ء ۳۱ بمبئی لا رپورٹ ۱۳۵؛ ۱۱۶ انڈین کیسز ۲۴۲، ۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۱۲۷۔

[6] شہاب الدین بنام سوہن لال ۱۹۰۷ء پنجاب ریکارڈ نمبر ۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو ایڈوکیٹ جنرل بنام ہرمزجی ۱۹۰۵ء ۲۹ بمبئی ۳۷۵۔

"فاتحہ" عدم تعین کی وجہ سے اور "امر خیر" کے لئے کیا جائے جس میں غریب رشتہ داروں اور متعلقین کی پرورش بھی شامل تھی، عدم تعین کی وجہ سے کالعدم نہیں ہے[1] لیکن اگر "امر خیر" کے صحیح معنی "نیک" یا "اچھے کاموں" کے ہیں تو وقف عدم تیقن کی بنا پر کالعدم ہونا چاہیئے، بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ جب کوئی مسلمان اپنی جائداد "امور خیر" کے لئے وقف کرتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ویسے کاموں کے لئے وقف کرتا ہے جو "شرع اسلام میں یا مذہبی نیک یا خیراتی سمجھے جاتے ہیں" جیسا کہ دفعہ ۲ (۱) قانون وقف کا منشا ہے۔

نوٹ (۲) ایک مسلمان خوجہ کا ہبہ بالوصیت ایک سرمائے کے متعلق، جو انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا اس ہدایت کے ساتھ کہ سرمایہ مذکور "خیرات" میں اس طرح صرف کیا جائے جس طرح میرا مہتمم ترکہ مناسب خیال کرے" عدم تیقن کی بنا پر کالعدم نہیں ہے[2]۔ اودھ کے ایک وقف کے مقدمے میں[3] آمدنی کا ایک جز مسجد اور ایک جز مدرسے کے لئے، اور باقی واقف کے وارثوں کو دینے کی ہدایت تھی۔ دستاویز میں اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وارثوں کے ختم ہو جانے کے بعد وہ آمدنی جو ان کے لئے مخصوص کی گئی ہے کس کام میں صرف کی جائے گی، لیکن یہ امر صاف طور سے ظاہر تھا کہ آمدنی مذکور کو ایسے امور میں لگانا مقصود تھا جو شرع اسلام میں مذہبی، نیک، یا خیراتی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ وقف جائز قرار دیا گیا[4]۔

---

[1] مکرم بنام انجمن النساء سنہ ۱۹۴۳ء الہ آباد ۲۱۰، ۶۹ انڈین کیسز ۳۶، سنہ ۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۲۲۴۔

[2] گنگا بائی بنام تھاور سنہ ۱۸۶۳ء بمبئی ہائی کورٹ اپیلٹ سول کلاز ۱۔

[3] شیخ رمضان بنام مساۃ رحمانی سنہ ۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۶۷، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۷۲۔

[4] سنہ ۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۶۷، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۷۲، مذکورہ بالا۔

دفعہ ۱۴۶ الف - مقصد جزءً جائز اور جزءً ناجائز — جس حالت میں وقف چند مقاصد کے لئے کیا جائے، جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز ہوں، تو جائز مقاصد کی حد تک وہ صحیح اور ناجائز مقاصد کے لئے غیر صحیح متصور ہوگا؛ اور جائداد کا وہ جز جو ناجائز مقاصد کے لئے وقف کیا گیا ہے، واقف کی طرف عود کرے گا[1]۔

دفعہ ۱۴۶ ب - اصول تعبیر تقریبی — جب وقف کی دستاویز سے خیرات کی نیت صریح طور سے ظاہر ہوتی ہو، تو اس وجہ سے وہ باطل نہیں قرار دی جا سکتی، کہ اس کے مقاصد، اگر کچھ بیان کئے گئے ہوں، باقی نہیں رہے۔ ایسی صورت میں آمدنی محتاجوں کے فائدے کے لئے یا ایسے مقاصد پر صرف کی جائے گی جو فوت شدہ مقاصد کے قریب قریب یا ان کے مماثل ہوں گے[2]۔

شیعوں کا قانون — شیعوں میں بھی یہی قاعدہ جاری ہے:

بیلی، جلد دوم ص ۲۱۶۔

دفعہ ۱۴۷ - وہ لوگ جو وقف کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں —

ہر مسلمان جو عاقل اور بالغ ہو اپنی جائداد وقف کر سکتا ہے۔

بیلی، ۶۰۵ - بلوغ کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۰۱ - سابق۔

دفعہ ۱۴۸ - وقف کرنے کا طریقہ زیادہ اہم نہیں ہے — وقف زبانی اور تحریری دونوں طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ وقف قائم کرنے کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ بروقت عطا "وقف" کا لفظ استعمال کیا جائے، اگر خود عطا کی عام نوعیت سے اس کا وقف کیا جانا مستنبط ہوتا ہو[3]۔ جہاں صاف طور سے یہ نہ معلوم ہوتا ہو کہ عطا سے وقف

---

[1] منظہر حسن بنام عبدل سنہ ۱۹۱۱، ۳۳ الہ آباد ۴۰۰، ۴۰۶، ۹ انڈین کیسز ۵۳، ۔

[2] کلثوم بی بی بنام غلام حسن سنہ ۱۹۰۵، ۱۰ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۴۹، ۴۸۴، ۔ ۴۸۵؛ صالح بھائی بنام صفیہ بو سنہ ۱۹۱۲، ۳۶ بمبئی ۱۱۱، ۱۲ انڈین کیسز ۷۰۲۔

[3] جیون داس بنام شاہ کبیر الدین سنہ ۱۸۴۰، ۲ مدراس انڈین اپیلز ۳۹۰؛ سالک النسا بنام مطیع احمد سنہ ۱۹۰۳، ۲۵ الہ آباد ۴۱۸ [قانون شیعہ]؛ محمد حمید بنام میاں محمد سنہ ۱۹۲۳، ۵ انڈین اپیلز ۹۲، ۱۰۴، ۱۴۴ لاہور ۱۵، ۲۰، ۷۷ انڈین کیسز ۱۰۰۹، سنہ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۳۸۴۔

قائم ہوا یا نہیں، وہاں موقوف لہ اور اس کے جانشینوں کے بیانات، اور ان کا طرز عمل، اور جائداد کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا رہا ہے، ایسے حالات ہیں جو اگرچہ بجائے خود قطعی ثبوت نہ ہوں، مگر قابلِ لحاظ ضرور ہیں[1]۔

اس کا لحاظ رکھو کہ ایکٹ امانت ہند نشان ۲ بابت سنہ ۱۸۸۲ء کے احکام وقف سے متعلق نہیں ہوتے: دیکھو ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۔

اگرچہ وقف زبانی کیا جا سکتا ہے، مگر جب عطا کے شرائط ضبط تحریر میں آ جائیں، تو اس کے شرائط ثابت کرنے کے لئے کوئی شہادت نہ پیش ہو سکے گی بجز اس کے کہ وہ شہادت خود دستاویز کے ثابت کرنے کے لئے ہو یا اس کے مضمون کی منقولی شہادت ہو[2]۔

دفعہ ۱۴۹۔ وقف بحالت زندگی یا بذریعۂ وصیت ہو سکتا ہے — وقف بحالت زندگی کسی عمل سے یا وصیت کے ذریعے سے کیا جا سکتا ہے [دفعہ ۱۵۰]۔

جو وقف بذریعۂ وصیت کیا جائے وہ اس شرط کی وجہ سے ناجائز نہیں ہو جاتا کہ اگر واقف کے اولاد پیدا ہو گئی تو وقف کا عمل موقوف رہے گا۔ وجہ یہ ہے کہ موصی کو قانوناً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی وصیت میں جس وقت چاہے تغیر تبدل کرے یا اسے منسوخ کر دے، اس لئے وہ ایسے وقف کو بھی منسوخ کر سکتا ہے جو وصیت نامے کے ذریعے سے کیا گیا ہو اگرچہ اس نے کوئی ایسا صریح اختیار اپنے لئے محفوظ نہ رکھا ہو[3]۔

---

[1] محمد رضا بنام یادگار سنہ ۱۹۲۴ء ۵۱ انڈین اپیلز ۱۹۵؛ ۵۱ کلکتہ ۴۴۸، ۸۰ انڈین کیسز ۶۴۵، سنہ ۲۴ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۰۹۔

[2] شیخ محمد بنام بی بی مریم سنہ ۱۹۲۶ء ۸ پٹنہ ۴۸۴، ۱۱۷ انڈین کیسز ۶۳۰، سنہ ۲۹ء آل انڈیا پٹنہ ۴۱۰۔

[3] محمد احسان بنام عمر دراز سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۶۳۳؛ عبدالکریم بنام شفیع النسا سنہ ۱۹۰۶ء ۳۳ کلکتہ ۸۵۲۔

شیعوں کا قانون ۔ ایک زمانے میں یہ طے ہوا تھا کہ اہل تشیع وصیت کے ذریعے سے وقف نہیں کر سکتے، مگر یہ رائے غلط تھی۔ اب پرایوی کونسل سے یہ قرار پا گیا ہے کہ شیعہ بھی وصیت کے ذریعے سے وقف کرنے کے مجاز ہیں۔[1]

دفعہ ۱۵۰۔ وصیتی اور مرض الموت کا وقف ۔ ایک مسلمان مجاز ہے کہ اپنی کل جائداد وقف کر دے۔ مگر جو وقف وصیت کے ذریعے سے یا مرض الموت میں کیا جائے گا وہ بغیر وارثوں کی رضامندی کے خالص جائداد کی ایک تہائی سے زیادہ پر نافذ نہ ہوگا۔

ہدایہ، ۲۳۲؛ بیلی، ۶۱۲۔

شیعوں کا قانون ۔ یہی ان کے یہاں بھی ہے۔[2] وصیتی وقف اس ہبہ بالوصیت سے زیادہ نہیں ہے جو کسی خیراتی کام کے لئے کیا جائے، ایسے وقف پر وہی قیود عائد ہوتے ہیں جو شخصی ہبہ بالوصیت کے لئے مقرر ہیں؛ دیکھو دفعہ ۸۴ گزشتہ۔

دفعہ ۱۵۱۔ وقف کی تکمیل کس طرح ہوتی ہے ۔ (۱) جو وقف بحالت زندگی کیا جائے، وہ حسب مذہب امام ابو یوسف صرف مالک کے اعلان وقف سے کامل ہو جاتا ہے۔ اسی رائے سے کلکتہ،[3] رنگون،[4] بمبئی[5] کی ہائی کورٹوں نے اتفاق کیا ہے۔ امام محمد کے نزدیک، وقف اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ واقف اعلان وقف کے علاوہ کسی شخص کو متولی قرار دے کر جائداد موقوفہ اس کے حوالے نہ کر دے۔ (ہدایہ، ۲۳۳؛ بیلی،

---

[1] باقر علی خاں بنام انجمن آرا بیگم سنہ ۱۹۰۲ء ۲۵ الہ آباد ۲۳۶، ۳۰ انڈین اپیلز ۹۴۔

[2] علی حسین بنام فضل سنہ ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۴۳۱، ۲۳ انڈین کیسز ۲۹۱۔

[3] دوودم جان بی بی بنام عبداللہ باربر سنہ ۱۸۳۰ء فلٹن ۳۴۵؛ جنجیرا بنام محمد سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۵-۴۸۸، ۶۷ انڈین کیسز ۷۶۱، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹۔

[4] مانی خن بنام مانگ بسین سنہ ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۴۹۵، ۸۱ انڈین کیسز ۶۷، سنہ ۲۵ آل انڈیا رنگون ۱۰۷۔

[5] عبدالرزاق بنام جمبا بائی سنہ ۱۹۱۱ء ۱۳ بمبئی لا رپورٹ ۲۹۵، ۳۰۰ - ۳۰۱، ۱۲ انڈین کیسز ۹۸۸؛ حسین بائی بنام ایڈووکیٹ جنرل آف بمبئی سنہ ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۴۸۶، ۵۰ انڈین کیسز ۹۹۱۔

۵۵ھ)۔ الہ آباد ہائیکورٹ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے[1]۔

(۲) واقف پہلا متولی خود اپنے آپ کو قرار دے سکتا ہے۔ چونکہ واقف اور متولی دونوں ایک ہی شخص ہوتا ہے، اس لئے حقیقی قبضہ منتقل کرنا ضروری نہیں ہوتا خواہ مذکورہ بالا دونوں نظریوں میں سے کوئی نظریہ اختیار کیا جائے۔ اور نہ اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ واقف کا نام بحیثیت مالک کے بدل کر بحیثیت متولی کے (سرکاری کاغذات میں) لکھوایا جائے[2]۔ الہ آباد ہائیکورٹ بھی، جہاں امام محمد کا نظریہ اختیار کیا گیا ہے۔ ایسا انتقال ضروری نہیں سمجھتی[3]۔

نیت ۔۔۔ جس صورت میں نہ وقف کا اعلان کیا گیا ہو اور نہ قبضہ دیا گیا ہو، بلکہ محض جائداد کو خیراتی کاموں کے لئے علٰحدہ کر دینے کی نیت ہو، اس سے وقف قائم نہیں ہوتا اگرچہ جائداد کی آمدنی مقاصد پیش نظر میں صرف کی جاتی رہی ہو[4]۔

کلکتے کے ایک مقدمے میں[5] یہ تجویز ہوئی کہ اگر وقف بذریعۂ دستاویز قائم

---

[1] محمد عزیز الدین بنام لیگل ریممبرینسر ۱۹۱۶ء ۱۵ الہ آباد ۳۲۱؛ محمد یونس بنام محمد اسحاق ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۲۸۷/۶۲، انڈین کیسز ۸۹۹، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۱۰۳؛ محمد شفیع بنام عبدل ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۳۹۱/۹۹، انڈین کیسز ۱۰۵۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۵۔

[2] عبدالرزاق بنام جمیا بائی ۱۹۱۱ء ۱۳ بمبئی لا رپورٹ ۲۹۵؛ ۳۰۰، ۱۴ انڈین کیسز ۹۸؛ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین ۱۹۲۰ء ۴۲ انڈین اپیلز ۲۲۷، ۲۳۷، ۴۲ الہ آباد ۶۰۹، ۶۱۲، ۵۷ انڈین کیسز ۳۲۹؛ حسین بھائی بنام ایڈوکیٹ جنرل آف بمبئی ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۴۳۶، ۶۵ انڈین کیسز ۹۹۱؛ جعفر بنام محمد ۱۹۲۱ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۸، ۶۶ انڈین کیسز ۷۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۲۹؛ عبدالجلیل بنام عبید اللہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۶۲، ۶۴، ۶۲ انڈین کیسز ۲۵، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۵؛ محمد زین بنام نور الحسن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۹۸۲، ۴۴ انڈین کیسز ۲۲۴، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۱۱۳؛ تفضل بنام مجید اللہ ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۵۹، ۷۹ انڈین کیسز ۱۲۰، ۱۹۲۴ء آل انڈیا لاہور ۴۳۲۔

[3] ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۳۶۸، ۴۴ انڈین کیسز ۴۱، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۱۱۳، حسب سابق؛ غضنفر بنام احمدی بی بی ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۳۶۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۶۹، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۹۔

[4] بانو بی بنام نرسنگراو ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۲۵۰۔

[5] کلثوم بی بی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ۱۰ کلکتہ ویکلی نوٹ ۴۴۹، ۴۸۴۔

کیا گیا ہو اور اس دستاویز کے مضمون سے اس کا مذہبی یا خیراتی امانت ہونا ظاہر ہوتا ہو، اور اس کی تکمیل قبضہ دہی سے بھی ہو گئی ہو، تو خود واقف یا وہ لوگ جو اس کے ذریعے سے دعویدار ہوں یہ کہنے کے مجاز نہیں ہو سکتے کہ اس وقف پر عمل کرنا مقصود نہ تھا۔ ایک بعد کے مقدمے[1] میں بھی یہ تجویز ہوئی کہ دستاویز اور قبضہ دہی سے اس کے سوائے کچھ اور نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وقف عمل میں آیا، اور اب واقف اور وہ لوگ جو اس کے ذریعے سے دعویدار ہیں اس کے مجاز نہیں ہیں کہ وہ یہ ظاہر کریں کہ دستاویز سے وقف کا عمل میں آنا مقصود نہ تھا، اور وہ محض ایک فرضی کارروائی تھی۔ نیت کے متعلق ہمیشہ شہادت پیش ہو سکتی ہے اگر وقف دستاویز کے ذریعے سے نہیں قائم کیا گیا ہے[2]۔ یا اگر دستاویز سے قائم کیا گیا ہے مگر اس کی عبارت مبہم ہے[3]۔ ایسی صورت میں دائن کو ہمیشہ یہ حق حاصل ہے، کہ وہ یہ ثابت کرے کہ جو وقف کیا گیا ہے وہ دائنین کو فریب دینے کے لئے کیا گیا ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون میں وقف بحالتِ زندگی محض اعلان سے نہیں قائم ہوتا، قبضے کا دیا جانا لازم ہے؛ بیلی، جلدِ دوم، ۲۱۲۔ اگر واقف اپنے آپ کو اوّل متولی قرار دیتا ہے تو قبضہ دہی لازم نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ وہ اپنا نام جائداد کی ملکیت سے خارج کرائے اور بحیثیت متولی کے لکھوائے۔ اگر یہ نہ کیا جائے گا

---

[1] مسعودہ خاتون بنام محمد ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۲ ۴۰۲ ، ۴۶ ۲۲۴ — ۲۸ ۴ ۴ ، ۱۳۳ انڈین کیسز، ۶۵ ، ۱۹۳۲ء آل انڈیا کلکتہ ۹۳۔

[2] سالک رام بنام امجد خاں ۱۹۰۶ء الٰہ آباد ویکلی نوٹس ۵۹ ۱ ؛ زلیخا بی بی بنام سید زین العابدین ۱۹۰۶ء بمبئی لا رپورٹ ۸ ۵ ۱ ، ۶۷ ، ۱۰۔

[3] کلثوم بی بی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ۱۰ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۴۹ ، ۴۸۴۔

تو وقف جائز نہ ہوگا۔[1]

دفعہ ۱۵۱ الف رجسٹریشن ازروئے احکام رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۰۸ء

ایسے وقف نامے کی رجسٹری لازم ہے جس کے ذریعے سے کوئی جائداد غیر منقولہ جس کی قیمت ایک سو یا ایک سو روپے سے زیادہ ہو وقف کی جائے، اگرچہ واقف نے اپنے آپ کو تنہا متولی قرار دیا ہو۔ لیکن ایسے "ٹرسٹی نامے" کی رجسٹری لازم نہیں ہے جس کے ذریعے سے واقف مزید متولی مقرر کرے، بشرطیکہ دستاویز مذکور سے متولیوں کی طرف جائداد کی کسی حقیت کا منتقل کرنا مقصود نہ ہو۔[2]

ہر وقف نامے، یعنی، ایسی دستاویز سے جس سے وقف قائم ہوتا ہو واقف کی ملکیت جائداد موقوفہ سے زائل ہوجاتی ہے (دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۴۶)، اس لئے رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ ۱۷ (۱) (ب) کے مطابق اس کی رجسٹری ہونی چاہئے۔ پریوی کونسل کے مقدمہ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین[3] میں یہ امر تسلیم کرلیا گیا تھا، اور اسی پر دفعہ ہذا (۱۵۱ الف) مبنی ہے۔ اس مقدمے کے واقعات بہ نسبت ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴ کے ۴۲ الہ آباد ۶۰۹ میں زیادہ تر تفصیل سے دئے گئے ہیں۔ اس میں واقف نے پہلے ایک وقف نامہ لکھا جس میں اس نے اپنے آپ کو پہلا متولی قرار دیا، اور مزید متولیوں کے مقرر کرنے کا اختیار اپنے لئے محفوظ رکھا۔ اس دستاویز کے ذریعے

---

[1] آبادی بیگم بنام کنیز زینب ۱۹۲۶ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۳، ۶ پٹنہ ۲۵۹، ۹۹ انڈین کیسز ۶۶۹، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲ جس میں مقدمہ حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۷ کا اتباع کیا گیا؛ سید علی بنام سید محمد ۱۹۲۵ء ۴ پٹنہ ۴۲۶؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا پٹنہ ۱۴۴؛ سید علی بنام سید محمد ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۴۶۸، ۴۴، ۴۷، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۲، ۱۹۲۸ء انڈین اپیلز ۲ ۳۵۲۔

[2 و 3] محمد رستم علی بنام مشتاق حسین ۱۹۲۰ء ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴، ۴۲ الہ آباد ۶۰۹، ۵۷ انڈین کیسز ۳۲۹۔

سے اس نے متولیوں کے اختیارات، ان کے فرائض اور ان تعلقات کی جو انہیں جائداد کے ساتھ رہیں گے صراحت کی۔ تین مہینے کے بعد اس نے ایک دوسری دستاویز موسوم بہ "ٹرسٹی نامہ" کی تکمیل کی، جس کے ذریعے سے اس نے مزید متولی مقرر کئے جن میں سے کچھ اس کے ساتھ کام کرنے کے لئے تھے، اور کچھ اس کے مرنے کے بعد۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ متولیوں نے جائداد پر قبضہ پانے کے لیے اس کے وارثوں کے مقابلے میں دعوی دائر کیا۔ وقف نامہ کی فی الحقیقت رجسٹری ہو چکی تھی، مگر وارثوں کی طرف سے یہ عذر کیا گیا کہ رجسٹری نا ضابطہ نہیں ہے کیونکہ رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ ۶۹ کے تحت جو قواعد جاری ہوئے ہیں ان کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ پرایوی کونسل نے قرار دیا کہ رجسٹری باضابطہ طور سے ہوی ہے۔ "ٹرسٹی نامہ" کی رجسٹری نہیں ہوئی تھی، اس کے متعلق یہ عذر کیا جاتا تھا کہ رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے اس سے متولیوں کو نالش کا حق نہیں پیدا ہوتا۔ مگر یہ دلیل قابل قبول نہ ٹھیری، اور یہ قرار پایا کہ اگر دستاویز ہذا وقف نامے کے ساتھ بھی پڑھی جائے تب بھی اس سے جائداد کو متولیوں کی طرف منتقل کرنا مقصود نہیں ہو سکتا، اس لئے اس کی رجسٹری کی ضرورت نہ تھی۔ اس ضمن میں دیکھو دفعہ ۱۶۳ ب جس میں متولیوں کی حیثیت کی صراحت کی گئی ہے۔

دفعہ ۱۵۲۔ وقف قدیم استعمال کی بنا پر —— اگر کوئی اراضی قدیم ایام (قبل از یاد زمانہ) سے مذہبی اغراض مثلاً بطور قبرستان کے کام میں لائی جاتی رہی ہو، تو وہ اراضی قدیم استعمال کی بنا پر وقف ہے، اگرچہ اس کی شہادت نہ موجود ہو کہ وہ ابتداً کب اور کس طرح اس مقصد کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔[1]

[1] کورٹ آف وارڈز بنام الہی بخش سنہ ۱۹۱۲، ۴۰ کلکتہ ۲۹۷، ۱۷ انڈین اپیلز ۱۰، ۱۱ انڈین کیسز ۲۴۷؛ مہراج دین بنام غلام سنہ ۱۹۳۱، ۱۲ لاہور ۵۴۰، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۹۲، سنہ ۳۱ آل انڈیا ۶۰۷۔

قبرستان — جو اراضی عام قبرستان کے طور پر کام میں لائی جاتی ہو وہ وقف ہے، اور اس وجہ سے ناقابلِ انتقال ہے، اگرچہ بحکم سررشتہ بلدیہ اب اسکا اس کام میں لایا جانا موقوف ہوگیا ہو[1] - دیکھو بیلی ۶۲۲ -

دفعہ ۱۵۲ - تنسیخ وقف — وصیتی وقف، یعنی، ایسا وقف جو وصیت کے ذریعے سے کیا گیا ہو، واقف کی موت سے پہلے[2] ہر وقت منسوخ کیا جا سکتا ہے - دیکھو دفعہ ۱۴۹ -

وصیتی وقف، اس ہبہ بالوصیت سے زیادہ نہیں ہے جو کسی مذہبی یا خیراتی کام کے لئے کیا جائے، اس لئے وہ دوسرے ہبہ کی طرح منسوخ ہو سکتا ہے - دیکھو دفعہ ۱۰۹ سابق - جو وقف مرض الموت میں کیا جائے اس کی بھی یہی حالت ہے[3]: دیکھو ۱۴۴ سابق -

(۲) اگر غیر وصیتی وقف کرنے کے وقت، واقف تنسیخ وقف کا حق اپنے لئے محفوظ کرلے، تو وہ وقف جائز نہیں ہے[4] -

دفعہ ۱۵۳ الف - اشخاص مستحق استفادہ کو بدل دینے اور ان کے حصوں کو بڑھانے یا گھٹانے کا اختیار — واقف مجاز ہے کہ وہ وقف کرتے وقت اشخاص مستحق استفادہ میں رد و بدل کرنے (خواہ وہ ان کی تعداد میں اضافے سے ہو یا بعض کے اخراج سے) اور ان کے حصوں میں کمی و زیادتی کرنے کا اختیار اپنے لئے محفوظ کرلے[5] -

---

[1] عبد الغفور بنام رحمت علی ۱۹۳۰ آل انڈیا اودھ ۲۴۵، ۱۲۲، انڈین کیسز ۳۲۶

[2] محمد احسان بنام عمر دراز ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۶۲۳ -

[3] سید عبد اللہ بنام سید زین ۱۸۸۹ء ۱۳ بمبئی ۵۵۵، ۵۶۰ -

[4] فاطمہ بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی ۱۸۸۲ء ۶ بمبئی ۴۲، ۵۱ ؛ آسو بائی بنام نور بائی ۱۹۰۶ء ۸ بمبئی لا رپورٹ ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۱ ؛ پانھوکٹی بنام اودھعالاکٹی ۱۸۹۰ء ۱۳ مدراس ۶۶، ۷۳، ۷۴ ؛ آشابی بی بنام ادال جاوی ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۹۹۸، ۱۰۰۲، ۳۷ انڈین کیسز ۸۰۰ ؛ عبد الستار بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی ۱۹۳۳ء ۳۵ بمبئی لا رپورٹ ۱۸ -

[5] مانی کھمن بنام مانگ بیان ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۴۹۵، ۸۸ انڈین کیسز ۱۹۷، ۱۹۲۵ آل انڈیا رنگون ۱۰ ؛ عبد الوہاب بنام مسماۃ صغرا ۱۹۳۱ آل انڈیا الہ آباد ۴۴۸، ۱۳۶ انڈین کیسز ۶۱۹ -

البتہ وہ حصول میں ایسی کمی نہیں کرسکتا جس کی بنا پر وہ جائداد کا کوئی جز واپس لے سکے۔ اور نہ اسے یہ اختیار ہے کہ وہ جائز مقصد کی بجائے کوئی ناجائز مقصد قرار دے۔ کیوں کہ اس کا اثر جائداد کے اس جز کا جو ناجائز مقصد کے لئے مخصوص کیا جائے گا واپس لے لینا ہوگا۔

دفعہ ۱۵۴۔ ایسا وقف جو کسی واقعے کے وقوع پر منحصر ہو ناجائز ہے ۔۔۔ وقف کے جواز کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی واقعے کے وقوع پر منحصر نہ کیا گیا ہو۔

ایک مسلمان زوجہ نے اپنی جائداد اپنے شوہر کے نام امانتہً اس غرض سے منتقل کی کہ وہ اس کی آمدنی سے اس کی اور اس کی اولاد کی پرورش کرے، اور جب اس کی اولاد بالغ ہوجائے تو جائداد اس کے حوالے کردے، اور اگر وہ بغیر اولاد کے مرجائے، تو جائداد کی آمدنی بعض مذہبی کاموں میں صرف ہو۔ یہ وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ تملیک کنندہ کے بغیر اولاد مرجانے کے واقعے پر منحصر ہے۔ پانھوکٹی بنام آوانجھا لاکتی سنہ ۱۸۸۱ع ۱۳ مدراس ۶۶؛ قاسم علی بنام کریم بھائی سنہ ۱۹۱۱ع ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۲۵۸، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵؛ بیلی، ۵۶۴۔

شیعوں کا قانون ۔۔۔ شیعوں کا بھی یہی قانون ہے[1]؛ بیلی جلد دوم ۲۱۸۔

دفعہ ۱۵۵۔ واقف کے حین حیاتی استفادہ کا تحفظ ۔۔۔ (۱) حنفی قانون کے لحاظ سے، موقوفہ جائداد کی آمدنی میں سے واقف نہ صرف اپنے نفقے کے لئے

---

[1] سعیدہ بی بی بنام مغل جان سنہ ۱۹۰۲ع ۲۴ الہ آباد ۲۳۱۔ پرایوی کونسل کی اس ضمنی تجویز کے بعد جو بمقدمہ باقر علی خان بنام انجمن آرا بیگم (سنہ ۱۹۰۲ع ۲۵ الہ آباد ۲۳۶) میں صادر ہوئی مقدمہ مقدم الذکر کے اصلی فیصلے کی تائید نہیں کی جاسکتی۔

انتظام کر سکتا ہے، بلکہ اگر وہ چاہے تو اپنی زندگی بھر جائداد کی کل آمدنی لے سکتا ہے۔[1]

(۲) واقف کے دیون کی ادائی ــــ حنفی قانون کے مطابق واقف مجاز ہے کہ جائداد وقف کی آمدنی سے اپنے دیون کے ادا کیئے جانے کا انتظام کرے۔[2]

یہ امر ۱۹۱۳ء کے ایکٹ وقف کے نفاذ سے قبل بھی مسلم تھا، اب اسی کا ایکٹ مذکور کی دفعہ ۳ ضمن (ب) میں اعادہ کر دیا گیا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۶۱ جو آگے آتی ہے۔

(الف) ایک مسلمان حنفی عورت اپنا مکان اپنے شوہر کے نام بطور امانت منتقل کرتی ہے اس غرض سے کہ اس کی آمدنی تاحین حیات اسے دی جاتی رہے، اور اس کے مرنے کے بعد سے کل آمدنی مذکور کسی مذہبی کام میں لگائی جائے۔ یہ وقف جائز ہے اگرچہ اس خیراتی امانت کا نفاذ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ امانت کنندہ کی موت نہ واقع ہو۔[3] ہدایہ، ۲۳۷۔ ایسا وقف شیعوں کے یہاں جائز نہیں، دیکھو "شیعوں کا قانون"، جس کی صراحت آگے کی جائے گی۔

(ب) ایک حنفی مسلمان ایک وقف نامہ کی تکمیل کرتا ہے جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جائداد موقوفہ کی آمدنی اور منافع سے اس کے

---

[1] دودوم جان بی بی بنام عبداللہ ۱۸۳۸ء اقلٹن کی رپورٹ ۳۴۵؛ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۴۲، ۵۱ ـ ۵۲؛ قاسم علی بنام کریم بھائی ۱۹۱۲ء ۲ بمبئی ۲۱۴، ۱۱۲ انڈین کیسز ۲۵؛ محمد زین بنام نور الحسن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۶۸۲، ۴، انڈین کیسز ۱۴۲، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۱۱۳؛ مائی کھن بنام مانگ سین ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۴۹۵، ۸۸ انڈین کیسز ۱۶۷؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا رپورٹر ۷۱۔

[2] لچھمی پت بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ جھنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۲، ۴۸۴، ۶۸ انڈین کیسز ۱۱، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹ [مقدمہ زیر وقف ایکٹ]

[3] دیکھو وہ مقدمات جو دفعہ ہذا کے ضمن اول کے تحت درج ہیں۔

دیون ادا کئے جائیں۔ یہ وقف جائز ہے[1]۔ مگر شیعوں کے قانون میں جائز نہیں؛ دیکھو "شیعوں کا قانون"، جو آگے آتا ہے۔]

وقف بغرض فریب دہی دائنان — جو وقف دائنوں کو محروم رکھنے یا انہیں فریب دینے کے لئے کیا جائے وہ دائنوں کی رائے سے قابلِ انفساخ ہے[2]۔

واقف کی بود و باش کا انتظام — وقف کی جائداد میں واقف کے تاحینِ حیات بود و باش رکھنے کا انتظام بظاہر ناجائز نہیں ہے[3]۔

شیعوں کا قانون — حنفیوں کے قانون کے مطابق، واقف مجاز ہے کہ موقوفہ جائداد کا استفادہ اپنی زندگی تک اپنے لئے محفوظ کر لے۔ شیعوں کے قانون میں، وقف اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ واقف جائداد موقوفہ کی ملکیت اور اس کے ہر قسم کے استفادے سے وقف کرتے ہی، دست بردار نہ ہو جائے[4]۔ اس لئے اس قانون کے مطابق واقف اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ جائداد موقوفہ کی آمدنی یا اس کے کسی جز کو اپنے حینِ حیاتی استفادہ کے لئے محفوظ رکھے: بیلی، جلد دوم، ۲۱۸ - ۲۱۹۔ الہ آباد کی ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے، کہ اگر واقف کل آمدنی اپنے لئے محفوظ کرتا ہے، تو وقف کلیتہً کالعدم ہے؛ لیکن اگر اس کا ایک جز محفوظ کرتا ہے، مثلاً، ایک تہائی، تو جائداد کی ایک تہائی کا وقف کالعدم، اور باقی دو تہائی کا وقف جائز

---

[1] لچھمی پت بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ جنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۴، ۶۷ انڈین کیسز ۷۶۴، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹ [مقدمۂ زیرِ وقف ایکٹ]

[2] بسم اللہ بیگم بنام تحسین علی ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۷۱۰، ۱۲۴ انڈین کیسز ۲۲۱، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۴۶۲۔

[3] دیکھو مقدمۂ محمد شفیع بنام محمد عبدل ۱۹۲۶ء ۴۹ الہ آباد ۳۹۱ صفحہ ۳۹۵، ۹۹ انڈین کیسز ۱۰۵۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۵۔

[4] علی رضا بنام سانول داس ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۴۳، ۴۸ انڈین کیسز ۲۱۲۔

منسوخ ہو گا۔[1] پرایوی کونسل کے ججوں نے حال کے ایک مقدمے میں اس کے خلاف بہت سخت رائے کا اظہار کیا ہے، یعنی، یہ کہ اگر واقف آمدنی کا ایک جز بھی اپنے حین حیات کے لئے محفوظ کرتا ہے تو وقف کلیتہً ناجایز ہو گا۔[2] مگر وقف نامہ میں یہ لکھا جانا ناجایز نہ ہو گا کہ واقف جب تک متولی کی طرح کام کرے گا، وہ اس تنخواہ کا مستحق ہو گا جو دستاویز میں مناسب طریقے سے متولی کے لئے عام طور سے مقرر کی گئی ہے۔[3] شیعوں کے قانون کے مطابق، اگرچہ واقف اپنے لئے کوئی حین حیاتی حقیت نہیں محفوظ کر سکتا، مگر دوسرے شخص مثلاً اپنی بیوی کے لئے ایسا کر سکتا ہے۔[4]

شیعوں کے قانون میں، وہ وقف بھی جائز نہیں، جس میں واقف کے ذاتی دیون کا ادا کیا جانا قرار دیا گیا ہو۔ مگر ایسے دین کے ادا کئے جانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے جس کا بار کفالت جائداد موقوفہ پر ہو، دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے، کہ ایک شیعہ بھی سنیوں کی طرح جائداد مرہونہ بطریق جایز وقف کر سکتا ہے[5]:

بیلی، جلد دوم، ۲۱۸ — ۲۱۹ ۔

---

[1] حاجی کلب بنام محرم بی بی ۱۸۸۲ء ۴ نارتھ ویسٹرن پرونسز ۱۵۵؛ حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۶ ۔

[2] آبادی بیگم بنام کنیز زینب ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۳، ۶ پٹنہ ۲۵۹، ۱۹۹ انڈین کیسز ۶۶۹، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲ ۔

[3] ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۳، ۶ پٹنہ ۲۵۹، ۱۹۹ انڈین کیسز ۶۶۹ ۔ ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲ حسب سابق ۔

[4] محمد احسن بنام عمر دراز ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۶۳۳ ۔

[5] مشرف بیگم بنام سکندر ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ۷۴، ۹۴ — ۱۰۵؛ ۱۱۱ انڈین کیسز ۵۰۳، ۱۹۲۸ء آل انڈیا الہ آباد ۶۱۶ جس میں مقدمہ حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۷، ۲۶۳ کی توضیح کی گئی ہے ۔

دفعہ ۱۵۶۔ جائداد موقوفہ منتقل نہیں ہوسکتی — جو جائداد وقف کی جائے وہ بجز ان صورتوں کے جن کا ذکر دفعات ۱۶۸، ۱۶۹ اور ۱۷۰ میں کیا گیا ہے منتقل نہیں ہوسکتی[1]۔

ہدایہ ۲۳۱، ۲۳۲؛ بیلی، ۵۵۸ ــ ۵۶۰۔

دفعہ ۱۵۷۔ جائداد موقوفہ کی قرقی — متولی کے ذاتی قرضے میں جائداد وقف بہ تعمیل ڈگری قرق اور فروخت نہیں ہوسکتی[2] اور نہ تعمیل میں اس کا کرایہ اور منافعہ ضبط ہوسکتا ہے۔

دفعہ ۱۵۸۔ مقدمہ اس امر کے استقرار کے لئے کہ جائداد موقوفہ ہے — اس امر کے استقرار کے لئے کہ وہ جائداد موقوفہ ہے ہر ایسا مسلمان جسے جائداد وقف سے کوئی تعلق ہو، ایڈوکیٹ جنرل کی منظوری کے بغیر مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔ ضابطۂ دیوانی کی دفعہ ۹۲ سنہ ۱۹۰۸ء کے احکام ایسے مقدمے سے متعلق نہیں ہوتے دفعہ مذکور انھی مقدمات سے متعلق ہے جن میں وہ داد رسی چاہی جاتی ہے جس کا ذکر اس دفعہ میں ہوا ہے[3]۔

تملیک خاندانی بطریق وقف

وقف ایکٹ کی تاریخ — آیندہ مضمون کو سمجھنے کے لئے، وقف

---

[1] عبدالرحیم بنام نرائن داس سنہ ۱۹۲۳ء: ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۷۱ انڈین کیسز ۶۴۶، سنہ ۲۳ء آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[2] بشن چند بنام نادر حسین سنہ ۱۸۸۷ء ۱۵ کلکتہ ۳۲۹، ۱۵ انڈین اپیلز ۱؛ مٹو رامانارن بنام داد وائی سنہ ۱۹۱۷ء ۴۴ انڈین اپیلز ۲۰، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۳۹ انڈین کیسز ۲۳۵؛ شاہ محمد بنام محمد سنہ ۱۹۲۷ء ۲ لکھنو ۱۰۹؛ ۱۰۰ انڈین کیسز ۸۴۲، سنہ ۲۷ء آل انڈیا اودھ ۱۱۳؛ محمد اسمعیل بنام محمد سنہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۵۰۸، ۶۲ انڈین کیسز ۴۰، سنہ ۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۴۲۲۔

[3] عبدالرحیم بنام محمد برکت علی سنہ ۱۹۲۸ء ۵۵ انڈین اپیلز ۹۶، ۵۵ کلکتہ ۵۱۹، ۱۰۸ انڈین کیسز ۳۶۱، سنہ ۲۸ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۶۔

دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، یعنی (۱) عام اور (۲) خاص یا خانگی۔ عام وقف وہ ہے جو عام مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لئے کیا جائے۔ خاص یا خانگی وقف وہ ہے جو واقف کے خاندان اور اس کی اولاد کے لئے کیا جائے، یہ "وقف علی الاولاد" کہلاتا ہے۔ ایک زمانے میں یہ خیال کیا گیا تھا کہ جائز وقف کے قائم ہونے کے لئے جائداد کا کلیتہً عبادت الٰہی یا کسی مذہبی یا خیراتی مقصد کے لئے مخصوص کیا جانا ضرور ہے۔[1] دوسرے الفاظ میں خاص یا خانگی وقف کسی صورت میں جائز نہیں۔ لیکن یہ انتہائی نظریہ قائم نہیں رہا،[2] اور اب خاص یا خانگی وقف مخصوص شرائط کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۱۳ء کے وقف ایکٹ کے اجرا کے قبل قانون کی یہ شرطیں بہت سخت تھیں۔ وقف ایکٹ نے انھیں بہت کچھ نرم کر دیا ہے۔ خاص یا خانگی وقف سے ذیل کے دو عنوانوں میں بحث کرنا زیادہ آسان ہوگا:۔

الف۔ وہ دوامی وقف جو کلیتہً واقف کے خاندان، بال بچوں اور اولاد کے لئے ہو۔ وقف ایکٹ کے اجرا کے قبل ایسا وقف ناجائز تھا۔ اور اس ایکٹ کی رو سے بھی ناجائز ہے؛۔ دیکھو وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ کی شرط، جس کا آگے آنے والی دفعہ ۱۶۱ میں اعادہ کیا گیا ہے۔

ب۔ وہ وقف جو واقف کے خاندان، بال بچوں اور اس کی اولاد کے استفادے اور نیز خیرات یعنی دونوں مقاصد کے لئے ہو۔

---

[1] عبدالغنی بنام حسین میاں ۱۸۷۳ء ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ ۷؛ محمد حمید اللہ بنام لطف حق ۱۸۸۱ء ۶ کلکتہ ۷۴۴۔

[2] پھمی پت بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ محمد احسان اللہ بنام امر چند کنڈی ۱۸۹۰ء ۱۷ کلکتہ ۴۹۸، ۵۰۰، ۱۷ انڈین اپیلز ۲۸۔

پرایوی کونسل کے ان فیصلوں کے مطابق جو وقف ایکٹ کے اجرا کے قبل صادر ہوئے تھے، ایسے اوقاف جائز تھے اگرچہ جائداد کا ایک معقول حصہ کسی کسی وقت خیراتی کاموں میں لگائے جانے کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا[1] لیکن اگر وقف کا اصلی مقصد خاندان کی پرورش اور پرداخت ہوتا تھا، اور جو کچھ خیرات کے لئے دیا جاتا تھا وہ قلت مقدار یا غیر متیقن یا بعید ہونے کی وجہ سے محض نمائشی ہوتا تھا، تو جو وقف اولاد کے فائدے کے لئے کیا جاتا تھا وہ ناجائز اور ناقابل نفاذ قرار پاتا تھا۔ اس مضمون پر اہم مقدمہ ابو الفتح محمد بنام راسامیا ہے[2] جس کا فیصلہ ۱۸۹۴ء میں ہوا تھا [دیکھو تمثیل (د) زیر دفعہ ۱۵۹ آئندہ]۔ وقف ایکٹ کی رو سے، جو وقف خاندان کے فائدے کے لئے کیا جائے وہ جائز ہے، اگرچہ وہ جز جو خیرات کے لئے وقف کیا گیا ہے نمائشی ہی کیوں نہ ہو۔ ایکٹ مذکور کی رو سے جو امر ضروری ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ وقف بالآخر خیرات کے کام میں آنا چاہیئے۔ دیکھو وقف ایکٹ کی دفعہ ۴ جس کا اعادہ آئندہ دفعہ ۱۶۱ میں کیا گیا ہے۔

ابو الفتح محمد کے مقدمۂ مذکورۂ بالا میں، جائداد موقوفہ کی آمدنی ولاً واقف کی اولاد کے لئے نسلاً بعد نسلٍ وقف کی گئی تھی، اور جو وقف انتہی خیرات کے لئے کیا گیا تھا اس کا نفاذ واقف کی کل سلسلۂ نسل کے ختم ہو جانے کے بعد رکھا گیا تھا۔ پرایوی کونسل کے ججوں نے یہ رائے قائم کی کہ جو وقف خیرات کے لئے کیا گیا ہے وہ محض نمائشی ہے، واقف کا اصلی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لئے ایک دوامی تملیک قائم کر دے بنا بریں جو انتظام واقف کے خاندان کے لئے کیا گیا ہے وہ ناجائز ہے اثنائے تجویز میں ججان موصوف نے لکھا کہ (صفحہ ۲۳۱):—

"ان احکام کے متعلق، جو شرع اسلام کے اصل اصول ہیں (دیکھو

---

[1] محمد احسان اللہ بنام امرچند کنڈو ۱۸۸۹ء ۱۷ کلکتہ ۴۹۸، ۵۰۹، ۱۷ انڈین اپیلز ۲۸۔

[2] ۱۸۹۴ء ۲۲ کلکتہ ۶۱۹؛ ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶۔

دفعہ ۲۴۴)۔ جبکہ پرایوی کونسل اس امر سے ناواقف نہیں ہیں کہ مسلمانوں میں قانون اور مذہب کس طرح ملا جلا ہوا ہے، انھوں نے اثنائے بحث میں یہ سوال کیا، کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اسلام کے عام قانون یا کم از کم اس اسلامی قانون کی رو سے جو ہندوستان میں رائج ہے، ایک خاص شخص کا ایسی بعید اولاد کی نسلوں کے حق میں جو ہنوز وجود میں نہ آئی ہوں خاص (سادہ) ہبہ، اور توریث یعنی ناقابل انتقال حین حیاتی حقیت ناجائز قرار پائے، اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہی انتقالات جو لفظ ہبہ کے استعمال سے ناجائز ہیں، واقف کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ وہ خدا یا محتاجوں کے لئے وقف کئے گئے ہیں جائز ہو جائیں۔ ان سوالات کا نہ کوئی جواب دیا گیا اور نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی اور نہ ججوں کی رائے میں ان کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔"

پرایوی کونسل نے جو فیصلہ ابو الفتح محمد کے مقدمے میں کیا اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت تشویش پیدا ہو گئی۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ خالص اسلامی قانون کی رو سے جو وقف واقف کے محض خاندان اور اولاد کے لئے کیا جائے وہ جائز ہے۔ ایسے انتقال کا ان انتقالوں میں شمار ہو سکتا ہے جو ایسے لوگوں کے حق میں کیا جائے جو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں، کیونکہ اس سے غیر پیدا شدہ لوگوں کا یکے بعد دیگرے حین حیاتی حق پیدا ہو جاتا ہے؛ اور اس پر نہایت خراب اور مضر دوامی تملیک کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے، گر وہ تشریع اسلام میں تسلیم کر دیا گیا ہے۔ اس لئے جب پرایوی کونسل نے اسے ناجائز قرار دیا، تو اس پر حکومت ہند کو توجہ دلائی گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۹۱۳ میں ایک ایکٹ جواز وقف کے متعلق جاری کیا گیا، تاکہ اس ناقابلیت کا ازالہ ہو جائے جو فیصلۂ مذکور سے پیدا ہو گئی تھی۔ اس ایکٹ کے متعلق قرار پایا تھا کہ وہ ان اوقاف سے متعلق نہ ہوگا جو اس ایکٹ کے اجرا کے قبل قائم ہو چکے تھے، مگر بعدہ سنہ ۱۹۳۰

میں ایک دوسرا ایکٹ جاری ہوا جس کی بنا پر ۱۹۱۳ء کا ایکٹ پینشنر کے
اوقاف سے بھی متعلق کر دیا گیا۔ اب ایکٹ بابت ۱۹۱۳ء ان اوقاف
سے بھی متعلق ہے جو اس ایکٹ کے قبل کے ہیں؛ دیکھو دفعہ ۱۶۲ جو
آگے آتی ہے۔ اب ہم ان احکام کو بیان کریں گے جو ایکٹ مذکور کے
اجرا کے قبل اور اس کے بعد کے ہیں۔

دفعہ ۱۵۹۔ "جواز وقف اسلامی کے ایکٹ ۱۹۱۳ء" سے قبل کا قانون شخصی
اوقاف کے متعلق — اس قانون کی رو سے جو وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء کے اجرا سے قبل نافذ
تھا، وہ وقف جائز قرار دیا جاتا تھا جس کے وقف نامہ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جائداد دراصل خیراتی
مقاصد کے لئے ہے۔ برخلاف اس کے اگر اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جائداد دراصل واقف کے
خاندان کے لئے دی گئی تو وہ وقف ناجائز قرار پاتا تھا۔[1]

شیعوں کا قانون — شیعوں کے اوقاف کے متعلق بھی یہی عمل
تھا۔[2]

(الف) ایک مسلمان نے ایک جائداد ایک متولی زید نامی کی طرف اس ہدایت
کے ساتھ منتقل کی کہ جائداد مذکورہ کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات، فقرا
کی خیرات، اور محتاج طلبہ کے تعلیمی مصارف ادا کئے جائیں، اور جو کچھ بچ
رہے وہ زید کے خاندان کے ارکان کے نکاحوں، تجہیز و تکفین اور ختنوں
میں صرف ہو۔ اس میں خیرات کا حصہ بڑھا ہوا ہے اور اس لئے یہ وقف
جائز ہے: مظہر الحق بنام بہراج ۱۸۹۲ء ۱۳ ویکلی رپورٹ ۲۳۵ ہندو کی
پرشاد بنام عنایت اللہ ۱۸۹۲ء ۱۴ الہ آباد ۲۷۵۔

(ب) زید ایک دستاویز بطور وقف نامہ جائداد اپنی بیوی اور بیٹی کی اولاد
کے حق میں لکھتا ہے۔ دستاویز میں کوئی مضمون اس کے متعلق نہیں ہے

---

[1] منورا مانادن بنام وادالوائی ۱۹۱۶ء ۴۴ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۶ — ۲۷، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۳۹ انڈین
کیسز ۲۳۵، ۱۹۱۶ء آل انڈیا پریوی کونسل ۸۶۔

[2] حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۷۔

کہ خاندان کے ختم ہو جانے کے بعد جائداد کس کام میں لگائی جائے گی۔ جو
وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء کے اجرا کے قبل نافذ تھا اس کی رو سے یہ وقف
جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی حصہ خیرات کے لئے نہیں رکھا گیا ہے،
نظام الدین بنام عبد الغفور ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۲۶۴، اس فیصلے کو مرافعے
میں پریوی کونسل نے بمقدمۂ عبد الغفور بنام نظام الدین بحال رکھا ۱۸۹۲ء
۱۷ بمبئی ۱، ۱۹ انڈین اپیلز ۱۷۰، عبد الغنی بنام حسین میاں ۱۸۷۳ء ۱۰
بمبئی ہائیکورٹ ۔ وقف ایکٹ کی رو سے بھی یہ وقف جائز نہیں ہے
کیونکہ اس میں بالآخر خیرات کے لئے کچھ نہیں دیا گیا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۶۰
نوٹ (۳)۔

(ج) ایک مسلمان ایک دستاویز بنام نہاد وقف نامہ لکھتا ہے جس
کی ابتدا میں وہ اپنی تمام جائداد ایک مسجد، دو مدرسوں اور صادر اور وارد
کے انتظام و اہتمام کے لئے وقف کرنا ظاہر کرتا ہے۔ یہ وقف
ان الفاظ سے مشروط کر دیا گیا ہے کہ اس کا عمل "اس طریقے پر ہوگا
جو فقرات ذیل میں بتایا گیا ہے" اور ان فقرات میں واقف کے
بیٹوں اور اولاد کو بطور متولی مقرر کرنے اور ان کی تنخواہوں اور
اس کے خاندان اور اس کی اولاد کے نسلاً بعد نسل نفقے اور پرورش
کے انتظام بتائے گئے ہیں۔ دستاویز میں مذہبی اور خیراتی کاموں
کے لئے صرف اسی قدر لکھا گیا ہے کہ وہ کام متولی حسب معمول انجام
دیتے رہیں گے۔ ان کا خرچ بمقابلہ آمدنی کے بہت خفیف ہے۔ اس
دستاویز کا بہمہ وجوہ اثر یہ ہے، کہ جس جائداد کا وقف کیا جانا ظاہر
کیا جاتا ہے اگرچہ اس کی سالانہ آمدنی تقریباً بارہ ہزار روپے ہے،
مگر یہ امر خاندان کے ارکان کے اختیار میں ہے جو بحیثیت متولی جائداد
کے مہتمم اور منتظم ہیں، کہ وہ ایک خفیف رقم مذہبی کاموں پر صرف کریں،
اور ہمیشہ کے لئے اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کے واسطے جس
قدر چاہیں بطور تنخواہ متولی لیتے رہیں۔ وقف ایکٹ کے قبل کے

قانون کے مطابق یہ وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف کا اصلی مقصد واقف کے خاندان کی پرورش و پرداخت ہے، اور جو کچھ خیرات میں دیا گیا ہے وہ محض نمایشی ہے؛ محمد احسان اللہ بنام امرچند کنڈو ۱۸۸۹ء ۱۷ کلکتہ ۴۹۸، ۱۷ انڈین اپیلز ۲۸؛ حبیب النسا بنام عبید ابراہیم ۱۹۰۱ء ۲۳ الہ آباد ۲۳۳، ۲۸ انڈین اپیلز ۱۵ [جس میں خیرات کی مقدار کلیۃً متولی کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھی]؛ محمد منور بنام رضیہ بی بی ۱۹۰۵ء ۲۷ الہ آباد ۳۲۰، ۳۲ انڈین اپیلز ۸۶؛ فضل الرحیم بنام محمد عبیدل ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۶۶؛ بالا مل بنام عطاء اللہ خان ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۷۲، ۹ لاہور ۲۰۳، ۱۰۴ انڈین کیسز ۵۱۸، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۹۱ [جائداد کی سالانہ آمدنی ال صابہ تھی ۔۔ مالیہ روپے سالانہ خیرات کے لئے مخصوص کئے گئے تھے اور باقی آمدنی واقف کے خاندان کے لئے تھی ۔۔ یہ وقف ناجائز قرار پایا]؛ رقیہ بانو بنام نذیرہ بانو ۱۹۲۸ء ۵۵ کلکتہ ۴۴۸، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۴۴، ۱۹۲۸ء کلکتہ ۱۳۰ [سالانہ آمدنی ۔۔ ہزار ۔۔ بمد خیرات المہ باقی واقف کے لئے تھی ۔۔ وقف ناجائز قرار پایا]۔ [اب صورتیں وقف ایکٹ کی رو سے جائز متصوّر ہوں گی۔]

نوٹ ۔۔ محمد احسان اللہ کے مقدمے میں پریوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "اگر فی الحقیقت یہ ظاہر کیا جائے کہ معمولی مصارف اس قدر زیادہ ہیں کہ تمام آمدنی یا اس کا بڑا حصہ انہی میں صرف ہو جاتا ہے، تو واقف کی نیت کے دریافت کرنے میں اس کا ضرور وزن ہوتا ہے"۔ اس لئے اگر کسی مسلمان نے فاتحہ اور قدم شریف کے مراسم کے لئے ایسی جائداد وقف کی جس کی اوسط سالانہ آمدنی ا/ صہ تھی، اور یہ معلوم ہوا کہ حسب دستور ملک ایسے مراسم کے لئے صماہ سالانہ کافی سمجھے جاتے ہیں، تو الہ آباد ہائیکورٹ نے

یہ قرار دیا کہ جو رقم خیرات کے لئے دی گئی ہے وہ معقول ہے، اور اس بنا پر وقف جائز ہے: بحوالہ سید نیاز م اکبر یار خان ۱۸۹۹ء ۱۱۹ الہ آباد ۲۱۱ -

(ط) دو مسلمان بھائیوں نے ایک وقف نامہ کے ذریعہ سے اپنی غیر منقولہ جائداد اپنے بچوں اور اولاد کے حق میں نسلاً بعد نسلٍ وقف کی، اور نسل کے بالکل ختم ہوجانے کے بعد اس کا استفادہ بیواؤں، یتیموں فقیروں اور محتاجوں کے واسطے مخصوص کیا، تو ایکٹ وقف کے قبل کے قانون کے مطابق یہ وقف کالعدم تھا، کیونکہ جو استفادہ محتاجوں کو دیا گیا ہے وہ بعید ہے، اور واقف کے کل سلسلۂ نسل کے ختم ہوجانے تک اثر پذیر نہیں ہوسکتا: ابوالفتح محمد بسام راسا مایا ۱۸۹۴ء ۲۲ کلکتہ ۶۱۹، ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶ - [ایسا وقف، وقف ایکٹ کے لحاظ سے درست ہے: دیکھو دفعہ ۴ ایکٹ مذکور جس کا اعادہ دفعہ ۱۶۱ میں کیا گیا ہے جو آگے آتی ہے -]

اس مقدمے میں پریوی کونسل کے ججوں نے لکھا: کہ "اگر ایک شخص ایک کروڑ روپے وقف کرتا ہے اور اس میں سے دس روپے محتاجوں کو دیتا ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ وہ محض نمایشی ہے - محتاجوں کو اس شرط کے ساتھ دینا بھی کہ انھیں اس وقت روپے ملے کہ واقف کی نسل میں کوئی نہ رہ جائے محض نمایشی متصور ہوگا: ممکن ہے کہ یہ صورت ایک سو برس تک نہ پیش آئے؛ ممکن ہے کہ یہ صورت اس وقت پیش آئے جب کہ مقدمہ بازی یا افعال بیجا، یا شومیٔ قسمت کے تباہ کن اثرات سے جائداد ہی نہ باقی رہے؛ اس وقت تک تو اس کا نہ پیش آنا یقینی ہے جب تک کہ روئے زمین پر ان میں سے کوئی متنفس باقی رہے گا جس کی پرورش و پرداخت واقف کے پیش نظر تھی - ججان پریوی کونسل کو اس سے اتفاق ہے کہ اس تملیک میں محتاج صرف اس لئے داخل کئے گئے ہیں کہ اس تملیک پر

مذہبی رنگ چڑھ جائے، اور وہ انتظام جو خاندان کی پرورش اور پرداخت کے لیئے کیا گیا ہے جائز ہو جائے۔"

(ط) دو بھائیوں نے ایک دستاویز کی تکمیل کی جس کے ذریعے سے اراضی قیمتی بیس ہزار وقف کی، اراضی کی آمدنی کا ایک غیر معین حصہ بزرگوں کی فاتحہ اور خیرات کے لیئے تھا، اور باقی آمدنی دوامی طور سے، بغیر حق انتقال، بیٹوں اور ان کی اولاد کو دی گئی تھی۔ فاتحہ اور خیرات کی رقم کا اندازہ عدالت نے سماء سالانہ کیا۔ جائداد کی کل آمدنی الـعـلـہ ہزار قرار پائی تھی جس میں سے بعد مصارف مذکور ثلث کی بچت واقف کے خاندان کے لئے رہ جاتی تھی۔ پرایوی کونسل کے ججوں نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ آمدنی کا ۲/۵ حصہ خیرات کے لیئے اور ۳/۵ حصہ خاندان کے واسطے ہے، مگر دستاویز سے جائداد کا درحقیقت خیراتی مقاصد کے لیئے دیا جانا ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے دستاویز جائز ہے۔ ججان موصوف نے یہ بھی لکھا کہ "ان رقموں میں تبدیلی کا امکان ہے۔ وہ معین اور ناقابل تبدیل نہیں ہیں۔ آمدنی میں مستقل طور سے تبدیلی یا کمی ہو سکتی ہے، اور اسی طرح خیراتی ضرورتوں میں اضافہ کا امکان ہے۔ واقفین کا بظاہر اہم مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ امانتی سرمایہ یعنی اراضی کی آمدنی کی حد تک تمام خیراتی ضرورتوں کا انتظام کیا جائے۔ یہ ضرورتیں آمدنی پر مقدم بار ہیں۔ خاندان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ باقی ماندہ رقم ہے، جس میں ممکن ہے کہ مسلسل کمی ہوتی جائے۔ یہ عذر کہ اس وقت آمدنی کا جو جز خاندان کو دیا گیا ہے وہ خیرات کے جز سے بڑھا ہوا ہے، اور دستاویز کا اہم مقصد جائداد خاندان کو دینا ہے، اور اس لیئے دستاویز مذکور بحیثیت وقف نامہ کے ناجائز ہے، ججان پرایوی کونسل اس عذر کو صحیح نہیں سمجھتے۔"

متورا ماتا دن بنام داعد الوائی ۱۹۱۶ء ۴۴ انڈین اپیلز ۲۰۱ ۴۴ مدراس

۱۱۶، ۳۹ انڈین کیسز ۲۳۵ -]

خاندانی تملیک ناجائز وقف کی بنا پر ـــــ زید ایک وقف نامہ لکھتا ہے۔ زید کے مرجانے کے بعد اس کے بعض وارث متولی اور دوسرے وارثوں کے مقابلے میں بغرض تنسیخ وقف دعویٰ دائر کرتے ہیں، اس بنا پر کہ جو کچھ خیرات کے لئے دیا گیا ہے وہ محض نمائشی ہے۔ بعد مقدمے میں اس قرار داد پر صلح ہوجاتی ہے کہ خاندان کے تمام ارکان وقف کو صحیح تسلیم کرلیں، اور جائداد موقوفہ کی آمدنی سے خاندان کے وہ ارکان جن کے ناموں کی صراحت قرارداد میں کی گئی ہے اپنا اپنا الونس پاتے رہیں، اور ان میں سے جو شخص فوت ہوجائے اس کا الونس اس کے وارثوں کو ملے۔ چونکہ قرارداد بالبدل ہے، اس لئے اس سے جائداد پر قابلِ نفاذ بار عاید ہوجاتا ہے، اگرچہ خود وقف ناجائز ہے[1]

دفعہ ۱۶۰۔ شخصی (خانگی) اوقاف کا قانون زیر "ایکٹ جواز وقف اہل اسلام بابت ۱۹۱۳ء" ـــــ (۱) اب ایکٹ جواز وقف اہل اسلام کی رو سے ہر ایسے شخص کے لئے جو مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے جائز ہے کہ وہ ایسا وقف کرے جو ہر طرح سے شرع اسلام کے احکام کے مطابق ہو، جو منجملہ دیگر مقاصد کے مفصلۂ ذیل مقاصد کے لئے بھی ہوسکتا ہے:۔

(الف) جزاً یا کلاً اپنے خاندان، اولاد، یا نسل کے نفقے اور پرورش کے لئے،

اور (ب) بحالت حنفی مسلمان ہونے کے، اپنی زندگی تک اپنے نفقے اور پرورش کے لئے اور جائداد موقوفہ کے کرائے یا منافع سے اپنے دیون کی ادائی کے واسطے [دیکھو دفعہ ۱۵۵ گزشتہ]۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں صراحتہً یا معناً جائداد موقوفہ کا بالآخر متمتع محتاجوں یا کسی ایسے مقصد کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہو جو شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی تسلیم کیا جاتا ہو۔

---

[1] خواجہ سلیمان بنام نواب سر سلیم اللہ سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۵۳، ۴۹ کلکتہ ۸۲۰، ۶۹ انڈین کیسز ۱۳۰، سنہ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۰۷۔

وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ یہی ہے۔

(۲) کوئی وقف محض اس وجہ سے ناجائز نہ متصور ہوگا کہ اس کا بالآخر تمتع جو محتاجوں یا دوسرے مستقل مذہبی، نیک، یا خیراتی کاموں کے لئے محفوظ کیا گیا ہے وہ اس وقت تک کے لئے ملتوی ہے جب تک کہ واقف کا خاندان، اولاد یا نسل کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

یہ وقف ایکٹ کی دفعہ ۴ ہے۔

نوٹ (۱) — "خاندان" کی پرورش کے لئے وقف کیا جا سکتا ہے [وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ (الف)]۔ "خاندان" کی اصطلاح میں بہو داخل ہے[1]۔ اصطلاح مذکور صرف انھی اشخاص تک محدود نہیں ہے جن کی پرورش واقف کے ذمے ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے یہ قرار پایا ہے کہ علاتی یا اخیافی بھائی کا بیٹا، چچا کا بیٹا یا پوتا، اور علاتی یا اخیافی بہن کا بیٹا، اگرچہ ان کی پرورش واقف کے ذمے نہ ہو اور واقف سے علیحدہ رہتے ہوں "خاندان" میں داخل ہیں[2]۔ واقف کے بھتیجوں اور ان کی اولاد کی نسلاً بعد نسل پرورش کے لئے انتظام کرنا بھی جائز قرار پایا ہے[3]۔

نوٹ (۲) — آخری تمتع کسی مذہبی، نیک یا خیراتی مقصد کے لئے ہونا چاہئے[4] [وقف ایکٹ دفعہ ۳ کی شرط]۔ یہ ضرور نہیں ہے، کہ خاندانی عطا کے ساتھ ہی خیرات کے لئے بھی عطا کی جائے،

---

[1] مشرف بیگم بنام سکندر ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ۴۰، ۱۱۱ انڈین کیسز ۵۸۳، ۱۹۲۸ء آل انڈیا الہ آباد ۵۱۶۔
[2] امداد علی بنام عاشق علی ۱۹۲۹ء ۴ لکھنو ۱۰۱، ۱۱۳ انڈین کیسز ۴۹۴، ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۲۵۔
[3] غضنفر بنام احمدی بی بی ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۳۶۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۶۹، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۹۔
[4] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۵۴۴، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۸۱؛ ابوالحسن بنام راج بیر ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۱۲۴، ۱۳۱ انڈین کیسز ۴۳۳۔

جیساکہ وقف ایکٹ کے قبل قانون میں تھا۔ ایکٹ مذکور کی رو سے ایک مسلمان مجاز ہے، کہ وہ خیرات میں اس وقت تک کے لئے کچھ نہ مقرر کرے جب تک کہ اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے۔ یہ اس رائے کے مطابق ہے جو مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل[۱] میں جسٹس ویسٹ نے، اور مقدمہ امرت لال بنام شیخ حسن[۲] میں جسٹس فیرن نے، اور مقدمہ برکانی میاں بنام سکھ لال[۳] میں جسٹس امیر علی نے شرع اسلام کے متعلق قائم کی تھی۔ ان میں سے پہلے مقدمے میں جسٹس ویسٹ نے لکھا تھا: "اگر آخری تمتع کو کسی دوامی مذہبی کام میں لائے جانے کی شرط پوری کر دی گئی ہے تو واقف کا جائداد کو اپنی اولاد کی اولاد پر درمیانی مدت کے لئے وقف کرنا وقف کو ناجائز نہیں ٹھیراتا۔ ایسے تمتع پر جو (واقف کی اولاد کو) یکے بعد دیگرے پہنچتا ہے انگلستان کے قانون کے مطابق "پرادمت" کا اطلاق ہوتا ہے، مگر شرع اسلام میں، اس کی وجہ سے وقف باطل نہیں ہو جاتا، بشرطیکہ آخری خیراتی مقصد کا صریح طور سے اظہار رہا ہو"۔ جسٹس ویسٹ فیرن اور امیر علی کی اس رائے کو پریوی کونسل نے مقدمہ ابوالفتح محمد[۴] بنام رسامایا میں ناپسند کیا، دیکھو تمثیل (د) زیر دفعہ ۱۵۹

نوٹ (۳) — جو آخری عطا خیرات کے لئے کی جائے وہ معنوی ہو سکتی ہے، اس کا صریح ہونا ضرور نہیں ہے [وقف ایکٹ دفعہ ۳ کی شرط]۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معنوی کے کیا معنی ہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے کے مطابق، وقف کی تکمیل کے لئے یہ ضرور ہے کہ محتاجوں کے آخری تمتع کا بصراحت اظہار کیا جائے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک ایسے تمتع کا اظہار معنوی طور سے

---

۱ سنہ ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۴۲، ۵۳۔

۲ سنہ ۱۸۸۷ء ۱۱ بمبئی ۴۹۳ —

۳ سنہ ۱۸۹۳ء ۲۰ کلکتہ ۱۱۶، ۱۳۲ —— ۱۷۷۔

۴ سنہ ۱۸۹۴ء ۲۲ کلکتہ ۶۱۹، ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶۔

صرف لفظ وقف کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے۔ پس امام ابویوسف
کی رائے کے مطابق، اگر کوئی شخص صرف اس قدر کہے، کہ میں یہ اراضی
زید پر وقف کرتا ہوں، تو وقف کی تکمیل ہو جاتی ہے، اور زید اپنی
زندگی بھر اس سے تمتع حاصل کر سکتا ہے، اور اس کے مرنے کے
بعد اراضی کی آمدنی محتاجوں کی طرف منتقل ہو جائے گی، اگرچہ محتاجوں
کا بصراحت ذکر نہ کیا گیا ہو[1]۔ فتاوی عالمگیری میں امام ابویوسف کی رائے
کو ترجیح دی گئی ہے[2]۔ دفعہ ۱۵۹ کی تمثیل (ب) کے پہلے مقدمے میں
بمبئی کی ہائیکورٹ نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے کو امام ابویوسف
کی رائے پر ترجیح دے کر یہ تجویز کی کہ بالآخر خیرات کے لئے کسی انتظام
کے نہ موجود ہونے کی وجہ سے دستاویز زیر بحث صحیح وقف نامہ نہیں
قرار دی جا سکتی[3]۔ اس تجویز کو مرافعے میں پریوی کونسل نے بحال رکھا۔
وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ میں جو الفاظ "معنوی طور سے" استعمال ہوئے ہیں
کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ امام ابویوسف کی رائے کے مطابق محض لفظ وقف
کے استعمال سے اس کا بالآخر خیرات کے کام میں لایا جانا معنوی طور سے سمجھ لیا جائے
اگرچہ اس کی صراحت نہ کی گئی ہو؟ الہ آباد[4]، کلکتہ[5]، اور اودھ[6] کی عدالتوں نے
یہ قرار دیا کہ اس کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا؛ اور پریوی کونسل کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے[7]

---

[1] ہدایہ، صفحہ ۲۳۴۔

[2] بیلی کا خلاصہ، صفحہ ۵۵۸۔

[3] عبدالغفور بنام نظام الدین ۱۸۹۲ء، ۱۷ بمبئی ۱، ۱۹ انڈین اپیلز ۱۷۰۔

[4] عرفان علی بنام اپیشل رسیور ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۵۴، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۴۳۷۔

[5] مسعود خاتون بنام محمد ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۴۰۲، ۴۱۲-۴۱۴، ۱۳۳ انڈین کیسز ۶۵۷، ۱۹۳۲ء آل انڈیا کلکتہ ۹۳۔

[6] شیخ رمضان بنام مساۃ رحمانی ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۷۵، ۱۳۵ انڈین کیسز ۲۷۲۔

[7] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۸۴ [دیکھو وکلا کی بحث]، ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۵۴، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۸۱۔

شیعوں کا وقف — وقف کا ایکٹ شیعوں سے بھی متعلق ہے

بہ استثنائے دفعہ ۳ ضمن (ب) کے۔

دفعہ ۱۶۱۔ مسلمانوں کے جواز وقف کا ایکٹ بابت سنہ ۱۹۱۳ء۔ وقف ایکٹ نمبر ۶ بابت سنہ ۱۹۱۳ء کی جو ۷ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء سے نافذ ہوا عبارت یہ ہے:۔

ایکٹ بغرض اعلان ان حقوق کے جو مسلمانوں کو اپنے خاندانوں، اولاد اور نسلوں کے حق میں بطور وقف جائداد کی تملیک کرنے کے حاصل ہیں۔

"چونکہ ایسے اوقاف کے جواز کے متعلق جو مسلمانوں نے اپنی ذات پر اور نیز اپنے اہل خاندان، اور اولاد اور بالآخر غربا اور مساکین کے فائدہ یا دیگر مذہبی یا خیراتی اغراض کے واسطے کیا تھا شکوک ظاہر کئے گئے ہیں؛ اور قرین مصلحت یہ ہے کہ یہ شکوک رفع کئے جائیں؛ لہٰذا احکام ذیل صادر ہوتے ہیں:۔

نام اور دائرۂ نفاذ

دفعہ ۱۔ (۱) اس ایکٹ کا نام ایکٹ جواز وقف علی الاولاد سنہ ۱۹۱۳ء ہے۔

(۲) اس کا نفاذ کل برٹش انڈیا میں ہوگا۔

تعریفات

دفعہ ۲۔ تاوقتیکہ مضمون یا سیاق عبارت سے اس کے خلاف نہ پایا جائے اس ایکٹ میں (۱) "وقف" سے یہ مطلب ہے کہ کوئی مسلمان اپنی کوئی جائداد دوام کے لیے کسی ایسی غرض سے منتقل کرے جو شرع کے مطابق مذہبی یا خیراتی کہی جا سکے[1]۔

(۲) "حنفی" سے فقہ حنفی کا پیرو مراد ہے۔

[1] دیکھو دفعہ ۱۴۶ (۵)۔

وقف کا اختیار

دفعہ ۳ ۔ ہر مسلمان مجاز ہے کہ اپنی جائداد من جملہ دیگر اغراض کے اغراض ذیل سے وقف کرے، بشرطیکہ وہ وقف دیگر وجوہ سے کلیۃً احکامِ شرع کے مطابق ہو۔[1]

(الف) اس کل جائداد سے یا اس کے ایک جز سے اپنے اہلِ خاندان[2] اور اولاد کی پرورش اور امداد کرنا۔ اور

(ب) اگر واقف حنفی مذہب ہو تو حین حیات کے واسطے خود اپنی پرورش اور امداد بھی کرنا یا جائداد موقوفہ کے منافع سے اپنا قرض ادا کرنا[3]

مگر ایسی صورتوں میں جائداد موقوفہ سے متمتع ہونے والے معنوی یا صریحی طور سے[4] آخر میں[5] غربا اور مساکین ہوں گے، یا جائداد مذکور کسی ایسی غرض پر صرف ہوگی جو شرع کے بموجب ایک مستقل مذہبی یا خیراتی غرض کہی جا سکے۔

جواز وقف باوجود اس کے کہ مساکین اس سے سب سے آخر میں فائدہ اٹھائیں۔

دفعہ ۴ ۔ وقف مذکور محض اس وجہ سے ناجائز نہیں سمجھا جائے گا کہ وقف سے مساکین اس وقت تک متمتع نہیں ہو سکتے،

---

۱ ۔ دیکھو دفعات ۱۴۹ تا ۱۵۴ ۔

۲ خاندان کے معنی کے لئے دیکھو نوٹ (۱) متعلق دفعہ ۱۶۰ گزشتہ

۳ یہ جدید نہیں ہے ۔ یہ اس قاعدے کے مطابق ہے جو ایکٹ کے پہلے سے قرار پا چکا تھا، دیکھو دفعہ ۱۵۵ اور اس کے نوٹ ۔

۴ دیکھو نوٹ (۲) متعلق دفعہ ۱۶۰ ۔ وقف ایکٹ کا جو اردو ترجمہ برٹش انڈیا میں شائع ہوا ہے، وہ بجنسہ یہاں نقل کر دیا گیا ہے، ترجمے کے دوسرے نقائص کے علاوہ اس میں "معنوی یا صریحی طور سے" کے الفاظ بھی موجود نہ تھے ۔ ان کا اضافہ انگریزی ایکٹ کے لحاظ سے کر دیا گیا ہے ۔ (مترجم)

۵ دیکھو نوٹ (۳) متعلق بدفعہ ۱۶۰ ۔

یا غرض مذہبی کے واسطے اس وقت تک وہ صرف نہیں ہو سکتا کہ جب تک واقف کے اہل خاندان یا اولاد اس سے تمتع کے واسطے باقی رہے۔

رسم و رواج مستثنےٰ ہے[1]

دفعہ ۵۔ اس ایکٹ کا اثر کسی ایسے رسم و رواج پر نہ پڑے گا جو خواہ مقامی ہو یا مسلمانوں کے کسی طبقے یا فرقے میں رائج ہو۔

دفعہ ۱۶۲۔ اب وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء معاملات سابق پر بھی موثر ہے —

وقف ایکٹ بابت ۱۹۱۳ء، ۷ مارچ ۱۹۱۳ء کو نافذ ہوا۔ قرار یہ پایا تھا کہ وہ معاملات سابق پر موثر نہ ہو گا، یعنی جو اوقاف اس تاریخ سے پہلے قائم ہو چکے ہیں ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا[1]۔ مگر ۱۹۳۰ء میں ایک اور ایکٹ نمبر ۳۲ اہل اسلام کے جواز وقف کے متعلق جاری ہوا اور اس کی تاریخ نفاذ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء قرار پائی۔ اس کا اثر یہ ہے کہ ۱۹۱۳ء کا ایکٹ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد سے ان تمام اوقاف سے متعلق ہو گیا جو ۷ مارچ ۱۹۱۳ء سے پہلے کئے گئے تھے۔

دفعہ ۱۶۳۔ اولاد میں سلسلۂ وراثت — جب وقف واقف کی اولاد کے لئے کیا جائے، اور وقف نامے میں وراثت کے سلسلے کے متعلق کوئی قاعدہ نہ مقرر کیا گیا ہو، تو اولاد میں توریث بالنسب ہو گی نہ کہ بالراس[2]، اور مرد اور عورتیں مساوی حصہ پائیں گی[3]۔

وقف ۱۶۳ الف۔ وقف نامہ کی شرط کی بناء پر نکاح ثانی کر لینے سے بیوہ کے حق استفادہ کا زائل ہو جانا — وقف نامہ میں یہ شرط ناجائز نہیں ہے کہ جو

---

[1] خواجہ سلیمان بنام نواب سر سلیم اللہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۵۳، ۴۹ کلکتہ ۸۲۰، ۶۹ انڈین کیسز ۱۳۸، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۰۷؛ بالاحل بنام عطاء اللہ خاں ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۷۲، ۹ لاہور ۲۰۳، ۱۰۳ انڈین کیسز ۵۱۸، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۶۱۔

[2] میگناٹن ۳۴۱؛ سید محمد بنام سید جبار ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۸۸، ۹۰ — ۹۱۔

[3] میگناٹن ۳۴۲؛ بیلی ۵۵۳ نیز دیکھو عبدالغنی بنام حسین میاں ۱۸۷۳ء ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ، صفحہ ۱۴؛ شیخ کریم الدین بنام نواب میر سید ۱۸۸۵ء ۱۰ بمبئی ۱۱۹۔

حق استفادہ وقف نامہ کے ذریعے سے بیوہ یا موقوف لہ کی زوجہ کو دیا گیا ہے وہ عقد ثانی کر لینے سے زایل ہو جائے گا[1]۔

متولی یا جائداد موقوفہ کے مہتمم

دفعہ ۱۶۳ ب۔ متولی — شرع اسلام کی رو سے وقف ہوتے ہی جائداد موقوفہ سے واقف کے تمام حقوق زایل ہو کر خداوند تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ متولی کو بھی جائداد موقوفہ کی کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کی ہو جاتی ہے۔ اصطلاحی معنی میں وہ اس جائداد کا امین بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف مہتمم یا منتظم جائداد ہوتا ہے[2]۔

مقدمہ بغرض قبضہ — متولی قبضے کے لئے نالش کر سکتا ہے اگرچہ جائداد پر اُسے حق مالکانہ حاصل نہیں ہوتا[3]۔

متولی کا تقرر ثالثی سے — وقف عام کے متولی کی خدمت ایک قسم کی خدمت عامہ ہے۔ یہ نزاع کہ دو آدمیوں میں سے کون شخص تولیت کا مستحق ہے، سپرد ثالثی نہیں کی جا سکتی ہے[4]۔ لیکن جب زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں جائداد وقف ہے اور وہ اس کا متولی ہے، اور عمر اس جائداد کے وقف ہونے سے انکار کرتا ہے تو ثالثی کا فیصلہ بالکل درست ہے[5]۔ معاملے کے عدالت سے تصفیہ ہونے تک دونوں جائداد کے انتظام

---

[1] لطافت النساء بنام شہر بانو سنہ ۱۹۳۲ء ۱۳۹ انڈین کیسز ۲۹۲، سنہ ۳۲ آل انڈیا اودھ ۱۰۸۔

[2] ودیا ورتھی بنام بالو سوامی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۳۰۲، ۳۱۲، ۴۴ مدراس ۸۳۱، ۶۵ انڈین کیسز ۱۶۱، سنہ ۲۲ انڈیا پریوی کونسل ۱۲۳؛ عبدالرحیم بنام نراین داس سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۹۰۔ ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۷۱ انڈین کیسز ۷۴۶، سنہ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[3] ایضاً

[4] محمد ابراہیم بنام احمد سنہ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۰۳، ۶ انڈین کیسز ۲۱۹۔

[5] منظم بنام رضا سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۶۵، ۸۱ انڈین کیسز ۸۱۵، سنہ ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۸۱۔

اور اس کے منافع میں مساوی طور سے شریک رہیں۔

دفعہ ۱۶۴۔ متولی کون مقرر کر سکتا ہے —— (۱) دفعہ ہذا کے ضمن (۲) کی شرائط کی پابندی کے ساتھ، واقف جائداد مجاز ہے کہ اپنے آپ[1] یا اپنی اولاد[2] یا اپنی نسل کے لوگوں یا کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے، خواہ وہ دوسرا شخص عورت[3] یا غیر مسلم[4] ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن جس حالت میں[5] متولی کے ذمے مذہبی فرائض یا روحانی ہدایت ہو جو عورت انجام نہیں دے سکتی، مثلاً، سجادہ نشینی[6]، یا خطابت، یا درگاہ کی مجاوری[6]، یا مسجد کی امامت[7]، ایسی صورتوں میں وہ تولیت کے ناقابل ہے، اور متولی نہیں مقرر کی جا سکتی[8]۔ غیر مسلم[9] کا بھی یہی حال ہے۔

(۲) نابالغ یا مخبوط الحواس شخص متولی نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ مگر جب متولی کی خدمت

---

[1] بیلی، ۶۰۱؛ ہدایہ، ۲۳۸؛ بیلی، جلد دوم ۲۱۴؛ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ ۱۸۷۲ء ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۹؛ عبدالرزاق بنام جمیا بائی ۱۹۱۱ء ۳۴ بمبئی لا رپورٹ ۲۹۵، ۱۴ انڈین کیسز ۹۸۸؛ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین ۱۹۲۰ء ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴، ۴۲ الہ آباد ۶۰۹، ۵۷ انڈین کیسز ۳۲۹۔

[2] بیلی، ۶۰۱؛

[3] بیلی، ۶۰۱؛ واحد علی بنام اشرف حسین ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۷۳۲؛ شہر بانو بنام آغا محمد ۱۹۰۷ء ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸؛ منورہ بیگم بنام میر مہابلی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۴۵ انڈین کیسز ۴۸۹۔

[4] امیر علی، اشاعت چہارم، جلد اوّل صفحہ ۲۴۴۔

[5] کنیز بنام سید ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۱۹۸، ۷۷ انڈین کیسز ۲۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۵۷۶۔

[6] حسین بی بی بنام حسین شریف ۱۸۶۱ء ۴ مدراس ہائیکورٹ ۲۳؛ ابراہیم بی بی بنام حسین شریف ۱۸۸۰ء ۳ مدراس ۹۵۔ درگاہ کے متعلق دیکھو پیران بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳۔

[7] دیکھو منورہ بیگم بنام میر مہابلی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۱۰۳۸، ۴۵ انڈین کیسز ۴۸۹۔

[8] دیکھو مقدمات کنیز بنام سید ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۱۹۸، ۷۷ انڈین کیسز ۲۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۵۷۶۔ نیز دیکھو منورہ بیگم بنام میر مہابلی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۴۵ انڈین کیسز ۴۸۹؛ اور اسمٰعیل میاں بنام وحدانی ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۳۰۸، ۱۴ انڈین کیسز ۴۶۹۔

[9] بیلی، ۶۰۱؛ پیران بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۱۹ —— ۲۲۰؛ سید حسن بنام میر حسن ۱۹۱۷ء ۴۰ مدراس ۹۱۴، ۳۸ انڈین کیسز ۲۸۵؛ کنیز بنام سعیدہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۱۹۸، ۷۷ انڈین کیسز ۲۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۵۷۶۔

موروثی ہو اور اس خدمت کی تولیت کا مستحق شخص نابالغ ہو، یا جب کہ وقف نامہ میں تولیت کا طریقہ بتا دیا گیا ہو اور اس کے لحاظ سے اول یا اور کسی متولی کے مرجانے کے بعد جو شخص اس کی جانشینی کا مستحق ہو وہ نابالغ ہو، تو عدالت مجاز ہے کہ اس کی نابالغی تک دوسرے متولی کو کام کرنے کے واسطے مقرر کردے۔

عورتوں کی تولیت — عام قاعدہ یہ ہے کہ عورت متولی ہو سکتی ہے بجز اس کے کہ تولیت کے متعلق اس قسم کے مذہبی فرائض ہوں جو عورت بذاتِ خود یا بذریعۂ نائب انجام نہ دے سکتی ہو، مثلاً سجادہ نشین کے فرائض۔ اس لحاظ سے عورت ایک آستانے کی جہاں محرم کے رسوم ادا ہوتے ہیں صدر مجاور ہو سکتی ہے[1]۔

اختلاف مذہب — ایک مقدمے میں عدالت نے ایک سنی وقف کا متولی ایک شیعہ کو مقرر کیا، گروہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں مقامی طور سے ذی اثر تھا[2]۔ ایک دوسرے مقدمے میں عدالت نے ایک بابی مذہب کی عورت کو شیعہ وقف کا متولی مقرر کرنے سے انکار کر دیا، اگرچہ وہ واقف کی اولاد میں تھی اور واقف خود شیعہ تھا[3]۔

دفعہ ۱۶۵ - متولی کا تقرر — (۱) واقف کو اختیار ہے کہ پہلا متولی خود مقرر کرے، اور وقف کے انتظام اور متولیوں کے یکے بعد دیگرے مقرر کئے جانے کے اصول اور قواعد بنا دے۔ وہ متولیوں کو نام بنام بھی مقرر کر سکتا ہے، یا اس جماعت اور اس کی قابلیت کا تعیین کر سکتا ہے، جس سے آیندہ متولی منتخب ہوں، اور متولیوں کو یہ اختیار بھی دے سکتا ہے کہ

---

[1] ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۰۷ نام حسب سابق؛ اعجاز احمد بنام خاتون بیگم ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۲۸۸، ۳۷ انڈین کیسز ۸۸۵۔

[2] منورہ بیگم بنام میر جہاں علی ۱۹۱۸ء ۱۴ مدراس ۱۰۳۲، ۵۱۷ انڈین کیسز ۴۸۹۔

[3] دیال چند بنام سید کرامت علی ۱۸۷۱ء ۱۶ ویکلی رپورٹ ۱۱۶۔

[4] شہر بانو بنام آغا محمد ۱۹۰۶ء ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸۔

وہ اپنے مرنے یا تولیت سے علٰحدہ ہونے کے قبل کسی شخص کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کریں۔[1]

(۲) جب مقرر کردہ متولی مر جائے، یا بطور متولی کام کرنے سے انکار کرے، یا عدالت سے علٰحدہ کر دیا جائے یا کسی اور طور سے وہ عہدہ خالی ہو جائے اور وقف نامہ میں اس کی جانشینی کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہو، تو جدید متولی مقرر کیا جا سکتا ہے[2]

(الف) خود واقف مقرر کر سکتا ہے۔[3]

(ب) اس کا مہتمم ترکہ (اگر کوئی ہو) مقرر کر سکتا ہے؛

(ج) اگر مہتمم ترکہ نہ ہو، تو متولی وقت بہ پابندی شرائط دفعہ ۱۶۶، مرض الموت میں اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے!

(د) اگر کوئی ایسا تقرر عمل میں نہ آئے، تو عدالت متولی کے مقرر کرنے کی مجاز ہے۔ عدالت کو تقرر کرتے وقت مفصلۂ ذیل قواعد کو ملحوظ رکھنا ضرور ہے:۔

اوّل ــ عدالت کو واقف کی ہدایتیں نظر انداز نہ کرنی چاہئیں بجز ان صورتوں کے کہ ان میں وقف کا صریح فائدہ ہوتا ہو[4]؛

دوم ــ عدالت پر لازم ہے کہ کسی اجنبی کو متولی نہ مقرر کرے، جب تک کہ واقف کے خاندان کا کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہو[5]؛

---

[1] غضنفر بنام احمدی بی بی سنہ ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۳۶۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۶۹، سنہ ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۹؛ سید علی بنام سید محمد سنہ ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۶۸۴، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۲، سنہ ۱۹۲۸ء آل انڈیا پٹنہ ۳۲؛ شاہ غلام بنام محمد سنہ ۱۸۷۵ء ۸ مدراس ہائیکورٹ ۶۳۔

[2] ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ سنہ ۱۸۷۲ء ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۹؛ خواجہ سلیم اللہ بنام ابوالخیر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۷ کلکتہ ۲۶۳، ۳ انڈین کیسز ۴۱۹؛ فاطمہ بی بنام حاجی موسی سنہ ۱۹۱۳ء ۳۰ مدراس ۴۹۱، ۲۱ انڈین کیسز ۹۶۴۔

[3] رگھن بر بنام دھانو سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۴۳۵، ۹۹ انڈین کیسز ۱۰۴۵، سنہ ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۷۔

[4] خواجہ سلیم اللہ بنام ابوالخیر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۶۳، ۲۶۸، ۳ انڈین کیسز ۴۱۹۔

[5] ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ سنہ ۱۸۷۲ء ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۹۱۔

سوم۔ جب (تولیت کے متعلق) واقف کے خاندانی اور غیر خاندانی شخص میں نزاع ہو، تو عدالت پر لازم نہیں ہے کہ وہ خاندانی شخص ہی کو متولی مقرر کرے۔ اسے اس معاملے میں اختیارِ تمیزی حاصل ہے اور وہ اس اختیارِ تمیزی کو کام میں لا کر دوسرے (یعنی غیر خاندانی) شخص کو بھی متولی مقرر کر سکتی ہے۔

بیلی، ۶۰۳-۶۰۴؛ میکناٹن، صفحہ ۷۰، دفعہ ۶، صفحہ ۳۴۴۔

مقدمہ نشان ۱۰

خاندانی شخص ——— مقدمۂ شہر بانو بنامِ آغا محمد[1] میں واقف شیعہ تھا اور اس کے خاندان سے جو تولیت کی دعویدار تھی وہ بابی مذہب کی ایک عورت تھی۔ ابتدائی جج نے اسے متولی مقرر کر دیا تھا، مگر عدالت مرافعہ نے اس تقرر کو منسوخ کر دیا، نہ اس وجہ سے کہ وہ متولی کی خدمت انجام دینے کے ناقابل تھی، بلکہ اس بنا پر کہ وہ عورت ہونے کی وجہ سے اپنے فرائض نائب کے ذریعے سے بطریقِ احسن ادا نہ کر سکتی تھی، اور چونکہ وہ بابی مذہب کی تھی اس لئے ممکن تھا کہ وہ شیعوں کے ان مذہبی مراسم کی ادائی میں جن کے لئے یہ وقف کیا گیا ہے پوری دلچسپی نہ لے، اس لئے عدالت نے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرنا مناسب تصور کیا۔ یہ تجویز مرافعہ میں پریوی کونسل سے بحال رہی۔ فریقِ مخالف کی طرف سے جو اسناد یا احکام پیش ہوئے تھے، ان پر غور کر کے جوڈیشل کمیٹی نے کہا: کہ "جو اسناد یا احکام پیش ہوئے ہیں وہ ہمارے نزدیک یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ واقف کے خاندان کے رکن کا کوئی قطعی حق ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جو اس وقت درپیش ہے، جس میں واقف نے کوئی سلسلۂ جانشینی یا انتقالِ جائداد نہیں بتایا ہے"[2]۔

---

[1] شہر بانو بنامِ آغا محمد، سنہ ۱۹۰۷ء، ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸۔

[2] سنہ ۱۹۰۷ء، ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸۔

عدالت کے اختیارات ـــــ عام مذہبی یا خیراتی اوقاف کے متعلق، پرایوی کونسل نے محمد اسمٰعیل بنام احمد مولا[1] کے مقدمہ میں یہ لکھا کہ :-

"یہ بھی عذر کیا جاتا ہے کہ شرع اسلام کی رو سے عدالت کو اس معاملے [یعنی مسجد زیر بحث کے متولیوں کے تقرر] میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس قاعدے کی پابندی کرے جو واقف نے متولیوں یا امنا کے تقرر اور ان کی جانشینی کے متعلق مقرر کر دیا ہے۔ پرایوی کونسل کے جج یہ خیال کرنے پر مجبور ہیں کہ جو انتہائی قضیہ مرافعان کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شرع اسلام بھی انگلستان کے قانون کی طرح، عام اور خانگی امانتوں میں بیّن فرق کرتی ہے۔ عام طور سے، ایسے اوقاف یا امانتوں کی تعمیل میں جو خاص اشخاص یا ایک مخصوص جماعت کے لیے کی جائیں، قاضی پر جس کی قائم مقام برٹش انڈیا کے عدالتی نظام میں عدالتہائے دیوانی ہیں لازم ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو واقف کی صریح ہدایات کی پابندی کرے لیکن عام مذہبی یا خیراتی امانت میں، جس کی عام اور مشہور مثال مسجد عامہ ہے، قاضی کے اختیارات تمیزی بہت وسیع ہیں۔ اگرچہ وہ مقاصد خیرات کے متعلق واقف کی نیت یا اس کے مقررہ قاعدے سے تجاوز نہ کر سکتا ہو، مگر اس کے انتظام کے متعلق، جو تابع حالات ہوتا ہے، اسے پورا اختیار تمیزی حاصل ہے۔ ممکن ہے کہ وہ واقف کی خواہشات کا اس حد تک لحاظ کرے جس حد تک کہ تبدیل شدہ حالات اس کی اجازت دیتے ہوں، مگر اس کا پہلا

---

[1] سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۱۲۷، ۱۳۴؛ ۴۳ کلکتہ ۱۰۸۵، ۱۱۰۰؛ ۳۵ انڈین کیسز ۳۰۔ نیز دیکھو ابراہیم اسمٰعیل بنام عبدالکریم سنہ ۱۹۰۰ء ۳۵ انڈین اپیلز ۱۵۱، ۱۶۴ [مقدمہ از موریشس]۔

فرض یہ ہے کہ وہ عامۂ خلائق کی اس جماعت کے مفاد کو پیش نظر رکھے جس کے فائدے کے لیئے وہ وقف کیا گیا ہے۔ وہ اپنے عدالتی اختیار کو کام میں لاکر ایسے انتظامی قاعدے کو جسے ناقابل عمل یا ادارے کے مفاد کے لیئے زیادہ تر مفید نہ سمجھتا ہو تبدیل کر دے"۔

جس مقدمے کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اس میں ایک سنی وقف دار قع رنگون کے انتظام کے متعلق نزاع تھی۔ رنگون کی سنی جماعت کچھ رندھاریوں اور کچھ سورتیوں سے مرکب ہے۔ مسجد ایک رندھاری کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کی تجدید اور اس میں اضافہ بھی اس رقم سے کیا گیا تھا جو زیادہ تر رندھاریوں نے دی تھی۔ اور مسجد کا انتظام بھی پچاس برس سے انھی کے ہاتھ میں تھا۔ مسجد کے متعلق کسی بدانتظامی کی شکایت بھی نہ تھی۔ ان حالات میں جوڈیشل پرایوی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ دوسرے حالات کے مساوی ہونے کی صورت میں رندھاریوں کی جماعت بحیثیت متولی مسجد کے انتظام کی مستحق ہے۔[1]

عدالت میں درخواست پیش کرنے پر خالی شدہ خدمت کا انتظام ہوسکتا ہے — اگر متولی کی خدمت خالی ہو، اور کسی موجودہ متولی کے ہٹانے کا کوئی سوال نہ ہو، تو عدالت میں درخواست پیش کرنے سے اس کا انتظام ہوسکے گا۔ اس کے لیئے حسب دفعہ ۹۲ ضابطۂ دیوانی مقدمہ دایر کرنا ضرور نہیں۔[2]

جماعت کے ذریعے سے تقرر — ایسے ادارے کے لیئے جو ایک مخصوص مقام کے لیئے ہو، جیسے مسجد یا قبرستان، متولی کا تقرر خود وہاں کی مقامی جماعت کرسکتی ہے۔

---

[1] عبد العلیم بنام عبیر جان ۱۹۲۸ء ۵۵ کلکتہ ۱۲۸۴، ۱۱۰ انڈین کیسز ۶۱۸، ۱۹۲۸ء آل انڈیا کلکتہ ۳۶۸۔

[2] پیراں بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳؛ دلاور حسین بنام سبحان خان ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۳۲۵۔

دفعہ ۱۶۶ - متولی مرض الموت میں جانشین مقرر کر سکتا ہے ـــــ
اگر واقف اور اس کا منتہیم دونوں فوت ہو گئے ہوں اور وقف نامہ میں متولی کی جانشینی کے لئے کوئی انتظام نہ بنایا گیا ہو، تو متولی وقت اپنے مرض الموت میں کسی شخص کو جانشین نامزد کر سکتا ہے۔ حالت صحت میں، جس پر مرض الموت کا اطلاق نہ ہو سکے، وہ ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے[1]۔

متولی مرض الموت میں ایک اجنبی شخص کو بھی اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے۔

واقف کے خاندان کے کسی شخص کو مقرر کرنا اس پر لازم نہیں ہے[2]۔

دفعہ ۱۶۷ - متولی کی خدمت موروثی نہیں ہے ـــــ شرع اسلام میں متولی کی خدمت کے متعلق حق وراثت تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ خدمت بربنائے رسم و رواج موروثی ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں اس کی پابندی کی جانی چاہئے[3]۔

جب متولی کی خدمت خالی ہو، اور عدالت سے کسی متولی کے مقرر کرنے کی درخواست کی جائے، تو عدالت عام طور سے واقف کے خاندان کے کسی شخص کو بمقابلہ اجنبی کے مقرر کرے گی اور بڑے کو بمقابلہ چھوٹے کے ترجیح دے گی۔ لیکن جب اس قسم کا تقرر نہ ہو، بلکہ مقدمہ اس غرض سے دائر کیا گیا ہو کہ مدعی علیہ جو کہ اس وقت برسر خدمت ہے تولیت سے ہٹا دیا جائے تو عدالت محض اس بناء پر اسے نہ ہٹائے گی کہ مدعی بڑا بھائی اور مدعی علیہ چھوٹا بھائی ہے، یا یہ کہ مدعی واقف کے خاندان سے ہے اور مدعی علیہ اجنبی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شرع اسلام نے تولیت میں وراثت کو لازم نہیں قرار دیا ہے۔ یہ ممکن ہے، کہ تولیت بربنائے رسم و رواج موروثی ہو، مگر ایسی وراثت عام قانون کے خلاف ہے، اور اس کا پورا ثبوت پیش ہونا چاہئے[4]۔

---

[1] بیلی، ۶۰۴؛ پیران بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۱۹؛ زلیخا بی بی بنام زین العابدین ۱۹۰۴ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۵۸۔

[2] شیخ امیر علی بنام سید وزیر ۱۹۰۵ء ۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۸۷۶۔

[3] میگناٹن، صفحہ ۳۴۴، مقدمہ نشان ۱؛ سید عبداللہ بنام سید زین ۱۸۸۹ء ۱۳ بمبئی ۵۵۵، ۵۶۱؛ فاطمہ بی بنام حاجی موسی ۱۹۱۳ء ۳۰ مدراس ۴۹۱، ۱۲۱ انڈین کیسز ۹۶۴؛ عاصم النسا بنام عبدالسبحان ۱۹۱۶ء ۴۳ کلکتہ ۴۶۷، ۳۲ انڈین کیسز ۳۱

[4] ۱۸۸۹ء ۱۳ بمبئی ۵۵۵ حسب سابق، ۱۹۱۳ء ۳۰ مدراس ۴۹۱، ۲۱ انڈین کیسز ۹۶۴ حسب سابق۔

دفعہ ۱۶۸۔ متولی کو فروخت یا رہن کا اختیار ———— (۱) بلغیر عدالت کی اجازت کے، متولی اس کا مجاز نہیں ہے، کہ موقوفہ جائداد یا اس کے کسی جز کو رہن، فروخت یا تبادلہ کرے، بجز اس کے کہ وہ وقف نامہ کے ذریعے سے بصراحت اس کا مجاز کیا گیا ہو۔

(۲) جب جائداد، کوئی پٹہ حاصل کرنے کے لئے ایسے مرکب اغراض کے واسطے رہن کی جائے، جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز ہوں، تو رہن کلیۃً ناجائز ہوگا[۱]

بیلی، ۶۰۵۔

تصدیق مابعد ———— کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ جائداد موقوفہ اگر عدالت کی اجازت حاصل کئے بغیر رہن کردی جائے، تو بعدہ عدالت اس کی تصدیق کرسکتی، اور اس کی منظوری دے سکتی ہے۔ عدالت کی اجازت پہلے سے حاصل کئے بغیر جو رہن عمل میں آئے وہ ابتدا ہی سے کالعدم نہیں ہوتا[۲]۔

عدالت سے اجازت لینے کی کارروائی ———— ایک مقدمے میں جو ۱۹۰۰ء میں فیصل ہوا کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ طے کیا تھا، کہ جو متولی جائداد موقوفہ کو بیع یا رہن کرنے یا پٹے پر دینے کے لئے عدالت کی اجازت چاہتا ہو، اسے مقدمہ پیش کرنا چاہئے، نہ کہ امانت کے ایکٹ نمبر ۲۷ بابت ۱۸۶۶ء کے تحت صرف درخواست۔ وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ ایکٹ مذکور کا تعلق ان امانتوں سے ہے جو انگریزی طریقے سے ان انگریزوں نے کی ہوں جنھوں نے ہندوستان کا وطن اختیار کرلیا ہے یا ان لوگوں نے کی ہوں جو ایکٹ وراثت ہند کے تابع ہیں، اس ایکٹ کا تعلق

---

[۱] عبدالرحیم بنام نراین داس ۱۹۲۳ء۔ ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۹۱۔ ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۱، انڈین کیسز ۶۲۶، ۲۳ء آل انڈیا پراوی کونسل ۴۴۔

[۲] نیمی چند بنام غلام حسین ۱۹۰۹ء، ۳۷ کلکتہ ۱۷۹، ۲ انڈین کیسز ۳۵۳؛ شالیھندرا ناتھ بنام ہادی کار ۱۹۳۱ء ۵۹ کلکتہ ۴۸۳، ۱۳۷ انڈین کیسز ۵۰۰، ۳۲ء انڈین کیسز ۳۵۶، پراوی کونسل [جس میں کارروائی سابق کی منظوری دینے سے انکار کردیا گیا تھا]۔

مسلمانوں سے نہیں ہے[1]۔ مگر حال کے مقدمات میں یہ فیصلہ ناپسند کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ منظوری کے لئے مقدمہ دایر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ صرف درخواست کے ذریعے سے حاصل کی جا سکتی ہے[2]۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی میں امینوں کے ایکٹ کے تحت درخواست کے ذریعے سے ایسی اجازت حاصل کی جا سکتی ہے[3]

ناجائز انتقال اور میعاد ـــــ جائداد وقف جو متولی کے ہاتھ میں ہو اس کے نکالنے، اور ایسی جائداد کے ناجائز انتقالات کو منسوخ کرانے، اور منتقل الیہم سے قبضہ حاصل کرنے کے مقدمات کی جو میعاد پہلے مقرر تھی وہ ۱۹۲۸ء کے ایکٹ نشان (۱) سے ترمیم کی گئی ہے۔ اصل ایکٹ [میعاد سماعت ۱۹۰۸ء] کی دفعہ ۱۰ میں ایک فقرہ یعنے فقرہ ۲ کا اضافہ کیا گیا، اور جدید مدات ۴۸ ب، ۱۳۴ الف، ۱۳۴ ب اور ۱۳۴ ج قایم کی گئیں۔ اس ترمیم سے پہلے جو قانون تھا اس کے لئے دیکھو مقدمات مندرجۂ حاشیہ[4]۔

---

[1] بمعاملہ حلیمہ خاتون ۱۹۰۹ء ۳۷ کلکتہ ۸۷۰، ۷ انڈین کیسز ۳۴۔

[2] فخرالنساء بنام ڈسٹرکٹ جج ۱۹۲۰ء ۴۷ کلکتہ ۵۹۲، ۶۵ انڈین کیسز ۵۰۴؛ جبار بنام سعید النساء ۱۹۲۴ء ۵۱ کلکتہ ۳۳۱، ۷۷ انڈین کیسز ۹۴۴، ۱۹۲۴ء آل انڈیا کلکتہ ۷۴۳۔

[3] بمعاملہ کاہنداس نارن داس ۱۸۸۰ء ۵ بمبئی ۱۵۴؛ لنگیک بنام مولجی ۱۹۱۹ء ۲۱ بمبئی لا رپورٹ ۱۱۱۱، ۵۴ انڈین کیسز ۵۵۴، جس میں ایک جدید امین کے تقرر کی درخواست پر یہ قرار دیا گیا کہ بمبئی میں ایکٹ مذکور ہندوؤں سے متعلق ہے۔

[4] ودیا وردتی بنام بالوسوامی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۳۰۲، ۴۴ مدراس ۸۳۱، ۶۵ انڈین کیسز ۱۶۱، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۲۳؛ عبدالرحیم بنام نراین داس ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۷۱ انڈین کیسز ۶۴۶، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پریوی کونسل [رہن]؛ سبیا بنام محمد ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۲۹۵، ۴۶ مدراس ۷۵۱، ۷۴ انڈین کیسز ۹۲۴، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۷۵ [فروخت بہ تعمیل ڈگری]

دفعہ ۱۶۹ - متولی کا اختیار پٹہ دینے کے متعلق —— جائداد وقف اگر زراعتی ہے، تو متولی اسے پٹے پر تین سال سے زیادہ کے لئے، اور اگر غیر زراعتی ہے، تو ایک سال سے زیادہ کے لئے نہیں دے سکتا۔

(الف) بجز اس کے کہ وقف نامہ میں بصراحت اسے ایسا اختیار دیا گیا ہو؛

(ب) یا جس صورت میں اسے ایسا اختیار نہ دیا گیا ہو، بجز اس کے کہ اس نے عدالت سے ایسا کرنے کی اجازت حاصل کر لی ہو[۱]۔ عدالت ایسی اجازت اس صورت میں بھی دے سکتی ہے جب کہ واقف نے زیادہ تر وسیع مدت کے لئے پٹہ دینے کی بصراحت ممانعت کر دی ہو۔

بیلی ۶۰۶، — ۶۰۷۔

پٹہ اور اس کے باضابطہ ہونے کا قیاس — جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ بغیر عدالت کی اجازت کے دوامی پٹہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں اس قسم کی اجازت دینا قاضیوں کے متعلق ہوگا۔ جو اوقاف ۱۷۷۲ء کے پہلے قائم ہوئے تھے، ان کی اراضی کے متعلق جو ایسے پٹے دیے گئے تھے اور قاضیوں کی اجازت کی کوئی شہادت موجود نہ تھی، پرایوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ ابتدائی اسامی اور اس کے جانشین سالہا سال سے قابض چلے آتے ہیں اور متولیوں میں سے کسی نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا، تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ ایسے اسامی قاضی کی اجازت سے بنائے گئے تھے، اور وہ کاغذ جس کے ذریعے سے ایسی اجازت دی گئی تھی تلف ہو گیا[۲]۔

میعاد —— دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۶۸ بالا۔

---

[۱] بمعاملہ وضاحت النساء ۱۹۳۶ء ۶۳ کلکتہ ۲۱۔

[۲] محمد مظفر الموسوی بنام زبیدہ خاتون ۱۹۳۰ء ۵۷ انڈین اپیلز ۱۲۵، ۵۷ کلکتہ ۱۲۹۳، ۱۲۳ انڈین کیسز ۲۲، ۱۹۳۰ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۰۳۔

دفعہ ۱۷۰۔ عہدہ داروں اور ملازموں کا وظیفہ (الاؤنس) — متولی اس کا مجاز نہیں ہے کہ وقف کے عہدہ داروں یا ملازموں کے وظائف ان وظائف سے بڑھا دے جو واقف مقرر کر گیا ہے، مگر عدالت مناسب صورتوں میں ایسا کر سکے گی۔

امیر علی، طباعت چہارم، جلد اول، ۴۶۹۔

دفعہ ۱۷۱۔ متولی کا معاوضۂ خدمت — متولی کا معاوضۂ خدمت خود واقف مقرر کر سکتا ہے، یہ معاوضہ ایک معین رقم، یا جائداد وقف کی آمدنی کا وہ جز ہو سکتا ہے جو وقف کی نگہداشت کے ضروری مصارف کے بعد بچ رہے[1]۔ اگر واقف نے متولی کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مقرر کیا ہے، تو عدالت اس کے لئے ایک ایسی رقم مقرر کر سکتی ہے جو جائداد وقف کی آمدنی کے دسویں حصے سے زیادہ نہ ہو[2]۔ اگر واقف کا مقرر کردہ معاوضہ ضرورت سے زیادہ قلیل ہو، تو عدالت اس میں اضافہ کر سکتی ہے، بشرطیکہ وہ آمدنی کے دسویں حصے کی حد سے بڑھنے نہ پائے[3]۔

دفعہ ۱۷۱ الف۔ متولی کا فرض حساب پیش کرنے کے متعلق: مسلمانوں کا وقف ایکٹ بابت سنہ ۱۹۲۳ — سنہ ۱۹۲۳ کے ایکٹ کا مقصد یہ ہے کہ جائداد وقف کا انتظام بطریقِ احسن ہو اور اس قسم کی جائدادوں کی آمدنی کا صحیح حساب رکھا جاتا اور شائع ہوتا رہے۔ ایکٹ مذکور کی دفعہ (۵) کی رو سے متولی پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ آمدنی کا صحیح تختہ تیار کر کے اس کی تنقیح کرائے (دفعہ ۶)، اور اس تنقیح شدہ تختے کو عدالت ضلع میں پیش کرے، یا جس صورت میں کہ جائداد ہائیکورٹ کے معمولی ابتدائی دیوانی اختیارات کے حدود میں واقع ہو، تو ہائی کورٹ کی کسی ایسی ماتحت عدالت میں پیش کرے جسے مقامی حکومت (لوکل گورنمنٹ) نامزد کر دے۔ اس کا ترک مستوجب جرمانہ قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۱۰)۔ یہ ایکٹ ان اوقاف سے متعلق نہیں ہے جن میں خود واقف یا اس کا خاندان یا اس کی اولاد

---

[1] سید اسمٰعیل بنام حمیدی بیگم سنہ ۱۹۲۱، ۶ پٹنہ لا جرنل ۲۱۸، ۲۳۳ — ۲۳۴، ۶۲ انڈین کیسز ۴۵۵، سنہ ۲۱ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۲۵۔

[2] محی الدین بنام سعید الدین سنہ ۱۸۹۳، ۲۰ کلکتہ ۸۱۰، ۸۲۱۔

[3] امیر علی، اشاعت چہارم، جلد اول، ۴۶۹۔

فی الوقت استفادہ کی دعویدار ہوسکتی ہو۔ [دفعہ ۲ (ل)]۔
مسلمانوں کے ایکٹ ۱۹۲۳ء میں ان صورتوں کے لئے کوئی طریقۂ کارروائی نہیں بتایا گیا ہے جن میں قابض جائداد اس کے وقف ہونے سے انکار کرتا ہے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسی صورتوں میں ایکٹ مذکور کی رو سے عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ جائداد کے وقف یا غیر وقف ہونے کے متعلق تحقیقات کر سکے۔ اودھ[1] اور الہ آباد[2] کی عدالتوں کی رائے میں وہ مجاز ہے۔ پٹنہ ہائیکورٹ اسے مجاز نہیں قرار دیتی،[3] مگر اس کی رائے میں ایسی تحقیقات خیراتی اور مذہبی امانتوں کے ایکٹ ۱۹۲۰ء[4] کی دفعہ ۵ کی رو سے ہوسکتی ہے۔ ۱۹۲۰ء کا ایکٹ ایک عام ایکٹ ہے، اور تمام ایسی امانتوں سے متعلق ہے جو "عام خیراتی یا مذہبی نوعیت کے مقاصد کے لئے کی گئی ہوں" خواہ انھیں ہندوؤں نے قایم کیا ہو یا مسلمانوں نے۔ اودھ میں یہ طے ہوا کہ ۱۹۲۰ء کا ایکٹ اس وقف سے متعلق نہیں ہوتا جو جزواً مقاصد عام اور جزواً خاندان کے استفادہ کے لئے کیا گیا ہو[5]۔

الہ آباد میں یہ طے ہوا کہ اگرچہ اس کارروائی میں جو ایکٹ ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۱ کے تحت شروع کی جائے عدالت اس امر کی تحقیقات کی مجاز ہے کہ کوئی جائداد وقف ہے یا نہیں، مگر ایکٹ مذکور کی رو سے

---

[1] محمد باقر بنام محمد ۳۲ء آل انڈیا اودھ ۲۱۰، ۱۳۸ انڈین کیسز ۲۲۵۔
[2] نصراللہ بنام سید واجد علی ۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۳۶۲، ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۱۲۔
[3] سید علی بنام کلکٹر بھاگل پور ۲۷ء آل انڈیا پٹنہ ۹۸، ۱۰۱ انڈین کیسز ۲۰۷۔
[4] سید علی بنام بی بی اختری ۱۹۳۱ء ۱۰ پٹنہ ۵۰۶، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۱۷، ۳۱ء آل انڈیا پٹنہ ۴۵۴۔
[5] صابر حسین بنام عاشق حسین ۱۹۲۹ء ۴ لکھنؤ ۴۲۹، ۱۱۷ انڈین کیسز ۴۳۹، ۲۹ء آل انڈیا اودھ ۴۲۵۔

وہ اس کی مجاز نہیں ہے کہ جو فریق حساب نہ داخل کرے اسے حساب داخل کرنے کا حکم دے۔[1]

دفعہ ۱۷۲۔ متولی کا تولیت سے علیحدہ کیا جانا ـــ عدالت، متولی کو ناجائز افعال یا امانت کی خلاف ورزی کے ثابت ہونے پر، یا اس بناء پر کہ وہ اور طرح سے اس عہدے کے قابل نہیں ہے، تولیت کی خدمت سے علیحدہ کر سکتی ہے، اگرچہ واقف نے بصراحت یہ ہدایت کی ہو کہ وہ کسی صورت میں بھی اس خدمت سے علیحدہ نہ کیا جائے گا۔ واقف کو قبضہ دے دینے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا، کہ وہ کسی حالت میں بھی متولی کو علیحدہ کر سکے، بجز اس کے کہ اس نے وقف نامہ میں ایسا اختیار بصراحت اپنے لئے محفوظ کر لیا ہو[2]۔

بیلی، ۶۰۰؛ میکناٹن، صفحہ ۷۹، دفعہ ۵۔ واقف خود متولی ہونے کی صورت میں بھی بدچلنی کی بناء پر عدالت سے موقوف ہو سکتا ہے۔

دفعہ ۱۷۳۔ متولی کی خدمت قابل انتقال نہیں ہے ـــ متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنا عہدہ کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دے جب تک کہ ایسا اختیار واقف نے اسے بصراحت نہ دیا ہو۔ مگر وہ جائداد موقوفہ کے انتظام میں مدد دینے کے لئے کسی شخص کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے[3]۔

دفعہ ۱۷۳ الف۔ خدمت متولی کی قرقی ـــ ذاتی ڈگری کی تعمیل میں متولی کی خدمت قرق نہیں ہو سکتی ہے[4]۔

دفعہ ۱۷۳ ب۔ متولی پر جو دعوی کیا جائے اس کی میعاد ـــ کوئی

---

[1] نصر اللہ خاں بنام واجد علی ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۱۶۷، ۱۲۸ انڈین کیسز ۱۷، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۸۔

[2] غلام حسین بنام حاجی اعظم ۴ مدراس ہائیکورٹ ۴۴؛ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۸۷۲ء ۱۹، ۲۳۔ ۲۴ [شیعوں کا مقدمہ]؛ ہدایت النسا بنام سید افضل ۱۸۷۰ء ۲ نارتھ ویسٹ پراونس ۴۲۲ [شیعوں کا مقدمہ]۔

[3] خواجہ سلیم اللہ بنام ابو الخیر ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۶۳، ۲۷۷ ـ ۲۷۹، ۳ انڈین کیسز ۴۱۹؛ حاجی علی بنام انجمن اسلامیہ ۱۹۲۱ء ۲ لاہور ۹۰، ۵۹۶، ۳۵؛ انڈین کیسز ۵۶، ۱۹۳۱ء آل انڈیا لاہور ۳۷۹؛ واحد علی بنام اشرف حسین ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۷۳۲۔

[4] سرکم بنام رحمان بخش ۱۸۹۶ء ۲۴ کلکتہ ۸۳، ۹۱۔

مقدمہ جو متولی یا منتظم جائداد وقف یا ان کے قانونی نمایندوں یا منتقل الیہم (اگر وہ قیمتی بدل کی بناء پر منتقل الیہم نہ ہوں) پر اُس کے یا ان کے ہاتھ سے جائداد یا اس کی آمدنی نکالنے، یا ایسی جائداد یا اس کی آمدنی کا حساب دینے، کے لئے دائر کیا جائے، وہ خواہ کتنی ہی مدت کے بعد دائر کیا جائے، خارج المیعاد نہ متصور ہوگا۔

دفعہ ۱۰ ایکٹ میعاد سماعت بابت ۱۹۰۸ء مرممہ ذریعۂ ایکٹ نشان ۱ بابت ۱۹۲۹ء دفعہ ۲۔ ان مقدمات کی میعاد کے لئے جن میں جائداد بدل قیمتی کے ساتھ منتقل کی گئی ہو، دیکھو مدات ۱۳۴ ب، ۱۳۴ الف، ۱۳۴ ب ۱۳۴ ج، جن کا اضافہ ایکٹ نشان ۱ بابت ۱۹۲۹ء کی دفعہ ۳ کے ذریعے سے کیا گیا ہے۔

متفرقات

دفعہ ۱۷۴۔ عام مسجد — جو مسجد خدا کے نام پر وقف کی گئی ہو، اس میں ہر مسلمان کو داخل ہونے اور اپنے طریقے اور مذہب کے مطابق نماز ادا کرنے کا حق ہے۔ مگر یہ امر یقینی نہیں ہے کہ آیا ایسی مسجد جسے بانی مسجد نے ایک خاص فرقے یا مذہب کے لوگوں کے لئے بنایا ہو دوسرے فرقے یا مذہب کے لوگ اسے استعمال کر سکتے ہیں[1]۔

عطاء اللہ[2] کے مقدمے میں، الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ لکھا کہ جو مسجد خدا کے نام پر وقف ہو اسے سب مسلمان استعمال کر سکتے ہیں وہ بطریق جائز کسی ایک فرقے کے لئے مخصوص نہیں کی جا سکتی جہاں پر پریوی کونسل نے

---

[1] عطاء اللہ بنام عظیم اللہ ۱۸۸۹ء ۱۲ الہ آباد ۴۹۴؛ جنگو بنام احمد اللہ ۱۸۸۹ء ۱۳ الہ آباد ۴۱۹؛ فضل کریم بنام مولا بخش ۱۸۹۱ء ۱۸ کلکتہ ۴۴۸، ۱۸ انڈین اپیلز ۵۹؛ عبد السبحان بنام قربان علی ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۲۹۴؛ مولا بخش بنام امیر الدین ۱۹۲۰ء الاہور ۱، ۳۱۷، ۵۷ انڈین کیسز ۱۰۰۔

[2] ۱۸۸۹ء ۱۲ الہ آباد ۴۹۴۔

فضل کریم ـــــ کے مقدمے میں اس فیصلے کا حوالہ تو دیا مگر یہ کہہ کر کہ جو مقدمہ ان کے سامنے اس وقت پیش ہے، اس کے واقعات کے لحاظ سے صحیح طور سے یہ سوال پیش نہیں آتا؛ الہ آباد ہائیکورٹ کے فیصلے کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ عبدالسبحان کے مقدمے میں کلکتے کی ہائیکورٹ نے اس امر کے متعلق شبہ ظاہر کیا کہ آیا مسجد کا مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کے لئے مخصوص کیا جانا شرع اسلام کے مطابق ہے یا نہیں، عطاءاللہ کے مقدمے میں جو رائے قائم ہوئی تھی اس کا اتباع لاہور کی ہائیکورٹ نے مولا بخش کے مقدمے میں کیا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسئلہ قطعی طور سے طے ہو چکا ہے۔ البتہ جب مسجد کسی خاص فرقے کے لئے نہ مخصوص کر دی گئی ہو، تو بلاشبہ ہر مسلمان بلا امتیاز فرقہ و مذہب کے اسے عبادت کے لئے کام میں لا سکتا ہے۔ اس طور سے ایک شافعی نماز جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، اگرچہ جماعت میں حنفیوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اور آمین بالجہر کہنے کی وجہ سے وہ حنفیوں کی جماعت میں جو آمین آہستہ کہتے ہیں شرکت سے ممنوع نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح، اہلِ حدیث یا وہابی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے مجاز ہیں جو ابتداءً حنفیوں کے لئے تعمیر ہوئی ہو اور عام طور سے انھیں کے استعمال میں رہی ہو، اگرچہ ان کے عقائد حنفیوں کے عقائد سے مختلف ہوں۔ مگر شرع اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کی بناء پر کسی جدید فرقے کو یہ حق دیا گیا ہو کہ وہ الگ جماعت کرے اور اپنے منتخب کردہ امام کے پیچھے نماز ادا کرے[1]۔

جب عدالت کو کسی ایسی ڈگری کی ترتیب میں کوئی ایسی تجویز درج کرتی ہو، جس کی رو سے کوئی خاص فرقہ کسی مسجد کے استعمال کا مستحق قرار پایا ہو، تو عدالت اس فرقے کے صدر کو یہ اختیار نہ دے گی کہ

[1] حکیم خلیل بنام ملک، اسرافیل ۱۹۱۷ء پٹنہ لا جرنل ۱۰۸، ۳۷ انڈین کیسز ۳۰۲۔

وہ اپنے اختیار تمیزی سے اس فرقے کے کسی شخص کو نماز میں شرکت یا نماز کے لئے مسجد میں آنے سے روک سکے[۱]۔

مسجدوں کے انتظام کے متعلق، دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۶۵ بعنوان "اختیارات عدالت"۔

دفعہ ۱۷۵۔ سجادہ نشین؛ خانقاہ — سجادہ نشین، خانقاہ کا صدر ہوتا ہے۔ خانقاہ ایک اسلامی ادارہ ہے جو بہت سے امور میں ہندوؤں کے اس مندر کے مماثل ہے جس میں ہندوؤں کے مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سجادہ نشین مذہبی اصول اور اعمال زندگی کا معلم ادارے کا منتظم، اور اس کی خیرات کا مہتمم ہوتا ہے، اور عام طور سے خانقاہ کی آمدنی کی بحیث کا بہ نسبت متولی کے زیادہ تر مستحق سمجھا جاتا ہے[۲]۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر صورت میں خانقاہ کی کل آمدنی سجادہ نشین کے اختیار میں رہتی ہے، بعض خانقاہوں میں سجادہ نشین کے علاوہ واقف کے خاندان کے ارکان بھی اس نذر و نیاز کی آمدنی کے مستحق ہوتے ہیں جو مصارف کے بعد پس انداز ہوتی ہے[۳]۔

اصطلاح "سجادہ نشین" دو الفاظ "سجادہ" (مصلیٰ) اور "نشین" (بیٹھنے والے) سے مرکب ہے۔ سجادہ نشین نماز میں امامت کرتا ہے۔ متولی کی خدمت دنیاوی؛ اور سجادہ نشین کی خدمت روحانی ہوتی ہے اسے بعض روحانی فرائض ادا کرنے ہوتے ہیں[۴]۔ ایک شخص ایک ہی وقف میں متولی

---

[۱] اکبر علی بنام محمد علی سنہ ۱۹۳۲ء ۵۶ بمبئی لا رپورٹ ۶۵۵، ۱۳۸ انڈین کیسز ۱۸، سنہ ۳۲ ال انڈیا بمبئی ۳۵۶۔

[۲] دویادار دنھی بنام بالوسوامی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۳۰۲، ۳۱۲؛ ۴۴ مدراس ۸۳۱، ۸۴۱؛ ۶۵ انڈین کیسز ۱۶۱، سنہ ۲۲ ال انڈیا پراپوی کونسل ۱۲۳؛ زلیخا بی بی بنام سید زین العابدین سنہ ۱۹۰۴ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۵۔

[۳] محمد حامد بنام میاں محمود سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۹۲، ۱۰۵ — ۱۰۶، ۴ لاہور ۱۵، ۲۹، ۷۷ انڈین کیسز ۱۰۰۹، سنہ ۲۲ ال انڈیا پراپوی کونسل ۳۸۴۔

[۴] دیکھو پیراں بنام عبدالکریم سنہ ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳؛ سکریٹری آف اسٹیٹ بنام محی الدین سنہ ۱۹۰۰ء ۲۷ کلکتہ ۶۷۴۔

اور سجادہ نشین بھی ہوسکتا ہے؛ عدالت ضابطۂ دیوانی کی دفعہ ۹۲ کے تحت انتظام کرتے وقت ان دونوں عہدوں کو جدا کرسکتی ہے۔ سجادہ نشین متولی کی طرح (دفعہ ۱۶۷) اپنا جانشین مقرر کرسکتا ہے[1]۔ نابالغ سجادہ نشین نہیں ہوسکتا[2]۔ بدچلنی کی بناء پر سجادہ نشین علیحدہ کیا جاسکتا ہے[3]۔ جو جائداد خانقاہ کی عمارتوں اور مدرسوں کی نگہداشت کے لئے دی جائے وہ ایسی ڈگری کی تعمیل میں قرق نہیں ہوسکتی جو سجادہ نشین کی ذات کے متعلق صادر ہوئی ہو[4]۔ اگر وقف نامہ میں کوئی ہدایت نہ ہو تو سجادہ نشینی حسب مراسم مروجہ عمل میں آتی ہے[5]۔ وقف نامہ میں خانقاہ کے نوبت نواز کے لئے کسی رقم کا مقرر کیا جانا ناجائز نہیں ہے[6]۔

دفعہ ۱۷۵ - الف - قاضی — شرع اسلام قاضی کی خدمت کو موروثی نہیں تسلیم کرتی[7]۔ اس حق کا دعویٰ، اگرچہ اس کی تائید رواج سے ہوتی ہو، عدالت دیوانی سماعت نہیں کرسکتی[8]۔

---

[1] دیکھو سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۴۸، سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۳۳ -

[2] سنہ ۱۸۹۱ ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۱۹ - ۲۲۰، حسب بالا -

[3] سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۴۶ - ۳۴۷، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۴۸، سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۳۳ - بخلاف اشتیاق بنام سید مسعود سنہ ۱۹۰۹ ۱۳ انڈین کیسز ۵۰۸ -

[4] شاہ محمد بنام محمد سنہ ۱۹۲۶ ۲ لکھنو ۱۰۹، ۱۰۰ انڈین کیسز ۲۴۱، سنہ ۲۷ آل انڈیا اودھ ۱۱۳ -

[5] دیکھو اسمٰعیل میاں بنام وحدانی سنہ ۱۹۱۲ ۳۶ بمبئی ۳۰۸، ۱۴ انڈین کیسز ۶۹۴؛ سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۴۸، سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۳۳ -

[6] دیکھو سید شاہ بنام سید ابی حسب حوالۂ سابق -

[7] جمال ولد احمد بنام جمال ولد جلال سنہ ۱۸۸۱ ۱ بمبئی ۶۳۳؛ داؤد شاہ بنام اسمٰعیل شاہ سنہ ۱۸۷۸ ۳ بمبئی ۷۲؛ بابا کاکاجی بنام نصرالدین سنہ ۱۸۹۳ ۱۸ بمبئی ۱۰۳ -

[8] قاسم خاں بنام قاضی عبداللہ سنہ ۱۹۲۶ ۵۰ بمبئی ۱۳۳، ۹۳ انڈین کیسز ۱۳۵، سنہ ۲۶ آل انڈیا بمبئی ۱۵۳ -

قاضی کو حکومت مقرر کر سکتی ہے[1] یا مقامی مسلمان اپنے اندرونی اور باہمی انتظام سے ایسا کر سکتے ہیں[2]۔

دفعہ ۱۷۵ الف۔ **تکیہ** ــــ تکیہ ایک مذہبی ادارہ مسلمۂ قانون ہے۔ اس لئے تکیے کے لئے وقف بطریق جائز کیا جا سکتا ہے[3]۔

"تکیہ" کے لفظی معنی آرام گاہ کے ہیں۔ اب اس کا استعمال اس مقام کے لئے ہوتا ہے جہاں کوئی درویش (بزرگ شخص) رہتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو تعلیم دیتا ہے محض بندوبست کے کاغذات میں کسی جائداد کے تکیے کے نام سے درج ہونے سے اس کا وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا[4]۔

دفعہ ۱۷۶۔ **اوقاف کے انتظام کے متعلق ایکٹ** ــــ اوقاف عام کی حفاظت، تعمیل، اور انتظام کے متعلق جو ایکٹ ہیں ان کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے:۔

(۱) آفیشل ٹرسٹی (امنائے سرکاری) ایکٹ نشان ۲ بابت ۱۹۱۳ء۔

(۲) چیریٹیبل انڈومنٹ (خیراتی اوقاف) ایکٹ نشان ۶ بابت ۱۸۹۰ء دفعات ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸۔

(۳) ریلیجس انڈومنٹ (مذہبی اوقاف) ایکٹ نشان ۲ بابت ۱۸۶۳ء دفعہ ۱۴۔

(۴) کوڈ آف سول پروسیجر (ضابطۂ دیوانی) ۱۹۰۸ء دفعات ۹۲-۹۳۔

اگر "اغراض عامہ" کے اوقاف میں سے کسی وقف کے متعلق ان چارہ کاروں میں سے جن کا ذکر ضابطۂ مذکور کی دفعہ ۹۲ ضمن (۱) میں کیا گیا ہے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ چارۂ کار حاصل کرنا ہو تو حسب احکام مندرجۂ دفعۂ مذکور ایسا مقدمہ ایڈوکیٹ جنرل کی منظوری کے بعد دائر کیا جانا چاہئے۔ لیکن اگر وقف "مقاصد عامہ" کے لئے نہیں ہے تو

---

[1] دیکھو قاضیوں کا ایکٹ نشان ۱۲ بابت ۱۸۸۰ء و شیخ عمر بنام بڈھن خان ۱۹۱۲ء، ۳۴ مدراس ۲۲۸، ۲۵ انڈین کیسز ۸۹۸۔

[2] دیکھو ۱۹۲۶ء۔ ۵ بمبئی ۱۳۳، صفحہ ۱۴۶، ۹۲ انڈین کیسز ۱۳۵، ۱۹۲۶ء آل انڈیا برہما ۱۵۳، ۱۰ گزشتہ۔

[3] حسین شاہ بنام گل محمد ۱۹۲۵ء، ۶ لاہور ۱۱۰، ۸۸ انڈین کیسز ۱۶، ۱۹۲۵ء آل انڈیا لاہور ۴۲۰۔

[4] شفیق الدین بنام محبوب ۱۹۳۰ء، ۱۱ لاہور ۳۲۲، ۱۲۵ انڈین کیسز ۸۹۳، ۱۹۳۰ء آل انڈیا لاہور ۷۱۴۔

اس کی ضرورت نہیں ۔ ایک خانگی امام باڑے کا مقدمہ وقف "مقاصد عام" کا مقدمہ نہیں متصور ہو سکتا[1] اور نہ ایسے وقف کا کوئی مقدمہ جس کے وقف نامہ سے جائداد کا فی الحقیقت واقف کے خاندان کو دیا جانا پایا جاتا ہو، وقف "مقاصد عام" کا مقدمہ سمجھا جائے گا[2] ۔ البتہ جو وقف مسجد یا خانقاہ کے لئے کیا جاتا ہے وہ مقاصد عام کے لئے ہوتا ہے، اور اس کے متعلق جو مقدمہ دائر کیا جائے وہ بپابندی احکام دفعہ مذکور دائر کیا جانا چاہئے[3] ۔

(۵) ۔ چیریٹیبل انڈ ریلیجس ٹرسٹ (خیراتی و مذہبی وقف) ایکٹ نشان (۱۴) بابت سنہ ۱۹۲۰ ۔

دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۷۱ الف ۔

(۶) مسلمانوں کا وقف ایکٹ نمبر ۴۲ بابت سنہ ۱۹۲۳

دیکھو دفعہ ۱۷۱ الف ۔

---

[1] اصغر علی بنام دلرس بانو سنہ ۱۸۷۷ء ۳ کلکتہ ۳۲۴ ۔

[2] محمد شفیق بنام محمد سنہ ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ۳۰، ۱۱۱ انڈین کیسز ۹۳، سنہ ۲۸ آل انڈیا الہ آباد ۶۶۰ ۔

[3] سید شاہ دبنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۴۴ ۔ ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۷، ۱۴ سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۳۳ ۔

فصلِ سیزدہم

شفعہ

دفعہ ۱۷۷۔ شفعہ —— حق شفعہ وہ حق ہے جو ایک جائداد غیر منقولہ کے مالک کو دوسری ایسی غیر منقولہ جائداد کے خرید لینے کا حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردی گئی ہو۔

ہدایہ، ۵۴۷؛ بیلی، ۴۷۵۔

کلکتہ[1] اور بمبئی[2] ہائی کورٹ میں یہ طے ہوا ہے کہ حق شفعہ مشتری سے (جائداد خرید کردہ کو) پھر خرید لینے کا حق ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ[3] نے اسے لازمہ جائداد قرار دیا ہے۔

دفعہ ۱۷۸۔ احاطۂ مدراس میں قانون شفعہ نافذ نہیں ہے —— برطانیہ ہند کی عدالتیں شفعہ کا اسلامی قانون مسلمانوں سے بلحاظ عدل، نصفت اور نیک نیتی کے متعلق

---

[1] قدرت اللہ بنام ماہنی موہن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ ۱۳۴۔

[2] حمید میاں بنام بنجمن ۱۹۲۹ء ۵۳ بمبئی ۵۲۵، ۵۲۲، ۱۱۸ انڈین کیسز ۵۴۸، ۱۹۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۶۔

[3] گوبند دیال بنام عنایت اللہ ۱۸۸۵ء، ۷ الہ آباد ۷۷۵۔

کرتی ہیں؛ باستثنائے احاطۂ مدراس کے جہاں یہ حق مطلق تسلیم نہیں کیا جاتا [البتہ ملا بار میں بطور مقامی رواج کے نافذ ہے[1]]۔ اس معاملے کے قدیم ترین مقدمے میں مدراس ہائیکورٹ نے جو وجہ اسے نہ تسلیم کرنے کی بتائی ہے وہ یہ ہے کہ قانون شفعہ انتقال جائداد کی آزادی میں مزاحم ہوتا ہے، اور اس لئے عدل، نصفت اور نیک نیتی کے خلاف ہے۔ اس مقدمے میں حق شفعہ کا دعویٰ "جار[2]" (پڑوسی) ہونے کی بناء پر کیا گیا تھا۔

ایک حال کے رنگون کے مقدمے میں فریقین نسلاً مدراسی مسلمان تھے اور حق شفعہ کا دعویٰ اشتراک ملکیت کی بناء پر کیا گیا تھا۔ رنگون کی ہائیکورٹ نے مدعی کے دعویٰ شفعہ کی اس بناء پر تائید کی کہ وہ برہما کے قانونی ایکٹ کی دفعہ ۱۳ کی ضمن (۱) کے تحت آ جاتا تھا[3]۔

دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۵ گزشتہ۔

دفعہ ۱۷۹۔ مخصوص ایکٹ ــــ پنجاب میں قاعدۂ شفعہ، پنجاب کے ایکٹ شفعہ نشان ۱ بابت ۱۹۱۳ء کے احکام کے مطابق نافذ کیا جاتا ہے[4]؛ اور اودھ میں اودھ کے ایکٹ ۱۸۶۶ء کے مطابق۔ یہ ایکٹ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں سے یکساں متعلق ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان مقامات میں شرع اسلام کے احکام شفعہ مسلمانوں سے بھی محض بحیثیت مقامی رواج کے متعلق ہوتے ہیں[5]۔

دفعہ ۱۸۰۔ شفعہ ہندوؤں میں ــــ حق شفعہ بربنائے رواج ان ہندوؤں کے لئے بھی تسلیم کیا جاتا ہے جو بہار[6]، اور گجرات کے بعض حصوں مثلاً سورت،

---

[1] کرشنا مینن بنام کساون ۱۸۹۷ء ۲۰ مدراس ۳۰۵۔

[2] ابراہیم بنام منی میر الدین ۱۸۷۰ء ۶ ہائی کورٹ مدراس سرکلر ۲۶۔

[3] سید ابراہیم بنام سعید خاں ۱۹۲۶ء ۴ رنگون ۱۳، ۹۵ انڈین کیسز ۸۳، ۱۹۲۶ء آل انڈیا رنگون ۹۷۔

[4] ولسن کا خلاصۂ انگریزی اسلامی قانون دفعہ ۳۵۳۔

[5] فقیر راوٹ بنام امام بخش ۱۹۲۳ء بنگال لا رپورٹ جلد ۵ ۳؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹۔

بھروچ اور گودھرا[1] کے باشندے یا متوطن ہوں[2]؛ اس حق کے متعلق شرع اسلام کے قواعد شفعہ کے مطابق کارروائی ہوتی ہے، بجز اس کے کہ قواعد مذکور میں بر بنائے رواج کوئی تبدیلی ہو گئی ہو[3]۔

جن مقامات میں اس رواج کا جاری رہنا عام طور سے مشہور اور عدالتوں کا مسلمہ ہو وہاں اس کے اظہار یا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے[4]۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ شرع اسلام کی رو سے اس حق سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی مستفید ہونے کا حق رکھتے ہیں؛ بیلی، ۲/۴۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں شفعہ کے متعلق ہندو اور مسلمان دونوں کی طرف سے اور دونوں کے مقابل عدالت میں دعویٰ دائر ہو سکتا تھا، شرع اسلام کا قانون شفعہ اس طور سے گجرات اور بہار کا رواجی قانون ہو گیا۔ ان مقامات کے ہندوؤں کے متعلق جس قانون سے کام لیا جاتا تھا وہ حنفی قانون تھا ہندوستان

۱؎ گوردھن داس بنام پران کنور ۱۸۶۹ء ۴ بنگال ہائیکورٹ۔ آل انڈیا کلکتہ ۲۶۳ کو مقدمہ دیا بھائی بنام پاندیا چھنی لال ۱۹۱۴ء ۳۸ بمبئی ۱۸۳، ۱۸۵ - ۱۸۸ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے؛ ۲۲ انڈین کیسز ۲۶۹؛ جگجیون بنام کالیداس ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۴۰۶، ۴۰۷، انڈین کیسز ۹۰۱، ۱۹۲۱ء آل انڈیا بمبئی ۱۸۸ [سورت میں صرف مکانوں کے متعلق نہ کہ زراعتی اراضی کے متعلق]؛ گوکل داس بنام پرتاب ۱۹۱۶ء ۱۸ بمبئی لا رپورٹ ۶۹۳، ۱۳۵ انڈین کیسز ۱۸۷ [گودھرا]؛ محمد بنام نراین ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۵۸، ۲۳ انڈین کیسز ۹۳۳ [خاندیس میں نہیں]؛ سیتا رام بنام سید سراج الدین ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲ [کلابے میں نہیں]؛ موتی لال بنام ہری لال ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۶۹۶، ۵۷ انڈین کیسز ۵۹۰ (احمد آباد) راجندر بنام گوسوامی ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۱۰۸، ۷۴ انڈین کیسز ۳۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۵۱۲ [بنارس میں صرف مکانات کے لئے نہ زراعتی اراضی کے لئے]۔

۲؎ پرشتھ ناتھ بنام دھانی ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۸۔

۳؎ چکوری بنام سندری ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۵۹۰؛ جے کنور بنام ہیرا لال ۱۸۷۴ء ۷ نارتھ ویسٹ پراونس ۱۔

۴؎ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵۔

مسلمان بادشاہ سنی اور حنفی المذہب تھے، اس لئے اب بھی جو قانون ہندوؤں پر شفعہ کے متعلق نافذ کیا جاتا ہے وہ حنفی قانون ہے مگر بہار اور گجرات کے ہندوؤں پر شفعہ کے معاملات میں حنفی قانون اسی وقت نافذ ہو سکتا ہے جب کہ وہ لوگ ان مقامات کے باشندے یا متوطن ہوں۔ صرف فریق کا ہندو ہونا اور ان مقامات میں جائداد رکھنا کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر کلکتے کے ایک مقدمے میں ایک ہندو کو حقِ شفعہ دینے سے انکار کر دیا گیا جو بہار میں ایک جائداد غیر منقولہ کا شریک تھا، اس وجہ سے کہ وہ وہاں کا باشندہ یا متوطن نہ تھا[1]۔ دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۰۰ الف جو آگے آتی ہے۔ احاطۂ بمبئی میں اس کے متعلق جو قانون ہے اس کے خلاصے کے لئے دیکھو مقدمہ[2]۔

دفعہ ۱۰۰ الف شفعہ بربنائے معاہدہ[3] —— (۱) ایک دیہہ کے شرکاء میں معاہدہ کے ذریعے سے شفعہ کے حقوق پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

(۲) ایک مسلمان بائع ایک ہندو مشتری سے یہ قرار داد کر سکتا ہے کہ شفعہ کا اسلامی قانون جو بائع اور اس کے مسلمان شریک سے متعلق تھا، وہ جائداد مبیعہ سے بدستور متعلق رہے گا۔ جس صورت میں ایسا معاہدہ کیا جائے، اور بائع اس کی اطلاع اپنے شریک کو دے اور شریک حسب قاعدۂ مقررہ طلب مواثبت کرے [دفعہ ۱۸۶]، تو شریک بمقابلہ مشتری کے، اگرچہ مشتری ہندو ہو، شفعہ کا مستحق قرار پائے گا[4]۔

قانونِ شفعہ کا شیوع ہندوستان میں —— ڈگمبر سنگھ بنام احمد[5] کے

---

[1] پرستنہ ناتھ بنام دھانی سنہ ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۸۔

[2] حمید میاں بنام بنجمن سنہ ۱۹۲۹ء ۵۳ بمبئی ۵۲۵، ۵۴۰ — ۵۴۲، ۱۱۹ انڈین کیسز ۴۴۵، سنہ ۱۹۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۶۔

[3] ڈگمبر سنگھ بنام احمد سنہ ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۱۲۹، ۱۴۱؛ ۴۲ انڈین اپیلز ۱۰، ۱۸، ۲۸ انڈین کیسز ۴۱۔

[4] سیتارام بنام سید سراج الحق سنہ ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۰ — ۶۵۱، ۳۴ انڈین کیسز ۳۲۔

[5] سنہ ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۱۲۹، ۱۴۰ — ۱۴۱؛ ۴۲ انڈین اپیلز ۱۰، ۱۸، ۲۸ انڈین کیسز ۴۱۔

مقدمے میں جہان پرایوی کونسل نے لکھا کہ " برطانیہ ہند کے باشندگان دیہات میں شفعہ کی ابتدا شرع اسلام کے احکام شفعہ سے ہوی ہے، مغلوں کی حکومت سے پہلے بظاہر اہلِ ہند اس سے واقف نہ تھے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ شفعہ کا رواج بڑھتا گیا اور دیہات کے رہنے والوں نے بھی اسے اختیار کرلیا۔ بعض صورتوں میں گانوں کے شرکا شرع اسلام کے قاعدہ کو اختیار کرکے اس کی پابندی کرنے لگے، ایسی صورتوں میں دیہات کا رواج شرع اسلام کے قواعد شفعہ کا تابع رہتا ہے۔ دوسری صورتوں میں، جہاں شفعہ کا دستور ہے، وہاں ہر ایک دیہاتی جماعت کا رواجی شفعہ مخصوص احکام اور لوازم کے ساتھ جدا، اور شرع اسلام کے احکام شفعہ سے مختلف ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ شفعہ کا رواج تمام صورتوں میں دیہات کے شرکا کی باہم قرارداد کا نتیجہ ہے۔ اور وہ ممکن ہے کہ زمانۂ حال میں اور ایسے دیہات میں اختیار کرلیا گیا ہو جن دیہات کی ابتدائی زمانے میں ہوئی ہو۔ بعض صوبوں میں شفعہ کا حق ہندوستان کے واضعان قانون کے ایکٹوں سے دیا گیا ہے۔ یہ حق دیہات کے شریکوں کے باہمی معاہدات سے بھی پیدا ہوا ہے۔ بہرحال ہر صورت میں مقصد یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے گانوں کے حصہ داروں میں کوئی اجنبی نہ شریک ہونے پائے۔ حق شفعہ اگر موجود ہو تو یقیناً ایک مفید حق ہے، اور اگر اس کا انحصار رواج یا معاہدے پر ہو تو بحالتِ نزاع اس رواج یا معاہدے کا ثابت کرنا لازم ہے"۔

دفعہ ۱۸۱۔ شفعہ کا دعوی کون کر سکتا ہے — مفصلۂ ذیل تین قسم کے اشخاص کے سوا کسی اور شخص کو شفعہ کے دعوی کا حق نہیں پہنچتا:۔

(۱) جائداد کا شریک ملک[1] (یعنی شفیع شریک):

[1] جادولال بنام جانکی کنور سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۵ انڈین کیسز ۹۶۵؛ سید ابراہیم بنام سید جان سنہ ۱۹۲۶ء ۳ رنگون ۱۲۳، ۹۵ انڈین کیسز ۳۰۴، سنہ ۲۶ آل انڈیا رنگون ۹۷ [شریک وارثا]۔

"مقرریدار" [دوامی پٹہ دار] جس نے ایک شریک سے دوامی پٹہ لیا ہو بمقابلہ دوسرے شریک کے حق شفعہ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔[1]

(۲) شریک آسایش وملحقات ومتعلقات جیسے شریک حق راہ یا شریک حق مجرائے آب[2] [شفیع خلیط]؛

(۳) اور ایسی جائداد غیر منقولہ کا مالک جو پڑوس میں واقع ہو[3] [شفیع جار]، لیکن یہ حق اس جائداد کے کرایہ دار یا ایسے شخص[4] کو نہیں پہنچتا جو جائداد پر بلا کسی جایز حق کے قابض ہو[5] [بیلی، ۴۸۱]۔

قسم اوّل کے لوگ قسم دوم کو، اور قسم دوم کے لوگ قسم سوم کو غیر مستحق کر دیتے ہیں لیکن جب ایک ہی قسم کے لوگ ایک سے زیادہ ہوں، تو اس جائداد کا جس کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے ہر ایک دعویدار مساوی حصے کا مستحق قرار پائے گا [بیلی، ۵۰۰]۔

استثنا — پڑوس کی بنا پر جو حق شفعہ پیدا ہوتا ہے وہ بڑی جائدادوں مثلاً گاؤں اور زمینداریوں پر حاوی نہیں ہے، بلکہ صرف مکانات، باغات، اور چھوٹے قطعات اراضی[6] تک محدود ہے۔ البتہ شریک کو یہ حق ہے کہ وہ بڑی جائدادوں کے متعلق بھی دعویٰ کرے۔[7]

---

[1] مسماۃ بی بی صالحہ بنام حاجی امیرالدین ۱۹۲۹ء پٹنہ ۲۵۱، ۱۱۷ انڈین کیسز ۶۵۸، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پٹنہ ۲۱۴۔

[2] کریم بنام پریولال ۱۹۰۵ء ۲۸ الٰہ آباد ۱۲۷۔

[3] عزیز احمد بنام نذیر احمد ۱۹۲۶ء ۵۰ الٰہ آباد ۲۵۷، ۱۰۳ انڈین کیسز ۸۹۷، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الٰہ آباد ۴۰۵؛ عبدالشکور بنام عبدالغفور ۱۹۱۰ء ۷ الٰہ آباد لا جرنل ۱۶۱، ۶ انڈین کیسز ۳۵۸۔

[4] گمان سنگھ بنام تریپول سنگھ ۱۸۶۷ء ۸ ویکلی رپورٹ ۴۳۷۔

[5] بہاری رام بنام شبھدرا ۱۸۶۸ء ۹ ویکلی رپورٹ ۴۵۵۔

[6] محمد حسین بنام محسن علی ۱۸۷۰ء ۶ بنگال لا رپورٹ ۴۱، ۵۰؛ عبدالرحیم بنام کھڑک سنگھ ۱۸۹۲ء ۱۵ الٰہ آباد ۱۰۴؛ منالال بنام ہاجرہ جان ۱۹۱۰ء ۳۳ الٰہ آباد ۲۸، ۷ انڈین کیسز ۴۰۴۔

[7] بیتارام بنام بید سراج ال ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۲ —— ۶۵۳، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹ [محال]؛ سعیدالدین بنام لطیف النسا ۱۹۲۲ء ۴۴ الٰہ آباد ۴۱۱، ۶۴ انڈین کیسز ۵۶۴، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الٰہ آباد ۳۹۱ [زمینداری]۔

[(الف) زید جو ایک قطعۂ اراضی کا مالک ہے، اسے عمر کو تعمیر کے لئے پٹے پر دیتا ہے۔ عمر اس پر ایک مکان تعمیر کر کے بکر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اس مکان کے متعلق زید کو حق شفعہ نہیں پہنچتا، اگرچہ مکان اس کی زمین پر بنا ہے، کیونکہ نہ وہ شریک ہے، اور نہ مکان کے متعلقات و ملحقات میں اس کی شرکت ہے، اور نہ پڑوس کی جائداد کا مالک ہے: پرشادی لال بنام ارشاد علی ۱۹۰۸ء ۲ ممالک مغربی و شمالی ۱۰۰۔

(ب) زید ایک گھر کا مالک ہے اور اسے عمر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ زید کے گھر کے شمال میں بکر کا ایک گھر ہے۔ بکر کو زید کے گھر کے اندر سے راستہ چلنے کا حق حاصل ہے۔ خالد کا ایک گھر زید کے گھر کے جنوب میں واقع ہے، دونوں گھروں کے درمیان میں صرف ایک دیوار حائل ہے، جس پر ٹیکے کا حق خالد کو حاصل ہے۔ زید نے جو گھر عمر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اس کے متعلق بکر اور خالد دونوں شفعہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بکر شریک خلیط ہے، اور خالد محض پڑوسی، کیونکہ ٹیکے کا حق جائداد کے ملحقات اور متعلقات میں داخل نہیں ہے۔ بکر اس لئے بمقابلہ خالد کے شفعہ کا مستحق ہے؛ دیکھو رنچھوڑ داس بنام جگلداس ۱۸۹۹ء ۲۴ بمبئی ۴۱۴؛ کریم بنام پربھو لال ۱۹۰۷ء ۲۸ الہ آباد ۱۲۷۔ یہ بحث ناقابل لحاظ ہے کہ بکر کا حق مرور قانون آسائش کی رو سے ہنوز پختہ نہیں ہوا ہے۔ ایسے معاملات سے شرع اسلام کے احکام متعلق ہوتے ہیں، اور شرع اسلام میں ایسے حقوق مثلاً حق مرور وغیرہ کے قائم ہونے کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی ہے[1]۔

نوٹ۔ تمثیل بالا میں بکر کا مملوکہ گھر حقیقت ًمالب اذروہ

---

[1] بلدیو بنام بدری ناتھ ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۵۱۹، ۲ انڈین کیسز ۴۵۸۔

مکان جس کے متعلق شفعہ کی خواہش کی جاتی ہے حقیقت مغلوب ہے، کیونکہ بکر کو اس پر حق مرور حاصل ہے۔ اگر صورت اس کے خلاف ہوتی یعنی زید کا گھر حقیقت غالب اور بکر کا گھر حقیقت مغلوب ہوتا تب بھی بکر کے شریک خلیط ہونے میں کوئی نقص نہ واقع ہو سکتا تھا: دیکھو مقدمۂ چاند خاں بنام نعمت خاں ۱۸۶۹ء ۳ بنگال لا رپورٹ آل انڈیا کلکتہ ۲۹۶۔ اگر بکر اور زید دونوں کے گھروں کو بمقابلہ تیسری جائداد کے حق آسایش حاصل ہوتا تب بھی بکر کا شریک ہونا مسلم تھا: جہتا سنگھ بنام رام تھال ۱۸۶۹ء ۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۳ (فٹ نوٹ)۔

(ح) زید ایک قطعۂ اراضی کا مالک ہے۔ عمر اور بکر کی ملکیت میں ایک دوسرا قطعۂ اراضی ہے، جو اس کے قریب ہی ہے۔ عمر اور بکر کے قطعۂ اراضی پر ایک کچی سڑک واقع ہے جو اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اس سڑک پر عامۂ خلائق کو چلنے کا حق حاصل ہے لیکن وہ اراضی جس کے پہلو سے یہ سڑک چلتی ہے عمر اور بکر ہی کی ہے۔ عمر اور بکر اپنی اراضی خالد کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں: زید کو اس تمام اراضی پر حق شفعہ حاصل ہے جو عمر اور بکر کے قبضے میں تھی نہ صرف سڑک کے اس طرف کے قطعے پر جو زید کی طرف واقع تھا: عزیز احمد بنام نذیر احمد ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۲۵۷، ۱۱۰۳ انڈین کیسز ۹۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۵۰۴۔]

ہدایہ، ۵۴۸ — ۵۵۰؛ بیلی، ۴۸۱ — ۴۸۴، ۵۰۰۔

حق شفعہ ملکیت سے پیدا ہوتا ہے — حق شفعہ سے اس بناء پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شفیع بروقت رجوع مقدمہ خود اپنی جائداد پر قابض نہ تھا۔ حق شفعہ ملکیت سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ قبضے سے[1]۔

---

[1] سکینہ بی بی بنام امیرن ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۴۷۲۔

ایک ہی قسم کے شفیع — جس حالت میں دو یا دو سے زیادہ اشخاص خواہ مرد، کی اشتراکت کی بناء پر شفعہ کے دعویدار ہوں، تو سب کو مساوی حق حاصل ہوگا، اگر چہ ایک ان میں سے "جار متصل" ہی کیوں نہ ہو[1]۔ کیونکہ شرع اسلام میں ایک ہی قسم کے شفیعوں میں قربت کے مدارج نہیں قرار دئے گئے ہیں[2]۔ مگر رواج کی بنا پر قربت کا لحاظ کیا جاسکتا ہے[3]۔

درخت کی پھیلی ہوئی شاخیں — اگر کسی شخص کے درخت کی شاخیں پڑوسی کی زمین کے اوپر پھیل کر نکل گئی ہوں تو اس سے درخت کے مالک کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ پڑوسی کی زمین کی فروخت پر شفیع خلیط کی حیثیت سے شفعہ کا دعوی کر سکے[4]۔

دیہات اور زمینداریاں — حق شفعہ کو قریب کی بڑی جائدادوں سے نہ متعلق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ کے قاعدے کا مقصد یہ تھا کہ "چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کے مالکوں کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا جائے جو ان کی جماعت میں ایک اجنبی شخص کے داخل ہو جانے سے انہیں پہنچ سکتی تھی"۔ اس اصول سے اس وقت کام لیا جاتا ہے جب کہ شفعہ کا دعوی صرف قربت کی بنا پر ہوتا ہے۔ شریک جائداد کے دعوے کی حالت میں اس سے کام نہیں لیا جاتا۔

---

[1] کریم بخش بنام خدا بخش ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۲۴۷؛ نیز دیکھو بچن سنگھ بنام بیچے سنگھ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۲۲۱، ۹۰ انڈین کیسز ۲۳۸، ۲۶ آل انڈیا الہ آباد ۱۰۸ -

[2] سعید الدین بنام لطیف النساء ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۱۱۴، ۱۱۶ — ۱۱۷، ۶۴ انڈین کیسز ۵۶۴، ۲۲ آل انڈیا الہ آباد ۳۹۱؛ ناگیسر بنام رام ہرک ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۴۷، ۷۹ انڈین کیسز ۷۱۴، ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۵۱۴ -

[3] دھن راج بنام رامیشور ۱۹۲۳ء ۴۶ الہ آباد ۱۷۰، ۸۷ انڈین کیسز ۹۰۴، ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۲۲۷ -

[4] عزیز احمد بنام نذیر احمد ۱۹۲۶ء ۵۰ الہ آباد ۲۵۷، ۱۰۳ انڈین کیسز ۸۹۷، ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۵۰۴ -

دیکھو دفعہ مندرجۂ بالا۔

عورتیں — جو عورت قانون کی رو سے مستحق وراثت ہے، اگرچہ بحیثیت بیوہ اس کا حق جین حیاتی ہو[1] شفعہ کے دعوے کرنے سے ممنوع نہیں ہے۔ لیکن ایسی عورت جسے صرف گزارہ (نفقہ) ملتا ہو شفعہ کے دعویٰ کرنے کی مجاز نہیں ہے[2]۔

چند شرکا میں ایک شریک کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا۔ — دیکھو دفعہ ۱۸۵ جو آگے آتی ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کی شریعت میں صرف شریک ہی شفعہ کے مستحق ہو سکتے ہیں: بیلی، جلد دوم ۱۶۹؛ قربان بنام چھوٹے[3] اور وہ بھی اس صورت میں کہ شرکا کی تعداد دو سے زیادہ نہ ہو[4]۔

دفعہ ۱۸۲۔ صرف بیع سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے — شفعہ کا حق صرف جائز[5]، کامل[6] اور حقیقی بیع[7] سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ ہبہ، صدقہ (دفعہ ۱۴۴)، وقف، وراثت،

---

[1] ایشور دیوی بنام شیورام ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۳۵۴، ۸۴ انڈین کیسز ۴۰۴؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا لاہور ۸۳۔

[2] کرن سنگھ بنام محمد ۱۸۸۵ء، ۷ الہ آباد ۶۰۸؛ بھوپال بنام موہن ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۳۲۴۔

[3] ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲۔

[4] عباس علی بنام مایارام ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹؛ حسین بخش بنام محفوظ الحق ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۴۴۹، ۸۸ انڈین کیسز ۹۷۲؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۵۵۹۔

[5] ہدایہ، ۵۶۰؛ بیلی، ۴۷۵ — ۴۷۷؛ نجم النسا بنام عجائب علی ۱۹۰۰ء ۲۲ الہ آباد ۳۴۳ [جس میں قیمت کا تعین معاہدے کے وقت نہیں ہوا تھا]۔

[6] ہدایہ، ۵۶۰؛ بیلی، ۴۷۵ — ۴۷۷۔

[7] پرستھہ ناتو بنام دھانی ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۹۔

ہبہ بالوصیت یا پٹے[1] سے، اگرچہ وہ دوام کے لئے ہو[2]۔ اور نہ رہن سے، اگرچہ وہ مشروط بیع کی شکل میں ہو[3]؛ لیکن سقوطِ حقِ انفکاکِ رہن (یعنی بیعصبات) کی صورت میں شفعہ کا حق پیدا ہو جائے گا[4]۔ دو اشخاص کا باہم جائدادوں کا تبادلہ کرنا اس شرط کے ساتھ کہ اپنی زندگی میں جو شخص جس وقت چاہے تبادلہ منسوخ کر کے اپنی جائداد واپس لے لے، بعینہ مشروط بیع کے مثل ہے؛ ایسے تبادلے سے جائداد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اور اس لئے شفعہ کا حق بھی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اگر تبادلہ کرنے والوں میں سے کوئی شخص بغیر تنسیخ تبادلہ فوت ہو جاتا ہے، تو یہ معاملہ دو بیع کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور شفعہ کا حق پیدا ہو جاتا ہے[5]۔ الہ آباد کی ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے کہ جو جائداد شوہر اپنی بیوی کو مہر کے معاوضے میں دیتا ہے وہ بیع کے حکم میں داخل ہے، اور اس لئے اُس پر شفعہ کا حق قائم ہو جاتا ہے[6]۔ برخلاف اس کے، اودھ کی چیف کورٹ نے اس معاملے کو ہبہ بالعوض قرار دیا ہے، اور اس لئے شفعہ کا دعویٰ اس کے متعلق نہیں ہو سکتا[7]۔ حقِ شفعہ نہ صرف خانگی بیع سے، بلکہ اس بیع سے بھی پیدا ہوتا ہے جو عدالت یا رسیور[8] کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے۔

---

[1] بیلی، ۴۷۱

[2] دیانت اللہ بنام کاظم ملا سنہ ۱۸۸۸ء ۱۵ کلکتہ ۱۸۴۔

[3] گردیال بنام ٹیک نراین سنہ ۱۸۶۵ء بنگال لا رپورٹ ضمیمہ جلد ۱۶۶۔

[4] بتول بیگم بنام منصور علی سنہ ۱۹۰۱ء ۲۴ الہ آباد ۱۷۔

[5] محمد یونس بنام محمد سنہ ۱۹۳۱ء ۵۳ الہ آباد ۱۶۹، ۱۳۰ انڈین کیسز ۲۹۵، سنہ ۳۱ آل انڈیا الہ آباد ۱۰۶۔

[6] فدا علی بنام مظفر علی سنہ ۱۸۸۲ء ۵ الہ آباد ۶۵؛ ناتھو بنام شادی سنہ ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۲۲۵، ۲۹ انڈین کیسز ۴۹۵ [جس کی صحت کی نسبت جسٹس امیر علی کو شبہ تھا، جلد اوّل، صفحہ ۷۱۳، اشاعت چہارم]

[7] بشیر احمد بنام مسماۃ زبیدہ سنہ ۱۹۲۶ء ۱ لکھنؤ ۸۳، ۹۲ انڈین کیسز ۲۶۵، سنہ ۲۶ آل انڈیا اودھ ۱۸۶؛ چودھری طالب علی بنام مسماۃ کنیز سنہ ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۷۵، ۱۰۲ انڈین کیسز ۱۴۲، سنہ ۲۷ آل انڈیا اودھ ۲۰۲۔

[8] برج نراین بنام کدار ناتھ سنہ ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۱۸۶، ۷۱ انڈین کیسز ۸۳۶، سنہ ۲۳ آل انڈیا الہ آباد ۵۷۔

توضیح (۱) ——— شرعِ اسلام کی رو سے تراضیِ طرفین ایک شئے کا تبادلہ دوسری شئے کے ساتھ "بیع" ہے۔ تبادلہ یہ ہے کہ مشتری (خریدار) بائع (بیچنے والے) کو قیمت ادا کرتا ہے اور بائع شئے کا قبضہ مشتری کو دیتا ہے۔ بیع کے لئے کسی دستاویز کی تکمیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔[1] انتقالِ جائداد کے ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۵۴ کے لحاظ سے، کسی ایسی جائداد کی بیع جس کی قیمت ایک سو روپیہ یا اس سے زیادہ ہو بغیر رجسٹری شدہ دستاویز کے مکمل نہیں ہوتی۔ الہ آباد ہائی کورٹ کے اجلاس کامل سے یہ طے ہوا ہے کہ اگرچہ شرعِ اسلام کے احکامِ بیع کے متعلق انتقالِ جائداد کے ایکٹ سے قائم نہیں رہے، مگر اس سوال کا کہ آیا ایک بیع کی اس طرح تکمیل ہوگئی ہے کہ اس سے حقِ شفعہ پیدا ہو سکے شرعِ اسلام ہی کے احکام سے تصفیہ کیا جائے گا۔ اگر شرعِ اسلام کی رو سے بیع کی تکمیل ہوگئی ہے مثلاً قیمت ادا کردی گئی اور قبضہ دیدیا گیا ہے، تو شفعہ کا حق پیدا ہو جائے گا، اگرچہ وہ بیع ایکٹ انتقالِ جائداد کی رو سے کامل نہ ہوئی ہو۔[2] برخلاف اس کے، بعض ججوں کی یہ رائے ہے کہ شفعہ کا حق اس وقت تک نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ حسبِ احکامِ ایکٹ انتقالِ جائداد بیع نامہ کی رجسٹری نہ ہو جائے۔[3] بمقدمۂ جادو لال بنام جانکی کنور[4]، جسٹس بریٹ نے اس مسئلے کے حل کی یہ تجویز پیش کی کہ ہر مقدمے میں اس کا تعین کیا جانا چاہئے کہ فریقین کی اس تاریخ کے متعلق جس میں بیع کامل متصور ہوگی کیا نیت تھی۔ جسٹس بریٹ کے اس مجوزہ قاعدے پر

---

[1] ہدایہ، ۲۸۱؛ میکناٹن، ۴۲؛ بیلی، ۴۷۶؛ بیگم بنام محمد ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۳۴۴، ۳۴۶-۳۴۸-

[2] بیگم بنام محمد ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۳۴۴ [اجلاس کامل]؛ نجم النسا بنام عجائب علی ۱۹۰۰ء ۲۲ الہ آباد ۳۴۳؛ جانکی بنام گرجا دھت ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۴۸۲ [اجلاس کامل]۔

[3] جسٹس بنرجی ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۳۴۴، ۳۵۶ [اجلاس کامل] مذکورۂ سابق؛ جسٹس کارنڈف بدھائی بنام ثناء اللہ ۱۹۱۴ء ۴۱ کلکتہ ۹۴۳، ۹۴۹، ۲۳ انڈین کیسز ۳۰۵؛ جسٹس ملک بمقدمہ کھیالی بنام ملک ۱۹۱۶ء پٹنہ لاجرنل ۴، ۱۷۱، ۱۷۵-۱۷۸، ۳۴ انڈین کیسز ۲۱۰۔

[4] ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵، ۵۹۹، جس کی تائید ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵ میں کی گئی؛ ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹۔

کلکتہ[1] اور پٹنہ[2] کے بعض ججوں نے اور مقدمۂ سیتارام بنام سیراج[3] ال میں بمبئی کی ہائیکورٹ نے بھی عمل کیا ہے، اور بمبئی کا فیصلہ مقدمۂ سیتارام مرافعے میں جوڈیشل کمیٹی سے بھی بحال رہا۔ پرایوی کونسل کے ججوں نے اپنی تجویز میں لکھا کہ "اس امر کے تعین کے لیے کہ کس نظام قانون سے کام لینا" اور بلحاظ اس کارروائی کے جو کی گئی ہے کس تاریخ کو تاریخ بیع قرار دینا مقصود تھا" فریقین (بایع اور مشتری) کی نیت کو دیکھنا چاہیے[4]۔ ایک بعد کے مقدمے میں بمبئی ہائی کورٹ نے الہ آباد ہائی کورٹ کے اجلاس کامل کے فیصلے کی پیروی کی[5]۔

توضیح (۲) — الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ شفعہ کا حق نہ صرف قطعی بیع، بلکہ قطعی ایسے معاہدۂ بیع سے بھی پیدا ہوتا ہے جس میں بایع کے لیے کوئی گنجائش (ردِ بیع کی) نہ رکھی گئی ہو[6]۔

سوال زیر بحث کا اہم ہونا بیان ذیل سے ظاہر ہوگا۔ شرع اسلام کی رو سے کوئی مسلمان شفعہ کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ وہ طلب (مواثبت و اشہاد) حسب قاعدہ عمل میں نہ لائے (دفعہ ۱۸۶)۔ یہ دونوں طلبیں اس وقت تک عمل میں نہیں لائی جاسکتیں جب تک کہ بیع کامل نہ ہو جائے۔ بعد تکمیل بیع اور اس کی خبر سنتے ہی

---

[1] ریچرڈسن بمقدمہ ۱۹۱۴ء ۱۴ کلکتہ ۹۴۴، ۹۵۳، ۲۳ انڈین کیسز ۳۸۵ سابق۔

[2] جسٹس رو بمقدمہ ۱۹۱۶ء ۱ پٹنہ لا جرنل ۱۷۴، ۱۶۹، ۳۴ انڈین کیسز ۲۱۰ سابق۔

[3] ۱۹۱۷ء ۱۴ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۱ — ۶۵۲، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲، جس کی پیروی مقدمہ عبداللہ بنام اسمٰعیل ۱۹۲۱ء ۱۴ بمبئی ۳۰۲ میں کی گئی، ۶۴ انڈین کیسز ۹۱۳، ۲۲ آل انڈیا بمبئی ۱۲۴۔

[4] سیتارام بنام ضیاء الحسن ۱۹۲۱ء ۴۸ بمبئی ۱۰۵۶، ۴۸ انڈین اپیلز ۴۷۵، ۶۴ انڈین کیسز ۸۲۶، ۲۳ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۴۱۔

[5] عبداللہ بنام اسمٰعیل ۱۹۲۲ء ۴۶ بمبئی ۳۰۲، ۶۴ انڈین کیسز ۹۱۳، ۲۲ آل انڈیا بمبئی ۱۲۴۔

[6] زمانی بیگم بنام خان محمد ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۱۴۲، ۸۱ انڈین کیسز ۵۰۶، ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۲۵۱، باتباع بیگم بنام محمد ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۳۴۴، ۳۴۷ [اجلاس کامل]۔

یہ عمل ہونا چاہیئے ۔ بیع شرعِ اسلام کے لحاظ سے مشتری کی قیمت ادا کرنے اور بائع کے قبضہ دینے سے کامل ہو جاتی ہے؛ لیکن انتقالِ جائداد کے ایکٹ کے لحاظ سے وہ بغیر دستاویز رجسٹری شدہ کے کامل نہیں ہوتی ۔ اسی لحاظ سے بعض ججوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ بیع نامہ کی رجسٹری ہو جانے کے بعد طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد عمل میں آنی چاہیئے ۔ اگر یہ رائے صحیح مان لی جائے، تو بائع اور مشتری، شفیع کو محروم کرنے کی غرض سے ممکن ہے کہ نہ بیع نامہ کی تکمیل کریں اور نہ اس کی رجسٹری کرائیں، بلکہ ایک طرف سے قیمت اور دوسری طرف سے قبضہ دے کر معاملہ ختم، اور شفیع اپنے حق سے محروم کر دیا جائے ۔ اسی نقص کو رفع کرنے کے لئے جسٹس برہٹ نے ایک قاعدہ تجویز کیا اور جوڈیشل کمیٹی نے اسے پسند کیا ہے ۔ قاعدۂ مجوزہ یہ ہے کہ ہر مقدمے میں یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ فریقین کی نیت اس تاریخ کے متعلق کیا تھی جب کہ بیع کامل متصور ہوگی ۔

زید جنوری ۱۹۱۸ء میں اپنا ایک مکان سو روپے میں عمر کے ہاتھ فروخت کرنے کا اقرار کرتا ہے ۔ عمر پہلی فروری ۱۹۱۸ء کو مکان کی قیمت ادا کر کے مکان کا قبضہ زید سے حاصل کر لیتا ہے ۔ بیع نامہ کی رجسٹری پہلی مارچ ۱۹۱۸ء کو ہوتی ہے؛ شفیع کو ادائے قیمت اور قبضۂ مکان کا حال پندرہ فروری ۱۹۱۸ء کو معلوم ہوتا ہے؛ مگر وہ کوئی طلب دوسری مارچ ۱۹۱۸ء تک نہیں کرتا؛ یہ وہ تاریخ ہے جس میں اسے پہلی مرتبہ دستاویز کی رجسٹری ہونے کا علم ہوا ۔ ان حالات میں کیا وہ شفعہ کا مستحق ہے؟ (۱) الہ آباد ہائیکورٹ کی رائے کے مطابق وہ مستحق نہیں ہے[1]؛ کیونکہ عدالت موصوف کی رائے کے لحاظ سے، قیمت ادا ہونے اور قبضہ دیدینے سے بیع کامل ہوگئی

[1] ۱۹۴۰ء الہ آباد ۴۴۳ [اجلاس کامل] مذکورۂ سابق ۔

تھی، اور جو پندرہ فروری کو جب اسے پہلی مرتبہ اطلاع ہوئی اس نے طلب مواثبت واشہاد نہیں کی، اس لئے بربنائے تعویق اس کا حق شفعہ زائل ہوگیا۔ (۲) اگر رجسٹری ہونے پر بیع کی تکمیل سمجھی جائے، کیوں کہ اس نے رجسٹری ہونے کی اطلاع پاتے ہی طلب مواثبت واشتہاد کی۔ اگر وہ رجسٹری ہونے سے قبل طلب مواثبت کرتا تو وہ قبل از وقت متصور ہوتی، اور وہ اس وقت تک شفعہ کا مستحق نہ ہوتا جب تک کہ رجسٹری ہونے کی اطلاع پاکر دوبارہ طلب مواثبت واشہاد نہ کرتا۔ (۳) جو قاعدہ اب جوڈیشل کمیٹی نے قرار دیا ہے اس کی رو سے صرف فریقین کی نیت امر فیصل کن قرار پائے گی؛ اس لئے اگر صورت مفروضہ بالا میں رجسٹری ہونے تک قبضہ نہیں دیا گیا تھا اور نہ قیمت کا کوئی جز ادا ہوا تھا، تو فریقین کی نیت یہ سمجھی جائے گی کہ وہ رجسٹری ہونے تک بیع کو کامل نہیں سمجھتے تھے، اور اس حالت میں شفیع کو رجسٹری ہونے کی خبر سنتے ہی طلب مواثبت واشتہاد کرنی چاہئے[1] لیکن اگر معاہدۂ بیع یہ ہو کہ "میں اپنا حصہ لعہ ہزار میں فروخت کرنے کا اقرار کرتا ہوں، اس طرح کہ الـ ہزار فوراً ادا کیا جائے اور باقی بعجلت تمام دو قسطوں میں ادا ہو، اور یہ کہ بیع نامہ باضابطہ طور سے مرتب اور رجسٹری کرا دیا جائے گا" اور اقرار نامہ میں یہ بھی درج ہو کہ بائع آج ہی اس معاملے کی اطلاع اپنے شریک کو دے گا، اور اگر شریک بائع کا حصہ خریدنا چاہے گا تو بائع فوراً الـ ہزار مشتری کو واپس کر دے گا۔ ایسی صورت میں اقرار نامے کی تاریخ بیع کی تاریخ قرار پائے گی، اور اسی تاریخ کے لحاظ سے شریک

[1] جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵؛ بدھائی بنام ثناء اللہ ۱۹۱۴ء ۴۱ کلکتہ ۹۴۲، ۹۵۰، ۹۵۴؛ ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۸۵۔

(شفیع) کو ضروری مراتب ادا کرنے چاہئیں[1]۔

پٹہ دوامی — پٹے سے، اگرچہ وہ دوامی ہو، شفعہ کا حق نہیں پیدا ہوتا؛ مگر الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایک معاملہ اگرچہ بظاہر بشکل پٹہ ہو لیکن اس کا درحقیقت اور اصلی طور سے بیع ہونا ممکن ہے مثلاً ایک جائداد قیمتی ا— ہزار روپئے پٹے بر ۹۹ سال کے لئے اس طرح دی جائے کہ ال[illegible] ہزار بطور پیشگی ادا کر دئے جائیں اور ایک روپیہ سالانہ لگان کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ اس صورت میں شفیع کو حق شفعہ پہنچے گا اگرچہ معاملے کی شکل پٹے کی ہے۔ شرع اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ حق شفعہ کے ابطال کے لئے بیع کے معاملے کو پٹے کا جامہ پہنایا جائے[2]۔ یہ امر مشکل سمجھ میں آتا ہے کہ حالات مذکورہ میں پٹہ کس طرح بیع متصور ہو سکتا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۹۲ آئندہ۔

دفعہ ۱۸۳ - شفعہ کی بنیاد صدور ڈگری تک قائم رہنی چاہئے —

وہ حق جس کی بناء پر شفعہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، خواہ شریک ملک، یا شریک استفادہ، یا پڑوسی ہونے کی وجہ سے ہو، نہ صرف بروقت بیع، بلکہ شفعہ کا دعویٰ دائر کرنے کے وقت بھی موجود ہونا چاہئے[3]۔ اور صدور ڈگری تک اس کا قائم رہنا ضرور ہے[4]۔ لیکن اس کا تعمیل ڈگری[5] یا عدالت مرافعہ کی ڈگری کی تاریخ تک قائم رہنا لازم نہیں ہے[6]؛ کیونکہ ان مقدمات

---

[1] سیتارام بنام ضیاء الحسن ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۶۵۰؛ ۴۸ انڈین اپیلز ۸۵؛ ۶۴ انڈین کیسز ۲۶؛ ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[2] محمد بنام محمد ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۳۲۲؛ ۴۴ انڈین کیسز ۲۲۷۔

[3] جانکی پرشاد بنام الیشر داس ۱۸۹۹ء ۲۱ الہ آباد ۳۷۴۔

[4] رام گوپال بنام پیارے لال ۱۸۹۹ء ۲۱ الہ آباد ۴۴۱؛ تفضل بنام تھان سنگھ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۶۷؛ ۱۹ انڈین کیسز ۲۹۴؛ نوری میاں بنام امبیکا سنگھ ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۴۷، ۳۴ انڈین کیسز ۸۶۹۔

[5] رام سہائے بنام گیا ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۱۰۷۔

[6] بدیو مسر بنام رام لاگن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۹۰۷؛ ۷۷ انڈین کیسز ۶۹۴؛ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۳۲۱؛ امراؤ بنام لچھمن ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۳۲۱؛ ۷۹ انڈین کیسز ۲۱۷؛ ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۵۴۴۔

ہیں عدالت ابتدائی کی ڈگری کی تاریخ ہی سب سے زیادہ اہم اور قابل لحاظ ہوتی ہے۔[1]

اس لحاظ سے اگر وہ مدعی جو ملحق جائداد کا مالک ہونے کی وجہ سے شفعہ کا دعویدار ہے، مقدمہ دائر کرنے کے بعد جائداد مذکور کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، تو وہ ڈگری کا مستحق نہ قرار پائے گا، کیونکہ اس کا شمار ان تینوں قسم کے لوگوں میں سے کسی قسم میں بھی نہ ہوگا جنہیں از روئے قانون شفعہ کا حق دیا گیا ہے؛ دیکھو دفعہ ۱۸۱ گزشتہ۔ لیکن ڈگری صادر ہو جانے کے بعد مدعی کا یہ حق زائل نہیں ہو جاتا کہ وہ ڈگری کی تعمیل میں جائداد مشفوعہ پر قابض کرا دیا جائے اگرچہ ڈگری کی تعمیل یا عدالت مرافعہ کی ڈگری کے صادر ہونے کے قبل اس نے اپنی جائداد منتقل کر دی ہو۔[2] بظاہر اس امر کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مدعی کا حق شفعہ محض اس وجہ سے زائل نہیں ہو جاتا کہ کسی گزشتہ موقع پر اس نے اپنا وہ حصہ جس پر اس کے حق شفعہ کا انحصار ہے رہن کر دیا تھا۔[3]

دفعہ ۱۹۴ — شرط اس امر کے متعلق کہ آیا خریدار کا مسلمان ہونا ضرور ہے — الہ آباد[3] اور پٹنہ[4] کی تجویزوں کے مطابق حق شفعہ کے حصول کے لئے خریدار کا

---

[1] سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۹۰۷، ۱۰۷۱، ۷۷ انڈین کیسز ۹۹۴؛ سنہ ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۴۰۸ مذکورہ سابق؛ حاجی سلطان بنام مینتو سنہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۶۸۹، ۹۷ انڈین کیسز ۴۴۷، سنہ ۲۶ آل مذکورہ سابق؛ مہربی ٹھاکر راؤ دیپکا بنام بھورا شیام سنہ ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۱۶۵، ۷۴ انڈین کیسز ۲۸۳، سنہ ۲۳ آل انڈیا الہ آباد ۲۶۵ ۔

[2] ابا گرلال بنام جے لال سنہ ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۸۲ ۔

[3] گوبند دیال بنام عنایت اللہ سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۷۵؛ عباس علی بنام مایا رام سنہ ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹ ۔

[4] اچھو تانندا بنام بیکی سنہ ۱۹۲۲ء ۱ پٹنہ ۸۷۵، ۶۹ انڈین کیسز ۶۶۶، ۲۲ انڈین اپیلز ۱۰۶ ۔

مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ کلکتہ[1] اور بمبئی[2] کی تجویزوں کے لحاظ سے خریدار کا مسلمان ہونا لازم ہے بہ استثناے ان صورتوں کے جن کا ذکر دفعات ۱۸۰ اور ۱۸۰ الف میں کیا گیا ہے۔ مگر تینوں (غالباً چاروں - مترجم) مقام کی عدالتیں اس پر متفق ہیں کہ بائع اور شفیع دونوں کا مسلمان ہونا لازم ہے[3]۔

مدراس کے فیصلے اس بارے میں نہیں ہیں، کیونکہ وہاں شفعہ کا قانون مسلمانوں سے بھی تعلق نہیں کیا جاتا (دفعہ ۱۷۸)۔

بائع کا مسلمان ہونا ضرور ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان شفعہ کا دعوی نہیں کر سکتا اگر بائع ہندو یا یوروپین ہو، اگرچہ مشتری مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

شفیع کا بھی مسلمان ہونا ضرور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے اور بعدہ جائداد مشفوعہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ جائداد کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر سکے اسے اپنے مسلمان پڑوسیوں کو خریدنے کا موقع دینا ہوگا۔ لیکن غیر مسلم پر کوئی ایسا وجوب عاید نہیں ہوتا، وہ جس شخص کے ہاتھ چاہے اسے فروخت کر سکتا ہے۔ قانون شفعہ حق اور وجوب دونوں کو پیش نظر رکھتا ہے، اس لئے اگر غیر مسلم کو شفعہ کا حق دیا جائے تو اسے ایک ایسا حق دینا ہوگا جس کے ساتھ کوئی وجوب نہیں ہے۔

---

[1] قدرت اللہ بنام مہانی موہن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ ۱۳۴۔

[2] بیتارام بنام ہیراج ال ۱۹۱۷ء ۱۹ بمبئی ۲۳۶، ۲۴۹ — ۲۵۰، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲؛ محمد بنام نارائن ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۵۸، ۳۶۲، انڈین کیسز ۹۳۲؛ حمید میاں بنام انجمن ۱۹۲۹ء ۵۳ بمبئی ۱۱۸، ۵۲۵ انڈین کیسز ۴۷۰، ۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۶ [خریدار بنی اسرائیلی تھا]۔

[3] دوار کاداس بنام حسین بخش ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۶۴ (خریدار ہندو)؛ پونو نگھہ بنام ہری چرن ۱۸۷۲ء ۱۰ بمبئی لا رپورٹ ۱۱۷ (خریدار یوروپین)؛ قربان بنام چھوٹی ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲ [شفیع شیعہ بمقابلہ سنی خریدار اور سنی بائع کے]۔

قربان[1] کے مقدمے میں الہ آباد ہائی کورٹ نے جو فیصلہ کیا وہ اسی اصول پر مبنی ہے۔ مقدمۂ مذکور میں یہ قرار پایا کہ شیعہ مسلمان پڑوسی کی بنا پر شفعہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب کہ بائع سنی ہو۔ فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ سنیوں کے قانون کے لحاظ سے کوئی پڑوسی، پڑوسی ہونے کی حیثیت سے، شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ اگر اسے شفعہ کا حق دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ اپنا مکان جس کے ہاتھ چاہے فروخت کر دے اور اس کا سنی پڑوسی شفعہ کا دعویٰ کامیابی کے ساتھ نہ کر سکے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق، خریدار کا بھی مسلمان ہونا ضرور ہے، اس لحاظ سے ایک مسلمان کو اس جائداد کے متعلق حق شفعہ حاصل نہیں ہو سکتا جسے دوسرا مسلمان کسی ہندو کے ہاتھ فروخت کرے — اس فیصلے کی رو سے، حق شفعہ ایسا حق قرار پاتا ہے جو متعلق بہ اراضی نہیں بلکہ صرف ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر وہ حق متعلق بہ اراضی ہوتا تو اس کا دعویٰ ہندو یا کسی غیر مسلم خریدار کے مقابلے میں بھی ہو سکتا۔ "ہم..... بنظر انصاف، نصفت و نیک نیتی یہ تجویز کسی طرح نہیں کر سکتے کہ ایک ہندو خریدار ایسے ضلع میں جہاں ہندوؤں میں شفعہ کا رواج نہ ہو، شرع اسلام کے لحاظ سے، جو اس کا قانون نہیں ہے، اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی خرید کردہ جائداد ایک مسلمان شفیع کے حوالے کر دے۔"
برخلاف اس کے الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ خریدار کا مسلمان ہونا ضرور نہیں ہے، اور اس لئے شفعہ کا دعویٰ ہندو خریدار کے مقابلے میں بھی ہو سکتا ہے۔ عدالت مذکور کی رائے کے مطابق ایک مسلمان مالک جائداد پر شرع اسلام کی رو سے لازم ہے کہ وہ اپنی جائداد کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے سے قبل اسے اپنے مسلمان پڑوسیوں یا شرکا کے سامنے فروخت کے لئے پیش کرے؛

[1] ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲ مذکورۂ سابق۔

اور یہ اس کی جائداد کا ایک لازمہ ہے جو جائداد کے ساتھ رہتا ہے، خریدار خواہ مسلمان ہو یا نامسلمان۔ بمبئی ہائیکورٹ نے کلکتہ ہائیکورٹ کی رائے کو اختیار کر لیا ہے؛ پس کلکتہ اور بمبئی ہائیکورٹوں کی رائے کے مطابق ہندو خریدار کے مقابلے میں حق شفعہ انھی مقامات میں نافذ کرایا جا سکتا ہے جہاں حق مذکور بطور رواج تسلیم کیا جاتا ہو، جیسا کہ دفعہ ۱۸۰ میں بیان کیا گیا ہے؛ یا کسی معاہدے سے پیدا ہوا ہو، جیسا کہ دفعہ ۱۸۱ الف میں مذکور ہے۔

دفعہ ۱۸۵۔ شفیع کے ہاتھ فروخت کی حالت میں حق شفعہ — جب ایک ہی قسم کے دو یا دو سے زیادہ شفیع ہوں اور ان میں سے ایک شفیع جائداد دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے، تو دوسرے شفیع اس کے مقابلے میں اپنے حصوں کے مطابق شفعہ کا دعویٰ کرنے کے مستحق ہوں گے[1]۔ اسی طرح جب جائداد ایک شفیع اور ایک اجنبی کے ہاتھ فروخت کی جائے تو دوسرے شفیع اپنے حصوں کے شفعہ کا دعویٰ شفیع مشتری اور اجنبی کے مقابلے میں کر سکیں گے[2]۔

[(الف) زید، عمر اور بکر ایک جائداد کے شریک ہیں۔ زید اپنا حصہ عمر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ بکر نصف جائداد کے متعلق شفعہ کا دعویٰ

۱؎ امیر حسن بنام رحیم بخش ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۴۶۶؛ عبد اللہ بنام امانت اللہ ۱۸۹۹ء ۲۱ الہ آباد ۲۹۲؛ محمد یعقوب بنام کنھائی لال ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۳۸۴، ۶۴ انڈین کیسز ۴۷۰، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۰۷، جس میں اہل ہنود کے متعلق مقدمہ بلدیو بنام بدری ناتھ ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۱۹ سے اختلاف کیا گیا؛ ضیاء الدین بنام ابول ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۷۸۴، ۷۷ انڈین کیسز ۴۷، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۲۰۵؛ نادر حسین بنام صادق حسین ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۳۲۴، ۳۲۶، ۸۶ انڈین کیسز ۵۸۹، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۳۶۱؛ گوکل داس بنام جمیعت رام ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۸۸۱، ۵۸ انڈین کیسز ۲۷۹ [اجلاس کامل]؛ عنایت اللہ بنام کوثر علی ۱۹۲۱ء ۴۸ کلکتہ ۲۶۶، ۹۸ انڈین کیسز ۲۲۰، ۱۹۲۶ء آل انڈیا کلکتہ ۳۵۱، جس کے ذریعے سے فیصلہ مقدمہ لالہ نوبت لال بنام لالہ جیون لال ۱۸۸۱ء ۴ کلکتہ ۸۳۱ منسوخ ہوا۔

۲؎ سالک رام بنام رگھبیر دیال ۱۸۸۵ء ۱۲ کلکتہ ۲۲۴۔

کرسکتا ہے: عنایت اللہ بنام کوثر علی ۱۹۲۶ء ۵۴ کلکتہ ۲۶۶، ۹۸ انڈین کیسنز ۲۲۰، ۱۹۲۶ء آل انڈیا کلکتہ ۱۱۵۳۔

(ب) زید، عمر، بکر اور خالد ہر ایک کا مکان ایک خانگی کوچے میں واقع ہے جو سب میں مشترک ہے۔ زید اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اس صورت میں عمر، بکر اور خالد سب مکان فروختہ شدہ کے ملحقہ حق یعنی مرور میں شریک ہیں۔ اس لئے بکر اور خالد ثلث مکان کی شفعہ کے دعویدار ہو سکتے ہیں: امیر حسن بنام رحیم بخش ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۴۶۶۔

(ج) زید، عمر، بکر ایک جائداد کے شریک ہیں۔ زید اپنا حصہ عمر اور خالد کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ بکر نصف جائداد کے متعلق شفعہ کے دعوے کا مستحق ہے: سالک رام بنام رگھبیر دیال ۱۸۸۱ء ۵ کلکتہ ۲۲۴]

کلکتہ ہائی کورٹ کی ایک زمانے میں یہ رائے تھی[1] کہ جب چند شریک ہوں اور ان میں سے ایک اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے تو خریدار کے خلاف کوئی دوسرا شریک شفعہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ چیف جسٹس گارتھ نے اس فیصلے کے وجوہ یہ بیان کئے تھے کہ "اس قاعدے (شفعہ) کا .. مقصد یہ ہے کہ ناپسندیدہ اجنبی کے شریک یا پڑوسی ہونے سے جو زحمتیں ایک خاندان یا جماعت کو پہنچ سکتی ہیں وہ نہ پہنچنے پائیں۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ اگر ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس سے ایسی کوئی زحمت نہیں پہنچ سکتی"۔ الہ آباد اور بمبئی ہائی کورٹ کی رائے اس سے مختلف تھی۔ ان کی رائے کی منجملہ اور بنیادوں کے ایک بنیاد یہ تھی کہ ہدایہ کا بنا یا ہوا یہ قاعدہ کہ "جب حق شفعہ کے

[1] ۱۸۷۸ء ۴ کلکتہ ۱۳۱، گزشتہ۔

چند مستحق ہوں تو سب کا حق مساوی ہوگا۔ شفیع کی بیع سے بھی اسی طرح متعلق ہوگا جس طرح اجنبی کی بیع سے متعلق ہوتا ہے۔ کلکتہ ہائیکورٹ کے ایک خاص اجلاس نے اب اس معاملے میں وہی رائے قائم کی ہے جو الہ آباد اور بمبئی ہائی کورٹ کی تھی[1]۔

دفعہ ۱۸۶۔ طلب شفعہ ـــــ کوئی شخص حق شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ:

(۱) وہ بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ کے متعلق دعویٰ کرنے کے ارادے کا اظہار نہ کرے۔ یہ عمل طلب مواثبت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے (جس کے لفظی معنی کودنے کی طلب کے ہیں یعنی فوری طلب)[2]، اور جب تک کہ:

(۲) وہ بلا کسی غیر ضروری تعویق کے اپنے ارادے کی توثیق نہ کرے جس میں صاف طریقے سے یہ بتایا جائے کہ طلب مواثبت قبل ازیں کی جا چکی ہے[3] اور یہ باضابطہ طلب ـــــ

(الف) یا تو خریدار یا بایع کے سامنے یا جائداد مبیعہ[4] پر کی جائے۔

(ب) یا دو گواہوں کے مواجہے میں ہو[5]۔ یہ عمل طلبِ اشہاد کہلاتا ہے (یعنی اپنی طلب پر شہادت کا مہیا کرنا)۔

---

[1] ۱۹۲۶ء ۵۳ کلکتہ ۲۶۶، ۵۰ انڈین کیسز ۲۲۰، ۲۶ء آل انڈیا کلکتہ ۱۱۵۳ گزشتہ۔

[2] رجب علی بنام چندی چرن ۱۸۹۰ء، ۱۷ کلکتہ ۵۴۳؛ مبارک حسین بنام کنیز بانو ۱۹۰۴ء ۲۷ الہ آباد ۱۶۰؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۹۲۳، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹، جس میں مقدمہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵ کی تائید کی گئی؛ صادق علی بنام عبدل ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۹۰، ۲۹۱، انڈین کیسز ۲۹، ۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۱۔

[3] کلثوم بی بی بنام فقیر محمد ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۲۹۸؛ محمد عثمان بنام محمد عبدل ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۱۷، ۱۱ انڈین کیسز ۳۱۹۔

[4] عماد الدین بنام محمد ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۱۰۰۵، ۱۳۳ انڈین کیسز ۳۰۴، ۳۱ء آل انڈیا الہ آباد ۴۳۶، جس میں مقدمہ گنگا پرشاد بنام اجودھیا ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۲۴ سے اختلاف کیا گیا۔

دیکھو نوٹ (۴) آیندہ۔

تشریح اول —— طلب مواثبت بیع کی تکمیل کے بعد ہونی چاہیئے، اگر وہ قبل تکمیل بیع کی جائے گی تو بے اثر ہوگی [دفعہ ۱۸۲]۔

تشریح دوم —— یہ ضرور نہیں ہے کہ طلب مواثبت اور طلب اشہاد شفیع بذات خود کرے۔ شفیع کے منتظم[1] یا کسی ایسے شخص کا جسے پہلے سے اس کام کی اجازت دی گئی ہو، یہ عمل کافی متصور ہوگا۔ شفیع کے باپ یا بھائی کی طلب، اگرچہ اسے بھی حق شفعہ حاصل ہو، ناکافی متصور ہوگی جب تک کہ وہ پہلے سے ایسی طلب کا مجاز نہ کیا گیا ہوگا[2]۔ اگر شفیع دور ہے تو یہ طلب خط کے ذریعے سے عمل میں آسکتی ہے[3]۔

تشریح سوم —— اگر طلب اشہاد خریدار کے مواجہے میں کی جائے، تو یہ ضرور نہیں ہے کہ جائداد مشفوعہ پر وہ اس وقت حقیقی طور سے قابض بھی ہو[4]۔

تشریح چہارم —— جب دو یا دو سے زیادہ اشخاص شفیع ہوں، تو ہر ایک کو طلب مواثبت و اشہاد کرنی چاہیئے، بجز اس کے کہ کسی ایک کو باقی شفیعوں نے اپنی طرف سے ایسی طلب کا مجاز کر دیا ہو اور وہ ان کی طرف سے اس طلب کو عمل میں لائے۔ اگر چند شخص شفعہ کا دعویٰ کریں اور ان میں سے ایک نے صرف اپنی طرف سے طلب مواثبت اور اشہاد کی ہو، تو اس کا مقدمہ چلتا رہے گا، باقی مدعیوں کے دعوے خارج کر دئے جائیں گے[5]۔

جب دو یا دو سے زیادہ خریدار ہوں، اور طلب اشہاد بائع کے مواجہے میں یا جائداد مشفوعہ پر نہ کی گئی ہو، تو طلب تمام خریداروں کے مواجہے میں کی جانی چاہیئے[6]۔ اگر طلب

---

[1] آبادی بیگم بنام انعام بیگم ۱۸۷۷ء الہ آباد ۱ ص ۵۲۱؛ علی محمد بنام محمد ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۰۹؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹؛ ہری ہر بنام شیو پرشاد ۱۸۸۴ء ۷ الہ آباد ۴۱ [شفیع پابند اکیٹ تھا اور اس کے مختاروں کی غفلت]؛ شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۶۲ [پہلے سے مجاز ہونا چاہیئے]۔

[2] شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۱ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۶۲۔

[3] سید واجد بنام لالہ ہنومان ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ؛ آل انڈیا کلکتہ ۳۹؛ محمد بنام محمد ۱۹۱۶ء ۳۰ الہ آباد ۲۰۱، ۳۲ انڈین کیسز ۳۴۹۔

[4] علی محمد بنام محمد ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۰۹۔

[5] شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۶۲۔

[6] علی مان بنام علی حسن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۹۴، ۷۳ انڈین کیسز ۱۰۲۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۳۵۵۔

ان میں سے صرف بعض کے مواجہے میں کی گئی ہے، تو صرف انھی خریداروں کے حصوں کے متعلق شفعہ کا دعویٰ چل سکے گا۔[1]

تشریح پنجم ـــــ طلب مواثبت یا طلب اشہاد کا خاص الفاظ میں ادا کیا جانا لازم نہیں ہے، صرف اپنے دعوے کو صاف اور صریح الفاظ میں ظاہر کر دینا کافی ہے۔[2]

ہدایہ، ۵۵۰، ۵۵۱؛ بیلی، ۴۸۴ ـــــ ۴۹۰۔

(۱) طلب مواثبت طلبِ اوّل اور طلب اشہاد طلبِ ثانی کہلاتی ہے۔ طلبِ ثالث مقدمے کا شفعہ کے لئے دایر کرنا ہے۔ حق شفعہ کو کام میں لانے کے لئے طلب مواثبت اور طلب اشہاد مقدم شرائط ہیں۔[3] طلب اشہاد بھی طلب مواثبت کی طرح لازم ہے۔[4] ہدایہ میں لکھا ہے (صفحہ ۵۵۰) کہ "حق شفعہ ایک کمزور حق ہے، کیونکہ اس میں آیندہ پیش آنے والی زحمتوں کو روکنے کے لئے ایک شخص کو اس کی جائداد سے بے دخل کرنا پڑتا ہے (دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۰۵ گزشتہ)۔ اور اسی لئے تمام مراتب متعلقہ کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی ہونی چاہئے، اور ان کی پابندی کا صریح اور صاف ثبوت ہونا لازم ہے۔[5] شفیع کا سب رجسٹرار کو عرضی دے کر یہ استدعا کرنا کہ بیع نامہ کی رجسٹری روک دی جائے طلب مواثبت نہیں متصور ہوتی، کیونکہ اس سے حق شفعہ پر اصرار ظاہر نہیں ہوتا۔[6] مدعی کی بیع کو اطلاع ہوتے ہی

---

[1] محمد عسکری بنام رحمت اللہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۱۰۵۷/۱۶، ۱۰۵ انڈین کیسز ۱۷۱، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۵۴۸۔

[2] جگ دیب بنام محمد ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲؛ محمد نذیر بنام مخدوم ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۵۳، ۱۱ انڈین کیسز ۴۳۷۔

[3] دیونندن پرشاد بنام رام دھری ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۶۷۵، ۶۸۳، ۴۴ انڈین اپیلز ۸۰، ۸۲، ۳۹ انڈین کیسز ۹۵۸۔

[4] محمد بنام مادھو پرشاد ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۱۳۳، ۳۵ انڈین کیسز ۹۱۱۔

[5] جادو سنگھ بنام راج کمار ۱۸۷۰ء ۴ بمبئی لا رپورٹ، آل انڈیا کلکتہ ۱۷۱۔

[6] خیالی بنام ملک ۱۹۱۶ء ۱ پٹنہ لا جرنل ۱۷۲، ۳۴ انڈین کیسز ۲۱۰۔

طلب مواثبت کرنی چاہئے، اس میں ناواجبی یا غیر ضروری تعویق سے یہ سمجھا جائے گا کہ طلب شفعہ منظور نہیں ہے[۱]۔ الہ آباد کی ہائی کورٹ نے ایک مقدمے میں بارہ گھنٹے کی دیر کو ضرورت سے زیادہ تصور کیا[۲]۔ کلکتے کے ایک مقدمے میں شفیع بیع کی خبر سنکر "اپنے گھر میں داخل ہوا، اور صندوق کھولا، اور روپیہ" (غالباً مشتری کو دینے کے لئے) نکالے، اور اس کے بعد طلب مواثبت کی۔ عدالت نے اسے شفعہ کا غیر مستحق قرار دیا، اس بنا پر کہ تعویق غیر ضروری تھی[۳] [دفعہ ۱۸۷]۔

(۲) طلب مواثبت کی صحت کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ گواہوں کے موجہے میں کی جائے۔

شفیع کا کسی طرح اپنے ارادے سے مطلع کر دینا کافی ہے، مگر طلب اشہاد کا گواہوں کے مواجہے میں عمل میں آنا لازم ہے[۴]۔ طلب اشہاد کرتے وقت شفیع کو اس کا اظہار بھی لازم ہے کہ وہ طلب مواثبت اس سے قبل کر چکا ہے[۵]۔

(۳) طلب اشہاد — مقدمۂ گنگا پرشاد بنام جودھیا[۶] میں الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ طلب اشہاد کو صحیح طلب قرار دینے کے لئے یہ امر لازم تھا کہ گواہوں سے خاص طور سے یہ کہا جاتا

---

۱ بیج ناتھ بنام رام دھاری ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۴۰۲، ۳۵ انڈین اپیلز ۶۰۔

۲ علی محمد بنام تاج محمد ۱۸۷۶ء ۱ الہ آباد ۲۸۳۔

۳ جعفر خاں بنام جبار میاں ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۳۸۳۔

۴ جادو سنگھ بنام راج کمار ۱۸۷۰ء ۴ بنگال لا رپورٹ آل انڈیا کلکتہ ۱۷۱۔

۵ مبارک حسین بنام کنیز بانو ۱۹۰۴ء ۲۷ الہ آباد ۱۶۰؛ صادق علی بنام عبدل ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۹۰، ۷۱ انڈین کیسز ۲۳۱ آل انڈیا الہ آباد ۲۵۱۔

۶ ۱۹۰۴ء ۲۸ الہ آباد ۲۴۔

کہ وہ اس طلب کے عمل میں لائے جانے کے گواہ رہیں۔ ایک بعد کے مقدمے میں[1] اس کی استثنائی صورت اختیار کی گئی اور یہ قرار پایا کہ جب شفیع نے طلب مواثبت گواہوں کے مواجہے میں کی ہے اور گواہوں کو اپنے ساتھ مشتری کے پاس لے جاکر طلب اشہاد ان کے سامنے عمل میں لایا اور ان کی توجہ ادھر مبذول کرائی ہے تو اس کا محض بصراحت یہ نہ کہنا کہ تم لوگ اس طلب کے گواہ رہنا سقوط حق کا مستوجب نہیں ہو سکتا۔ ایک اور بعد کے مقدمے[2] میں مقدمہ گنگا پرشاد بنام اجودھیا سے اختلاف کر کے یہ قرار دیا گیا کہ طلب اشہاد میں گواہوں سے بصراحت یہ کہنا ضرور نہیں ہے کہ تم اس طلب کے گواہ رہنا، طلب کا گواہوں کے مواجہے میں اس طور سے عمل میں آنا کہ وہ اسے سن لیں کافی ہے۔ لیکن اس کا کم سے کم دو گواہوں کے سامنے کیا جانا لازم ہے گو دونوں کو عدالت میں پیش کرنا ضرور نہیں۔

(۴) طلب اشہاد اور طلب مواثبت ایک ساتھ کی جا سکتی ہے ——

اگر طلب مواثبت کے وقت شفیع کو اس کا موقع ہو کہ وہ مشتری یا بائع کی موجودگی میں یا جائداد مشفوعہ پر اپنی طلب مواثبت کے متعلق لوگوں کو گواہ کر سکے اور ان سے گواہ رہنے کی درخواست کرے تو یہ عمل دونوں طلبوں کا کام دے گا یہی ایک ایسی صورت ہے جس میں طلب مواثبت طلب اشہاد کے ساتھ شریک کی جا سکتی ہے[3]۔

(۵) طلب مواثبت ایسے الفاظ میں کی جا سکتی ہے جیسے "میں شفعہ کا دعویٰ کرتا ہوں" [ہدایہ ۱۵۵] — شفیع طلب اشہاد میں یہ کہہ سکتا ہے کہ "فلاں شخص نے فلاں مکان خریدا ہے جس کا میں شفیع ہوں، میں اپنے حق شفعہ کا دعویٰ کر چکا ہوں اور اب پھر دعویٰ کرتا ہوں، آپ لوگ گواہ رہیں" [ہدایہ ۱۵۵] لیکن

---

[1] احمد حکیم بنام محمد ۱۹۲۰؁ ۴۹ الہ آباد ۳۸۵، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۹، ۱۹۲۷؁ آل انڈیا الہ آباد ۲۸۹۔

[2] امام الدین بنام محمد ۱۹۳۰؁ ۵۲ الہ آباد ۱۰۰۵، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۰۴، ۱۹۳۱؁ آل انڈیا الہ آباد ۶۳۶۔

[3] بیلی ۴۹۰: نانھو بنام شادی ۱۹۱۵؁ ۳۰ الہ آباد ۲۲، ۲۹ انڈین کیسز ۴۹۵: رجب علی بنام چنڈی چرن ۱۸۹۰؁ ۱۷ کلکتہ ۵۴۳ [اجلاس کامل]۔

اس کے لئے خاص کلمات کا استعمال کرنا ضرور نہیں ہے [ہدایہ، ۵۵۱]۔ قانون جو کچھ چاہتا ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ طلب اس مقصد (حق شفعہ) کے اظہار کے لئے کافی ہو۔ اگر چند خریدار ہوں، تو تمام خریداروں کا نام لینا نہ طلب اول میں ضرور ہے اور نہ طلب ثانی میں۔ اسی وجہ سے جب ایک شفیع نے پانچ خریداروں کے مقابلے میں شفعہ کا دعوی کیا، اور یہ الفاظ استعمال کئے کہ "جگدیپ سنگھ اور دوسرے لوگوں نے جائداد خریدی ہے اور میں نے شفعہ کا دعوی کیا ہے" وغیرہ، اور یہ بیان دو خریداروں کے مواجہے میں اور تین خریداروں کے خالی مکانوں کے سامنے کیا گیا تھا، تو عدالت نے یہ تجویز کی کہ طلب باضابطہ تھی، اور دعوے کے پیش کئے جانے میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجایش نہ تھی[1]۔

(۶) ـــــ دیکھو دفعہ ۱۸۲ کی توضیح نشان (۱)، اور توضیح نشان (۲) اور اس کے متعلقہ نوٹ۔

دفعہ ۱۸۶ الف۔ طلب کے بعد خریدار کا جائداد کو منتقل کر دینا ـــــ شفیع کی "طلب" کی حسب قانون [دفعہ ۱۸۶] تکمیل ہو جانے کے بعد، اگر خریدار جائداد مشفوعہ کو منتقل کر دے تو اس سے شفیع کے حق پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور نہ شفیع کے لئے یہ ضرور ہوگا کہ وہ منتقل الیہ کے مقابلے میں دوبارہ "طلب" کا عمل کرے[2]۔

دفعہ ۱۸۷۔ قیمت کا پیش کرنا لازم نہیں ہے ـــــ شفعہ کے دعوے کے جواز کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ شفیع طلب اشہاد [دفعہ ۱۸۶] کے وقت قیمت بھی پیش کرے۔ شفیع کا قیمت مندرجۂ بیع نامہ، یا اگر اسے یہ باور کرنے کی معقول وجہ ہو کہ قیمت مندرجۂ بیع نامہ فرضی ہے تو وہ قیمت جو عدالت کی رائے میں خریدار نے فی الحقیقت ادا کی ہو،

---

[1] جگدیپ بنام محمد، سنہ ۱۹۰۵ء، ۳۲ کلکتہ ۹۸۲۔

[2] محمد ابدال بنام محمد، سنہ ۱۹۲۴ء، ۴۶ الہ آباد ۸۸۹، ۷۹، انڈین کیسز ۱۰۵۳، سنہ ۲۲ آل انڈیا الہ آباد ۸۰۶۔

ادا کرنے پر صرف آمادگی اور تیاری کا اظہار کر دینا کافی ہو گا[1]۔

دفعہ ۱۸۸ا۔ **شفیع کی موت** —— اگر شفعہ کے مقدمے کے دوران میں شفیع فوت ہو جائے، تو اس کے قانونی قائم مقام اسے چلا سکتے ہیں۔

زید، عمر پر شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ مقدمے میں ڈگری ہونے سے پہلے زید فوت ہو جاتا ہے۔ حنفی قانون کے مطابق، حق شفعہ ساقط ہو گیا اور زید کے وارث اسے نہیں چلا سکتے[2]۔ شیعہ اور شافعی قانون کے لحاظ سے ساقط نہیں ہوا، زید کے وارث مقدمہ جاری رکھ سکتے ہیں: بیلی، جلد دوم، ۱۹۰؛ ہدایہ، ۵۶۱۔ پروبیٹ اور اڈمنسٹریشن ایکٹ ۱۸۸۱ء کی دفعہ ۹۸ کی رو سے بھی [جواب ایکٹ نشان ۳۹ ۱۹۲۵ء وراثت ہند کی دفعہ ۳۰۶ ہے] یہ حق ساقط نہیں ہوتا، اور زید کے قانونی قایم مقام اسے جاری رکھ سکتے ہیں؛ یعنی اس کے مہتمم ترکہ یا وصی۔ ایکٹ مذکور مسلمانوں سے بھی متعلق ہے، اور بمبئی ہائی کورٹ کے ایک حال کے فیصلے کا یہ اثر ہے کہ فریقین مقدمہ خواہ کسی فرقے کے ہوں، اس قسم کے مقدمات میں، اسی قاعدے سے کام لیا جائے گا جو ایکٹ مذکور میں بتایا گیا ہے؛ یعنی اگر زید کوئی وصیت نامہ لکھ کر فوت ہوا ہے تو مقدمہ اس کا وصی چلا سکے گا، اور اگر وہ بغیر وصیت کے فوت ہوا ہے تو اس کے وارث سند اہتمام ترکہ حاصل کرنے کے بعد مقدمہ جاری رکھنے کے مجاز

---

[1] بیلی، ۴۹۴؛ ہیرا لال بنام مورت لال ۱۸۶۹ء ۱۱ ویکلی رپورٹ ۲۷۵؛ لاجا پرشاد بنام دیبی پرشاد ۱۸۸۰ء ۳ الہ آباد ۲۳۶؛ نندو پرشاد بنام گوپال ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۰۰۸؛ کریم بخش بنام خدا بخش ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۲۴۷، ۲۴۸۔ دیکھو جگت سنگھ بنام بدلیو پرشاد ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد، ۱۳۷؛ ۵۹ انڈین کیسز ۶۷۹، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۲۹۰ [فروخت بہ مرتہن]۔

[2] بیلی، ۵۰۵ - ۵۰۶؛ محمد حسین بنام نعمت النساء ۱۸۹۷ء ۲۰ الہ آباد ۸۸۔

ہوں گے۔[۱]

دفعہ ۱۸۹۔ شفعہ کے حق کا تسلیم بالسکوت سے زائل ہو جانا

اگر شفیع خریدار سے مصالحت کرے، یا کسی دوسرے طریقے سے بیع کو بسکوت مان لے،[۲] تو اس کا حق شفعہ زائل ہو جائے گا۔ لیکن شفیع کا مقدمہ چلانے سے بچنے کے لئے خریدار سے یہ کہنا کہ وہ خرید کی قیمت ادا کر کے جائداد لینے پر رضامند ہے، تسلیم بالسکوت نہ متصور ہوگی۔[۳]

دفعہ ۱۸۹ الف۔ غیر مستحق شفیع کو زمرۂ مدعیان میں شریک کر لینے سے شفعہ کا حق زائل ہو جاتا ہے

اگر ایک مستحق شفیع اپنے ساتھ ایسے شخص کو بطور مدعی کے شریک کرے جسے شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے، تو اس کا مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ ایسے شخص کو اپنے ساتھ مدعی بنائے جو، اگر ضروری طلب مواثبت و اشہاد وغیرہ کرتا [دفعہ ۱۸۶]، تو شفعہ کا مستحق ہو جاتا،[۴] تو مقدمہ خارج نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۹۰۔ فروخت سے قبل خریداری سے انکار کرنے کی بنا پر شفعہ کا حق زائل نہیں ہو جاتا

حق شفعہ خریداری کی تکمیل کے بعد پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس واقعے سے کہ بیع کی تکمیل سے پہلے جائداد کی خریداری کا شفیع کو اختیار دیا گیا تھا اور

۱۔ سید ضیاء الحسن بنام سیتارام ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۴۴؛ ۱۲۶ انڈین کیسز ۲۰۷ [شافعی]؛ سیتارام بنام سید سراج الحق ۱۹۱۷ء ۱۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۳۲، ۶۴۲ انڈین کیسز ۳۲، جو سیتارام بنام ضیاء الحسن ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۰۵۶، ۱۰۶۱ کے مرافعے میں پرایوی کونسل سے بحال رہا۔ ۴۸ انڈین اپیلز ۴۷۵، ۴۸۹، ۶۴ انڈین کیسز ۸۲۶، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۴۸۔ دیکھو ضابطۂ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۲۲، قاعدہ ۱۔

۲۔ حبیب النساء بنام برکت علی ۱۸۸۶ء ۸ الٰہ آباد ۲۷۵؛ امیر حیدر بنام علی احمد ۱۹۲۵ء ۴۷ الٰہ آباد ۶۳۵، ۸۸ انڈین کیسز ۲۳۴، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الٰہ آباد ۴۲۴ (نابالغ)۔

۳۔ محمد نثار الدین بنام ابوالحسن ۱۸۹۴ء ۱۶ الٰہ آباد ۳۰۰؛ محمد یونس بنام محمد یوسف ۱۸۹۷ء ۱۹ الٰہ آباد ۳۳۴۔

۴۔ دوارکا سنگھ بنام شیو شنکر ۱۹۲۶ء ۴۳ الٰہ آباد ۹۸، ۱۰۸، ۹۸ انڈین کیسز ۱۰۰۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۶۸؛ بھنت توکھ نراین بنام رام رکھا ۱۹۲۶ء ۵ پٹنہ ۹۶، ۹۰ انڈین کیسز ۸۰۶، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۴۳۔

اس نے خریدنے سے انکار کیا، اس کا حق شفعہ زایل نہیں ہو جاتا [دفعہ ۱۸۶، تشریح ۱] شفیع کا بیع کے معاملے سے قبل از قبل مطلع ہونا اور بایع سے جائداد کی خریداری پر آمادگی کا اظہار نہ کرنا، بہ درجۂ اولیٰ اس حق کے زوال کا موجب نہ قرار پائے گا[1]۔

دفعہ ۱۹۰ الف۔ بیع کے متعلق پہلے سے مطلع ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق زایل نہیں ہو جاتا ــــــ شفعہ کا حق بیع کی تکمیل کے بعد پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس واقعے سے کہ شفیع کو جائداد کے معرض فروخت میں ہونے کا علم تھا اور اس نے خریداری پر آمادگی نہ ظاہر کی، اس کا حق شفعہ زایل نہ ہو جائے گا[2] [دفعہ ۱۸۶، تشریح ۱]۔

دفعہ ۱۹۱۔ دو مختلف اشخاص کے ہاتھ فروخت ــــــ جب جائداد دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے ہاتھ فروخت کی جائے تو شفیع مجاز ہو گا کہ جس شخص کے حصے کے متعلق چاہے دعویٰ کرے[3] [دفعہ ۱۸۶، تشریح ۴]۔

دفعہ ۱۹۱ الف۔ شفعہ کا دعویٰ؛ اور وہ کن امور پر مشتمل ہونا چاہیئے ــــــ جب جائداد ایک شخص کے ہاتھ فروخت کی جائے، تو شفعہ کے دعویدار کو اس کل حقیت کا دعویٰ کرنا چاہیئے جو خریدار کی طرف منتقل کی گئی ہے۔ جس مقدمے میں ایسی کل حقیت کا دعویٰ نہیں کیا جاتا وہ ناقص ہے[4]، اور (نمبر ۲) نہ لیا جانا چاہیئے[5]۔

تمام جائداد مبیعہ کے سوائے (یعنی جزءِ جائداد کے متعلق)

شفعہ کا حق نہ دینے کا اصول یہ ہے کہ اگر شفیع کو معاملے کی تجزی کا

---

[1] آبادی بیگم بنام انعام بیگم ۱۸۷۷ء ۱ الہ آباد ۵۲۱؛ کنھیا لال بنام کار کاپرشاد ۱۹۰۵ء ۲۷ الہ آباد ۶۷۰۔

[2] محمد عسکری بنام رحمت اللہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۷۱۶، ۱۰۵ انڈین کیسز ۱۷۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۴۵۔

[3] محمد عسکری بنام رحمت اللہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۷۱۶، ۱۰۵ انڈین کیسز ۱۷۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۴۵۔

[4] ایضاً۔

[5] درگا پرشاد بنام منسی ۱۸۸۴ء ۶ الہ آباد ۴۲۳۔

اختیار دیدیا جائے، تو وہ جائداد کا بہترین حصہ منتخب کر کے خراب حصہ خریدار کے لئے چھوڑ دے گا[1]۔ "حق شفعہ کا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ شفیع کو ایسے بے اصول انتخاب کا اختیار دیا جائے[2]۔ لیکن جب خود خریدار جائداد کا ایک حصہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو شفیع کو اس حصے کے متعلق حق شفعہ حاصل رہتا ہے جو خریدار کے پاس باقی رہ جاتا ہے[3]۔

میعاد — حق شفعہ نافذ کرانے کے لئے، مقدمہ، خریدار کے جائداد مبیعہ پر حقیقی قبضہ حاصل کرنے کی تاریخ سے، یا اگر مبیعہ ایسی شے ہو جس پر حقیقی قبضہ حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ تو دستاویز بیع کی رجسٹری ہونے کی تاریخ سے، ایک سال کے اندر دائر ہونا چاہیئے [ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء ضمیمہ ۱، مد ۱۰]۔ اگر شے مبیعہ حقیقی قبضے کے ناقابل ہو اور دستاویز بیع کی رجسٹری بھی نہ کرائی گئی ہو تو ایسے مقدمے سے مد (۱۰) نہیں بلکہ مد (۱۲۰) متعلق ہو گی[4]۔ جب شخص مستحق شفعہ نابالغ ہو، تو اس کا ولی اس کی طرف سے دعویٰ کر سکتا ہے، گر مقدمۂ مذکورۂ بالا اندرون میعاد پیش ہونا چاہیئے، شفیع کی نابالغی کی وجہ سے میعاد میں کوئی توسیع نہ دی جائے گی [ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء دفعہ ۸]۔

جائداد مشفوعہ کب شفیع کی ہو جاتی ہے — دیکھو ضابطۂ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۲۰، رول ۱۴۔ دعویٰ شفعہ کے ڈگری ہو جانے اور

---

[1] شیو بھروس بنام جیاپرح رائے ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۴۶۲۔

[2] درگا پرشاد بنام منسی ۱۸۸۴ء ۶ الہ آباد ۴۲۳، صفحہ ۴۲۶۔

[3] اودے رام بنام آتمارام ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۸۰۰۸، انڈین کیسز ۹۶۰، ۱۹۲۴ء آل انڈیا لاہور ۴۳۱۔

[4] بتول بیگم بنام منصور علی ۱۹۰۱ء ۲۴ الہ آباد ۱۷، کونسلا بنام گوپال ۱۹۰۶ء الہ آباد ویکلی نوٹس ۸۳۔

شفیع کے اس قیمت کے ادا کر دینے کے بعد جو بالآخر عدالت سے تجویز ہوئی ہو، جائداد اور اس کی واصلات کا حق شفیع کو حاصل ہو جاتا ہے؛ اس سے قبل جائداد اصل خریدار کے قبضے میں رہتی ہے اور اس کے کرایے اور منافع کا وہی مستحق ہوتا ہے[1]۔

شفعہ کے مقدمے کی ڈگری — دیکھو ضابطۂ دیوانی آرڈر ۲۰، رول ۱۴۔

جائداد مرہونہ — اگر وہ جائداد جس کے قبضے کی ڈگری دی جائے رہن ہو، تو شفیع اسے بار رہن کے ساتھ لے گا[2]۔ اور اگر جائداد مذکور مرتہن کے قبضے میں ہو، تو ڈگری میں یہ حکم دیا جائے گا کہ مرتہن کے قبضے میں انفکاک رہن تک کوئی مداخلت نہ کی جانی چاہیے[3]۔

دفعہ ۱۹۱ ب ۔ حق شفعہ کی ڈگری ناقابل انتقال ہے —

حق شفعہ کی ڈگری قابل انتقال نہیں ہے، اس لئے منتقل الیہ جائداد زیر مقدمہ کا قبضہ ڈگری کی تعمیل میں نہیں پا سکتا ہے[4]۔

دفعہ ۱۹۲ ۔ شفعہ سے بچانے کی شرعی ترکیب

— جب اس امر کا اندیشہ ہو کہ پڑوسی کی طرف سے شفعہ کا دعویٰ کیا جائے گا، تو بائع اپنی جائداد کا وہ حصہ جو پڑوسی کی جائداد سے بالکل ملا ہوا ہو، خواہ وہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو، محفوظ کر کے بقیہ جائداد فروخت کر سکتا ہے اور اس ترکیب سے پڑوسی کا حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔

---

[1] دیو کی نندن بنام سری رام سنہ ۱۸۸۹ء ۱۱ الہ آباد ۲۳۴؛ دیو نندن پرشاد بنام رام دھاری سنہ ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۶۷۵، ۴۴ انڈین اپیلز ۸۰، ۳۹ انڈین کیسز ۹۵۰۔

[2] تیج پال بنام گردھاری لال سنہ ۱۹۰۸ء ۳۰ الہ آباد ۱۳۰۔

[3] شمس الدین بنام علاء الدین سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۱۳۰، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۶۲۔

[4] رام سہائے بنام گیا سنہ ۱۸۸۴ء ، الہ آباد ۱۰۷، ۱۱۱؛ نادر علی بنام ولی سنہ ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۴۸۴، ۸۵ انڈین کیسز ۱۸۲، سنہ ۲۵ آل انڈیا لاہور ۲۰۲؛ مہر خاں بنام غلام سنہ ۱۹۲۱ء ۲ لاہور ۲۸۲، ۶۴ انڈین کیسز ۱۹۱، سنہ ۲۲ آل انڈیا لاہور ۳۰۰۔

ہدایہ، ۵۶۳؛ زیلعی، ۲۱۲ و غیرہ۔ شفعہ کے حق کو باطل کرنے کے لئے شرع اسلام میں جو ترکیبیں بتائی گئی ہیں، ان میں حیل شامل نہیں ہے[1]۔

دیکھو دفعہ ۱۸۲ کے نوٹ زیر عنوان "پٹہ دوامی"۔

دفعہ ۱۹۳۔ شفعہ کے متعلق مختلف فرقوں کا قانون — (۱) اگر بایع اور شفیع دونوں سنی ہیں، تو حق کا تصفیہ سنی قانون سے کیا جائے گا، اور اگر وہ دونوں شیعہ ہیں[2] تو شیعہ قانون سے[3]۔

(۲) اگر بایع سنی اور شفیع شیعہ ہے، تو الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق شفعہ کے مسئلے کا تصفیہ باہمی مساوات کے اصول پر، جس کی تفصیل دفعہ ۱۸۴ کے نوٹ میں کی جا چکی ہے، شیعوں کے قانون سے ہوگا[4]۔

(۳) اگر بایع شیعہ اور شفیع سنی ہو تو الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق، شفعہ کے مسئلے کا تصفیہ شیعوں کے قانون سے[5] ہے؛ مگر کلکتہ ہائی کورٹ کی تجویز کے لحاظ سے سنیوں کے قانون سے ہوگا[6]۔

(۴) ان مقدمات میں خریدار کا ذاتی قانون ناقابل لحاظ ہے[7]۔

دفعہ ۱۹۳ الف۔ شیعہ اور سنی قانون میں شفعہ کے متعلق اختلاف —

(۱) شیعوں کے قانون کے لحاظ سے ایسی جائداد میں جس میں دو یا دو سے زیادہ شریک ہوں،

---

[1] جادولال بنام جانکی کنور ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵، جس کی تائید ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵ میں کی گئی؛ ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۷۹۔

[2] دیکھو گوبند دیال بنام عنایت اللہ ۱۸۸۵ء، الہ آباد ۷۷۵۔

[3] عباس علی بنام مایارام ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹۔

[4] قربان بنام چھوٹے ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲۔

[5] پیر خاں بنام فیاض ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۴۸۸؛ ۲۵ انڈین کیسز ۴۴۵۔

[6] جگ دیب بنام محمد ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲۔

[7] گوبند دیال بنام عنایت اللہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۷۵۔ جگ دیب بنام محمد ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲۔ مگر دیکھو مقدمہ قدرت اللہ بنام ماہنی موہن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ ۱۳۴۔

حقِ شفعہ نہیں ہوتا۔[1]

(۲) شیعوں کے قانون میں نہ پڑوس سے حقِ شفعہ پیدا ہوتا ہے،[2] اور نہ افادوں کے اشتراک سے۔

بیلی، جلد دوم، ۵،۱۷تا ۱۷۹۔ زید، ایک سنّی، اپنی اراضی عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ زید کا ایک پڑوسی خالد، جو شیعہ ہے، شفعہ کا دعویٰ زید اور عمر پر کرتا ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق اس صورت میں شیعہ قانون سے کام لیا جائے گا، اور چونکہ اس قانون کی رو سے کوئی پڑوسی بحیثیت پڑوسی ہونے کے شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا، اس لئے خالد کو شفعہ کا حق نہیں ہے۔ اگر ہم خالد کو اس کے قانون [شیعہ قانون] سے کام لے کر شفعہ کے حق سے محروم کئے دیتے ہیں، تو انصاف اس کا مقتضی ہے کہ جب وہ اپنی جائداد فروخت کرنا چاہے تو وہی قانون اس سے بھی متعلق کیا جائے؛ اور اس کا سنی پڑوسی جو پڑوس کی بناء پر شفعہ کا دعویدار ہو، تو اسے اس حق کے دلانے سے انکار کر دیا جائے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے ان مقدمات میں جن کا حوالہ دفعہ ۱۹۳ کے ضمن ۲، ۳ میں دیا گیا ہے اسی استدلال سے کام لیا ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ کے تمام مقدمات میں سنیوں کے قانون سے کام لیا جانا چاہئے، شاید بہ استثنائے ان مقدمات کے جن میں بائع اور شفیع دونوں شیعہ ہوں۔ عدالت نے جو وجہ ظاہر کی ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں شفعہ کا جو قانون رائج ہے وہ سنیوں کا قانون ہے۔

---

[1] عباس علی بنام مایا رام ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹؛ حسین بخش بنام محفوظ الحق ۱۹۲۵ء ۴۸ الہ آباد ۲۴۴، ۹۲ انڈین کیسز ۹۶۲؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۵۵۹۔

[2] قربان بنام چھوٹے ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲۔

فصل چہاردہم

نکاح، نفقہ، اعادۂ حقوق زناشوئی

الف ۔ نکاح

دفعہ ۱۹۴ ۔ **نکاح کی تعریف** ۔۔۔ نکاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ ایک معاہدہ ہے جس کا مقصد اولاد پیدا کرنا اور اس اولاد کو صحیح النسب قرار دینا ہوتا ہے ۔

ہدایہ، ۲۵؛ بیلی، ۴ ۔

زنا ۔ زنا کے معنی مرد و عورت میں اس صحبت کے ہیں جس کی شرع اسلام میں اجازت نہیں دی گئی ہے ۔ جو اولاد اس تعلق سے پیدا ہو وہ ناجائز (ولدالحرام) ہوتی ہے، اور اقرار بالنسب سے بھی جائز (صحیح النسب) نہیں قرار پاسکتی [دفعہ ۲۹۴ (۲)] ۔

دفعہ ۱۹۵ ۔ **نکاح کی قابلیت** ۔۔۔ (۱) ہر مسلمان جو عاقل اور بالغ ہو، یہ معاہدہ کرسکتا ہے ۔

(۲) مجنون اور کم عمر جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، ان کے نکاح ان کے ولی کرسکتے ہیں اور وہ نکاح جائز سمجھے جاتے ہیں ۔ [دفعات ۲۰۰ ۔ ۲۱۱] ۔

(۳) ایک عاقل اور بالغ مسلمان کا نکاح، جو اس کی رضامندی کے خلاف کردیا گیا ہو،

ناجائز ہے ۔

یہی قاعدہ شافعی مذہب کی اس لڑکی سے بھی متعلق ہے جو حدِ بلوغ کو پہنچ گئی ہو۔[1]

تشریح — شہادت موجود نہ ہونے کی صورت میں، پندرہ سال کی عمر کی تکمیل پر، بلوغ کا قیاس کیا جاتا ہے ۔

ہدایہ، ۲۹ھ ؛ بیلی، ۴ ۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ ہندوستان کا ایکٹ بلوغ ۱۸۷۵ء نکاح، مہر، اور طلاق کے معاملات سے متعلق نہیں ہے ۔ دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۰۱ سابق ۔

نکاح کے متعلق رضامندی جو جبر یا فریب سے حاصل کی گئی ہو —

جس نکاح کی رضامندی اجبر یا فریب سے حاصل کی گئی ہو، وہ باطل ہے، بجز اس کے کہ بعدہ اس کی توثیق ہو جائے۔[2]

دفعہ ۱۹۶ ۔ لوازمِ نکاح — جوازِ نکاح کے لئے لازم ہے کہ دو عاقل اور بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے مواجہے اور سماعت میں نکاح کا ایک فریق خود یا اس کی طرف سے کوئی شخص ایجاب کرے، اور دوسرا فریق خود یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص اسے قبول کرے ۔ ایجاب و قبول دونوں ایک ہی جلسے میں ہونے چاہئیں؛ ایجاب کے ایک جلسے میں اور قبول کے دوسرے جلسے میں کئے جانے سے نکاح جائز نہیں ہوتا، تحریر یا کوئی دوسری مذہبی رسم لازم نہیں ہے۔[3]

ہدایہ، ۲۵، ۲۶ ؛ بیلی، ۴، ۵، ۱۰، ۱۴ ۔

---

[1] حسن کتی بنام جینا بہا ۱۹۲۹ء ۵۲ مدراس ۳۹، ۱۱۳ انڈین کیسز ۳۰۶، ۱۹۲۸ آل انڈیا مدراس ۱۲۸۵ ۔

[2] عبداللطیف بنام نیاز احمد ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۳۴۳، ۳ انڈین کیسز ۳۸۵ (زوجہ کی بیماری چھپائی گئی) ؛ کلثوم بی بنام عبدالقادر ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۵۱، ۵۹ انڈین کیسز ۳۳۴، ۱۹۲۱ آل انڈیا بمبئی ۲۰۵ (حمل چھپایا گیا)۔

[3] ماؤنگ گانی بنام ماشا بہا ۱۹۲۹ء، رنگون ۰۰۰، ۱۲۱ انڈین کیسز ۱۸، ۱۹۲۹ آل انڈیا رنگون ۳۴۱ ۔

ایجاب کی عام شکل یہ ہے "میں نے تمہارا نکاح اپنے ساتھ کرلیا"
اور قبول کے عام الفاظ یہ ہیں "میں نے قبول کیا"۔
نکاح کا درج رجسٹر ہونا ـــــ مسلمانوں کے نکاح کے درج
رجسٹر ہونے کے متعلق دیکھو قانبیوں کا ایکٹ بابت ۱۸۸۰ء اور
بنگال کا ایکٹ نشان ۱ بابت ۱۸۷۶ء جسے ۱۹۰۵ء کے ایکٹ
نشان (۰) کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئیے۔
شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے مذہب کے مطابق نکاح
کے کسی معاملے میں گواہوں کا موجود رہنا ضرور نہیں ہے: بیلیؔ
جلد دوم ۴۔

دفعہ ۱۹۶ الف۔ صحیح، فاسد، اور باطل نکاح ـــــ نکاح
صحیح، فاسد، یا باطل ہو سکتا ہے۔

فاسد یا ناجائز نکاح ـــــ بیلی نے "فاسد" کا ترجمہ لفظ
"Invalid" سے کیا ہے، مگر یہ لفظ انگریزی زبان میں
"Void" (باطل) پر بھی حاوی ہے، اس واسطے میں نے اشاعت
ہذا میں اس مضمون کے حال کے مصنفوں کے اتباع میں لفظ "فاسد"
کا ترجمہ "Irregular" کیا ہے۔ ایسے یعنی فاسد نکاحوں
کے متعلق دیکھو دفعات ۱۹۷ تا ۲۰۰ اور دفعہ ۲۰۴؛ اور باطل نکاحوں
کے متعلق دیکھو دفعات ۲۰۱ تا ۲۰۳۔

دفعہ ۱۹۷۔ گواہوں کا نہ موجود ہونا ـــــ جو نکاح بغیر گواہوں کی
موجودگی کے کیا جاتا ہے، جن کا موجود رہنا حسب دفعہ ۱۹۶ ضرور ہے، وہ نکاح باطل
نہیں بلکہ فاسد ہوتا ہے۔

بیلیؔ، ۱۵۵، فاسد نکاحوں کے لئے دیکھو دفعات ۲۰۴ الف
اور ۲۰۶ جو آگے آتی ہیں۔

دفعہ ۱۹۸۔ بیویوں کی تعداد ـــــ ایک مسلمان ایک وقت میں چار
بیویاں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اگر وہ چار کی موجودگی میں پانچویں عورت کو

نکاح میں لائے، تو یہ نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہوگا۔

بیلی، ٣٠، ١٥٤ (قسم چہارم)؛ امیر علی، اشاعت پنجم، جلد دوم ٢٨٠۔ فاسد نکاحوں کے متعلق، دیکھو دفعات ٢٠٤ الف اور ٢٠٦۔

دفعہ ١٩٨ الف۔ متعدد شوہر —— ایک مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک مرد سے زیادہ کی زوجہ ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح جس کا شوہر زندہ ہو اور جسے اس نے طلاق نہ دی ہو باطل ہے[1]۔

جو مسلمان عورت اپنے شوہر کی زندگی میں دوسرا نکاح کرے وہ تعزیرات ہند کی دفعہ ٤٩٤ کے تحت مستوجب سزا ہے[2]۔ ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولد الحرام متصور ہوگی[3]۔ اور اقرار بالنسب سے بھی صحیح النسب نہ قرار پائے گی[4] [دفعہ ٢٤٩ (٢)]۔

دفعہ ١٩٩۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح جو عدت میں ہو ——

(١) ایسی عورت کے ساتھ نکاح جو عدت میں ہو، باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔ لاہور کے ہائیکورٹ نے ایسے نکاح کو باطل قرار دیا ہے[5]، مگر بہ ادب عرض کیا جاتا ہے، کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔

---

[1] لیاقت علی بنام کریم النساء ١٨٩٣ء ١٥ الہ آباد ٣٩٦، ٣٩٨؛ جبیب الرحمٰن بنام الطاف علی ١٩٢١ء ٤٨ انڈین اپیلز ١١٤، ١٢١، ١٢٢، ٤٨ کلکتہ ٨٥٦، ٨٠، ٦٠ انڈین کیسز ٣٠٨؛ بدھن سا بنام فاطمہ بی ١٩١٤ء ٢٦ مدراس لا جرنل ٢٦٠، ٢٢ انڈین کیسز ٤٩٧؛ بمعاملہ رام کماری ١٨٩١ء ١٨ کلکتہ ٢٦٤، ٢٦٩؛ نندی بنام سرکار ١٩٢٠ء الاہور ٤٤، ٥٩ انڈین کیسز ٣٣؛ حکومت بمبئی بنام گنگا ١٨٨٠ء ٤ بمبئی ٣٣٠۔

[2] ١٨٩١ء ١٨ کلکتہ ٢٦٤ گزشتہ؛ ١٩٢٠ء الاہور ٤٤ گزشتہ؛ حامد بنام سرکار ١٩٣١ء آل انڈیا لاہور ١٩٤، ١٣٤ انڈین کیسز ٥٨٩۔

[3] ١٨٩٣ء ١٥ الہ آباد ٣٩٦، ٣٩٨ گزشتہ؛ ١٩١٤ء ٢٦ مدراس لا جرنل ٢٦٠ گزشتہ۔

[4] ١٨٩٣ء ١٥ الہ آباد ٣٩٦ گزشتہ۔

[5] جہاندو بنام مسماۃ حسین بی بی ١٩٢٣ء لاہور ١٩٢، ٧٣ انڈین کیسز ٥٩٠، ١٩٢٣ء آل انڈیا لاہور ٩٤٩۔

(۲) عدت — عدت کی توضیح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ عدت وہ مدت ہے جس میں ایسی عورت کو جس کا عقد نکاح طلاق یا موت کی وجہ سے ٹوٹ گیا ہو علیحدہ رہنا، اور دوسرا شوہر نہ کرنا چاہیے۔ دوسرا شوہر نہ کرنے کی قید اس وجہ سے عائد کی گئی ہے تا کہ یہ معلوم ہوسکے کہ وہ اپنے شوہر سے حاملہ تو نہیں ہے اور اس طور سے اولاد کے نسب میں اشتباہ نہ پڑنے پائے۔ جب عقد نکاح طلاق کی وجہ سے ٹوٹ جائے تو ایسی عورت کی جسے حیض آتے ہوں، عدت کی مدت میں تین حیض ہیں، اگر اسے حیض نہیں آتے تو عدت کی مدت تین قمری مہینے ہیں۔ اگر طلاق کے وقت عورت حاملہ ہو، تو زچگی ہوتے ہی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے گا جب عقد نکاح شوہر کی موت کی وجہ سے باقی نہ رہے، تو عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہیں۔ اگر اس وقت عورت حاملہ ہو، تو عدت چار مہینے دس دن یا زچگی تک، جو مدت طویل تر ہو قائم رہے گی[1]

اگر عقد نکاح موت کی وجہ سے ٹوٹا ہے، تو زوجہ پر عدت لازم ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور اگر عقد نکاح طلاق کی وجہ سے باقی نہیں رہا، تو عدت صرف اسی حالت میں لازم آئے گی جبکہ صحبت ہوئی ہو گی؛ اگر صحبت نہیں ہوئی، تو عدت لازم نہ ہو گی، اور وہ فوراً نکاح کرنے کی مجاز ہو گی۔ طلاق کی صورت میں تاریخ طلاق اور موت کی صورت میں تاریخ موت سے عدت کی مدت کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر طلاق یا موت کی اطلاع زوجہ کو عدت کی مدت معینہ کے ختم ہو جانے تک نہ پہنچے، تو اسے عدت میں رہنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی [بیلی، ۳۵۰]

ہدایہ، ۱۲۸ — ۱۲۹؛ بیلی ۳۸، ۱۰۱، ۳۵۲ — ۳۵۶۔ نکاح فاسد کی صورت میں عدت کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۰۶ (۲) دوم۔

عدت میں نکاح — زید کی چار بیویاں، الف، ب، ج اور د ہیں۔ وہ صحبت کے بعد الف کو طلاق دیدیتا ہے۔ عدت میں الف کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرا شوہر

[1] جہاندو بنام مسماۃ حسین بی بی ۱۹۲۳ء لاہور ۱۹۲، ۳/۱، انڈین کیسز ۵۹۰، ۱۹۲۳ء آل انڈیا لاہور ۹۴۹۔

کرے، اور نہ زید، الف کی عدت میں دوسری عورت کرسکتا ہے۔ اور نہ زید کے لئے جائز ہے کہ وہ الف کی عدت کے زمانے میں، اگر اس کی کوئی اور بیوی مر جائے، تو الف کی بہن کے ساتھ نکاح کر لے (دفعہ ۲۰۴)۔ لیکن الف کی عدت کے ختم ہو جانے کے بعد زوجین میں سے ہر ایک دوسرا نکاح کر سکتا ہے۔ اور زید اگر چاہے، تو الف کی بہن کو بھی اپنے عقد نکاح میں لا سکتا ہے۔ عدت کا اصل مقصد تو زوجہ کے نکاح کی روک تھام ہے، مگر اس مدت میں شوہر کے نکاح پر بھی اس حد تک جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ایک متقابل روک عائد ہوتی ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے، کہ عدت کے زمانے کی تکمیل سے پہلے جو نکاح کر لیا جائے، وہ باطل نہیں صرف فاسد ہے۔ فاسد نکاحوں کے لئے دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۶۔

خلوت صحیحہ ——— جب زوج اور زوجہ ایسی حالت میں تنہا ہوں جس میں کوئی شرعی، اخلاقی یا جسمانی امر صحبت کا مانع نہ ہو، تو کہا جائے گا کہ ان میں "خلوت صحیحہ" واقع ہوئی۔ سنیوں کے قانون کے مطابق مہر [دفعات ۲۰۶، ۲۴۳ (۲)]، تعین نسب، قیام عدت [دفعہ ۱۹۹]، عدت میں زوجہ کے نان و نفقہ [دفعہ ۲۱۵]، زوجہ کی بہن سے نکاح کی روک [دفعہ ۲۰۴]، اور حسب احکام دفعہ ۱۹۸ ممانعت نکاح کے متعلق، خلوت صحیحہ کا وہی قانونی اثر پیدا ہوتا ہے جو حقیقی صحبت کا ہو سکتا ہے۔ مگر زوجہ کی بیٹی [دفعہ ۲۰۲]، یا مطلقہ [دفعہ ۲۴۳ (۴)] سے نکاح کی ممانعت کے متعلق خلوت صحیحہ کا وہ اثر نہیں ہوتا جو حقیقی صحبت کا ہوتا ہے۔ موخر الذکر دونوں صورتوں میں ضرور ہے کہ حقیقی صحبت واقع ہوئی ہو، جیسا کہ

دفعات ۲۰۲ اور ۲۴۳ (۵) میں بتایا گیا ہے؛ بیلی ۹۸ —
۱۰۱ —

دفعہ ۱۹۹ الف سنی اور شیعہ میں نکاح — سنی مرد شیعہ عورت سے اور شیعہ مرد سنی عورت سے بطریق جائز نکاح کر سکتا ہے۔

عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کے متعلق اس مذہب کے قانون سے کام لیا جائے گا، جس کی پابند نکاح کے وقت وہ تھی۔ دیکھو دفعہ ۲۳ —

دفعہ ۲۰۰ - اختلاف مذہب — (۱) مسلمان مرد، نہ صرف مسلمان عورت، بلکہ کتابیہ یعنی یہودیہ یا عیسائیہ سے بھی نکاح کرنے کا مجاز ہے، مگر اس کے لئے بت پرست یا آتش پرست عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ جو نکاح بت پرست یا آتش پرست عورت سے کر لیا جائے وہ باطل نہیں، بلکہ فاسد ہوگا[۱]۔

(۲) مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے مذہب کے شخص سے نکاح کرے۔ وہ کتابی، یعنی عیسائی یا یہودی سے بھی بطریق جائز نکاح نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر وہ کسی کتابی یا غیر کتابی مرد کے ساتھ نکاح کر لے تو وہ فاسد ہوگا، نہ کہ باطل۔

ہدایہ، ۳۰؛ بیلی، ۴۰ — ۱۵۳،۱۵۱،۴۲۔ فاسد نکاحوں کے لئے، دیکھو دفعات ۲۰۴، ۲۰۴ الف اور ۲۰۶ —

کتابی — کتاب سے مراد الہامی مذہب کی کتاب ہے۔ کتابی وہ مرد ہے جو عیسائی یا یہودی مذہب کا پیرو ہو۔ اور کتابیہ وہ عورت ہے جو ان میں سے کسی ایک مذہب کی پیرو ہو —

---

[۱] سید غلام حسین بنام مسماۃ شاہ بیگم ۱۸۶۶ء ۲ ویکلی رپورٹ ۸۰؛ عزیز بانو بنام محمد ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۸۲۳؛ ۸۹ انڈین کیسز ۶۹۰، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۷۲۰ —

[۲] نصرت حسین بنام حمیدن ۱۸۸۲ء ۴ الہ آباد ۲۰۵ —

[۳] احسان بنام پنا لال ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۲۷۶، ۱۱۰ انڈین کیسز ۳۴۰، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پٹنہ ۱۹ —

ایک بدھ مذہب کی عورت کے متعلق پریوی کونسل کے ایک مقدمے میں یہ بحث پیش آئی کہ آیا وہ کتابیہ ہے یا نہیں، لیکن اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا[1]۔

ہندوستان کے عیسائیوں کے ازدواج کا ایکٹ نشان[15] بابت ۱۸۷۲ء — برطانوی ہند میں، اگر کوئی مسلمان مرد کسی عیسائی عورت سے نکاح کرنا چاہے، تو ایکٹ مذکورہ بالا کی دفعہ ۵ (۴) کے احکام کے موافق، وہ نکاح کے رجسٹرار کے مواجہے میں منعقد ہونا چاہئے؛ اگر وہ کسی اور طریقے سے منعقد ہوگا، تو "باطل متصور ہوگا"۔ چونکہ مسلمان عورت عیسائی سے نکاح کی مجاز نہیں ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ ایکٹ مذکور کے تحت دفعہ ۸۸ کی رو سے منعقد نہیں ہو سکتا۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون کے مطابق ایک مسلمان مرد اور غیر مسلمان عورت کا نکاح ناجائز اور باطل ہے؛ اور اسی طرح ایک مسلمان عورت اور غیر مسلمان مرد کا۔ البتہ ایک مسلمان مرد کتابیہ کے ساتھ بطریق جائز متعہ (دفعہ ۲۰۶ ب) کر سکتا ہے۔ شیعہ آتش پرستوں کو کتابی قرار دیتے ہیں، بیلی، ۴۰، ۲۹۔

دفعہ ۲۰۱۔ قرابت کی بناء پر ممانعت — ہر مسلمان (۱) اپنی ماں یا اپنی دادی خواہ کسی قدر اوپر طبقے کی ہو؛ (۲) اپنی بیٹی یا پوتی خواہ کسی قدر نیچے طبقے کی ہو؛ (۳) اپنی حقیقی، علاتی، اخیافی بہن؛ (۴) اپنی بھتیجی، بھانجی یا ان کی بیٹیوں سے خواہ کسی قدر نیچے طبقے کی ہوں؛ (۵) اور اپنی پھپھیوں اور خالاؤں کے ساتھ خواہ کسی قدر اوپر طبقے کی ہوں؛ نکاح کرنے سے ممنوع ہے۔ اگر کسی ایسی عورت سے

---

[1] عبدالرزاق بنام آغا محمد جعفر ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۴ — ۶۵، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶ (۶۶۴ –)۔

جن سے نکاح بربنائے قرابت ممنوع ہے نکاح کر لیا جائے، تو وہ باطل ہوگا۔

ہدایہ، ۲۰؛ بیلی، ۲۴۔ باطل نکاحوں کے متعلق، دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۵ الف جو آگے آتی ہیں۔

دفعہ ۲۰۲۔ ازدواجی تعلقات کی بنا پر ممانعت — ہر مسلمان (۱) اپنی بیوی کی ماں یا نانی سے خواہ طبقے میں کتنی ہی اونچی ہو؛ (۲) اپنی بیوی کی بیٹیوں یا پوتیوں سے خواہ کتنی ہی نیچے طبقے کی کیوں نہ ہوں؛ (۳) اپنے باپ یا کسی طبقۂ اعلیٰ کے دادا کی بیویوں سے؛ (۴) اپنے بیٹے یا پوتے یا نواسے کی بیویوں کے ساتھ خواہ وہ کتنے ہی نیچے طبقے کی ہوں؛ نکاح کرنے سے ممنوع ہے۔ جو نکاح ممنوعہ عورت کے ساتھ کیا جائے وہ ازدواجی تعلق کی بنا پر باطل ہوگا۔

نشان (۲) میں بیوی کی بیٹی یا پوتی سے جو نکاح کی ممانعت کی گئی ہے، وہ ایسی حالت میں ہے جبکہ عورت سے صحبت ہوئی ہو۔

ہدایہ، ۲۸؛ بیلی، ۲۴ — ۲۹، ۱۵۴۔ باطل نکاحوں کے لئے، دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۵ الف آئندہ۔

دفعہ ۲۰۳۔ رضاعت (دودھ کی شرکت) کی بنا پر ممانعت — جو عورتیں قرابت یا ازدواجی تعلقات کی بنا پر ممنوع ہیں وہ رضاعت کی بنا پر بھی ممنوع ہیں، بہ استثنا بعض رضاعی رشتہ داروں کے، جیسے بہن کی رضاعی ماں، یا رضاعی بہن کی ماں، یا رضائی بیٹے کی بہن یا رضاعی بھائی کی بہن، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ رضاعت کی بنا پر جو نکاح ممنوع ہیں اگر وہ کر لئے جائیں تو باطل قرار پائیں گے۔

ہدایہ، ۶۸، ۶۹؛ بیلی، ۳۰، ۱۵۴، ۱۹۴، ۱۹۵۔ باطل ازدواج کے لئے، دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۵ الف آئندہ۔

دفعہ ۲۰۴۔ ناجائز اجتماع — کوئی شخص ایسی دو بیویاں ایک وقت میں نہیں رکھ سکتا جو قرابت، ازدواج یا رضاعت کے لحاظ سے، باہم ایسے رشتہ دار ہوں کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہوتا تو ان کا باہم نکاح جائز نہ ہوتا؛ مثلاً دو بہنیں یا پھوپھی اور بھتیجی۔ ناجائز اجتماع کی وجہ سے نکاح باطل نہیں، صرف فاسد ہوتا ہے۔

ہدایہ، ۲۸، ۲۹: بیلی، ۳۱، ۱۵۳ - بیوی کی بہن (سالی)۔
جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا، کوئی شخص بیوی کی زندگی میں بیوی کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کلکتہ ہائیکورٹ کی رائے کے مطابق اس قسم کا نکاح باطل ہے، اور اس سے جو اولاد ہو گی وہ ولد الحرام قرار پائے گی۔ (دفعہ ۲۰۵ الف) بمبئی ہائیکورٹ اور اودھ کی چیف کورٹ کی رائے میں ایسا نکاح صرف فاسد ہے، اور اس سے جو اولاد ہو وہ ولد الحرام نہ ہو گی (دفعہ ۲۰۶)۔
کلکتے کا یہ فیصلہ بظاہر صحیح نہیں کہا جا سکتا۔
بیوی کے مرجانے یا اسے طلاق دیدینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے: بیلی، ۳۲۔
شیعوں کا قانون ــــ شیعوں کے قانون کے لحاظ سے، ایک مرد اپنی بیوی کی پھپھی یا خالہ سے نکاح کر سکتا ہے، مگر بغیر اپنی بیوی کی اجازت کے بیوی کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہیں کر سکتا: بیلی، جلد دوم، ۲۳۔

دفعہ ۲۰۴ الف - باطل اور فاسد نکاحوں کا فرق

(۱) جو نکاح جائز نہیں وہ یا تو فاسد ہو گا یا باطل۔
(۲) باطل نکاح وہ ہے جو بنفسہ ناجائز ہو، اور جس کی ممانعت دائمی اور قطعی طور سے کی گئی ہو۔ اسی لحاظ سے ایسی عورت سے نکاح، جو بربنائے قرابت (دفعہ ۲۰۱)، ازدواج (دفعہ ۲۰۲) یا رضاعت (دفعہ ۲۰۳)، ممنوع ہو[4]، باطل قرار پاتا ہے؛ ایسی عورت سے نکاح کی ممانعت دائمی اور قطعی ہے۔

[1] اعز النسا بنام کریم النسا ۱۸۹۵ء ۲۳ کلکتہ ۱۳۰۔
[2] تاج بی بنام مولیٰ خاں ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۴۸۵، ۳۹ انڈین کیسز ۶۰۳۔
[3] مسماۃ کنیزہ بنام حسن ۱۹۲۲ء ۱ لکھنو ۷۱، ۹۲ انڈین کیسز ۸۲؛ ۱۹۲۶ء آل انڈیا اودھ ۲۳۱؛ عطاالمعند بنام محمد ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۲۵، ۱۲۹ انڈین کیسز ۱۲، ۱۹۳۰ء آل انڈیا لاہور ۹۰۷۔
[4] وہ عورتیں جن سے نکاح ممنوع ہے "محرمات" کہلاتی ہیں۔

(۴۳) نکاح فاسد وہ ہے جو بنفسہٖ ناجائز نہ ہو، بلکہ "کسی دوسری وجہ سے" ناجائز ہو گیا ہو؛ مثلاً وہ نکاح جس میں ممانعت عارضی یا ضمنی ہو، یا فساد کسی اتفاقی حالت کی وجہ سے واقع ہوا ہو، جیسے گواہوں کا نہ ہونا۔ اس لحاظ سے مفصلۂ ذیل نکاح فاسد ہیں:-

(الف) وہ نکاح جو بغیر گواہوں کے کیا جائے (دفعہ ۱۹۷)؛

(ب) پانچویں عورت سے نکاح چار بیویوں کی موجودگی میں (دفعہ ۱۹۸)؛

(ج) ایسی عورت سے نکاح جو عدت میں ہو (دفعہ ۱۹۹)؛

(د) وہ نکاح جو اختلافِ مذہب کی وجہ سے ممنوع ہو (دفعہ ۲۰۰)؛

(ہ) ایسی عورت سے نکاح جس کا رشتہ بیوی کے ساتھ ایسا ہو کہ اگر ایک ان میں سے مرد ہوتا تو ان میں باہم نکاح جائز نہ ہوتا (دفعہ ۲۰۴)۔

مذکورۂ بالا نکاحوں کے فاسد متصور ہونے، اور باطل نہ قرار پانے کی وجہ یہ ہے، کہ ضمن (الف) میں فساد (نقص) ایک اتفاقی حالت سے واقع ہوا ہے؛ ضمن (ب) کا نقص چار بیبیوں میں سے کسی ایک کو طلاق دیدینے سے رفع ہو سکتا ہے؛ ضمن (ج) میں عدت کے ختم ہو جانے سے جو رکاوٹ تھی وہ دُور ہو جاتی ہے؛ ضمن (د) کا نقص بیوی کے مسلمان، عیسائی یا یہودی ہو جانے، یا شوہر کے مسلمان ہو جانے سے باقی نہیں رہتا؛ اور ضمن (ہ) کا نقص مرد کے اس عورت کو طلاق دیدینے سے جو سدِّراہ ہے رفع ہو سکتا ہے؛ مثلاً ایک ایسا مرد جس کے نکاح میں ایک بہن ہے دوسری بہن سے نکاح کر لے، تو وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر، دوسری بہن کو اپنے لئے جائز کر سکتا ہے۔

بیلی، ۱۵۰، ۱۵۵۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون میں فاسد اور باطل نکاحوں کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ اس قانون کے مطابق نکاح یا تو جائز ہوگا یا ناجائز۔ جو نکاح سنیوں کے قانون کی رُو سے فاسد ہیں وہ سب شیعوں کے قانون کے لحاظ سے باطل ہیں۔

دفعہ ۲۰۵۔ صحیح نکاح کے اثرات — صحیح نکاح سے زوجہ کو مہر، نان و نفقہ اور شوہر کے مکان میں رہنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، اور اس پر باوفا اور تابعدار رہنے اور شوہر کو مجامعت کا موقع دینے، اور عدت میں بیٹھنے کے وجوب عائد ہوتے ہیں۔ اسی نکاح سے فریقین میں ممنوعہ رشتوں اور باہمی توریث کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔

بیلی، ۱۲۳۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیے، کہ مسلمان شوہر کو نکاح سے زوجہ کی جائداد میں کوئی حقیت نہیں حاصل ہوتی[1]

دفعہ ۲۰۵ الف۔ نکاح باطل کے اثرات — نکاح باطل پر نکاح کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، اور نہ اس سے فریقین میں دلوانی حقوق یا وجوب قائم ہوتے ہیں۔ نکاح باطل سے جو اولاد پیدا ہو وہ ولد الحرام ہے۔

بیلی، ۱۵۶۔ جن نکاحوں کا دفعات ۱۹۸ الف اور ۲۰۱ سے لے کر ۲۰۳ میں ذکر ہے وہ سب باطل ہیں۔

دفعہ ۲۰۶۔ فاسد نکاحوں کے اثرات — (۱) نکاح فاسد کو قبل یا بعد مجامعت فریقین میں سے ہر فریق، ایسے الفاظ کے استعمال سے فسخ کر سکتا ہے، جن سے افتراق کی نیت ظاہر ہوتی ہو، مثلاً کوئی فریق یہ کہے "میں نے تجھے چھوڑ دیا"۔ مجامعت سے قبل نکاح فاسد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۲) اگر مجامعت ہو جائے — تو

(الف) عورت مہر مثل یا مقررہ مہر، ان میں سے جو کم ہو اس کی مستحق ہو گی (دفعات ۲۱۸، ۲۲۰):

(ب) اُسے عدت میں بیٹھنا پڑے گا، لیکن طلاق اور موت دونوں صورتوں میں اس کی مدت صرف تین حیض ہو گی [دیکھو دفعہ ۱۹۹ (۲)]۔

(ج) جو اولاد اس نکاح سے پیدا ہو گی وہ صحیح النسب سمجھی جائے گی۔

لیکن نکاح فاسد سے بعد مجامعت بھی زوج اور زوجہ میں باہمی حقوق توریث

[1] الف بنام ب ۱۸۹۶ء، ۲۱ بمبئی، ۷۷، ۸۴۔

نہیں پیدا ہوتے [بمبئی ۶۹۴، ۷۰۱]۔ اودھ کی چیف کورٹ نے ایک مقدمہ میں یہ تجویز کی ہے کہ اس نکاح سے بھی ایسے حقوق پیدا ہوتے ہیں[1]، لیکن یہ تجویز صحیح نہیں کہی جا سکتی ۔

بمبئی، ۱۵۶ ـــ ۶۹۴، ۱۵۸ ۔ دیکھو دفعات ۱۹۷ ـــ ۲۰۰، ۲۰۴ اور ۲۰۴ الف ۔

دفعہ ۲۰۶ الف ۔ نکاح کے متعلق قیاس

ـــ نکاح کے صریح ثبوت نہ ہونے کی صورت میں نکاح کا قیاس، مفصلۂ ذیل امور سے کیا جائے گا ـــ

(الف) مسلسل اور ایک مدت دراز تک مثل زن و شو زندگی بسر کرنے[2] سے؛ یا

(ب) مرد کے اس اقرار سے کہ جو اولاد عورت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اس کا وہ باپ ہے، بشرطیکہ اقرار صحیح کی وہ تمام شرطیں پوری کی گئی ہوں جن کا

[1] محمد شفیع بنام رونق علی ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۲۳۱، ۱۰۷ انڈین کیسز ۸۸۲ ۔

[2] خواجہ ہدایت بنام رائے جان ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۹۵، ۳۱۷ ـــ ۳۱۸، ۳۲۳ [نکاح کا قیاس کیا گیا]؛ محمد باقر بنام شرف النساء ۱۸۶۰ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۱۳۶، ۱۵۹ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ اشرف الدولہ بنام حیدر حسین ۱۸۶۶ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۹۴، ۱۱۵ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ جاریۃ البتول بنام حسینی بیگم ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۱۹۴، ۲۰۹ ـــ ۲۱۰ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ مانگ کائی بنام ما شا بہا ۱۹۲۰ء، رنگون ۷۷، ۱۲۱ انڈین کیسز ۱۸؛ ۱۹۲۹ء آل انڈیا رنگون ۱۴۱ ۳ [نکاح کا قیاس کیا گیا]؛ میوت النساء بنام سیٹھانی ۱۹۰۴ء ۲۶ الہ آباد ۲۹۵ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ عبدالحکیم بنام سعادت علی ۱۹۲۹ء آل انڈیا اودھ ۱۲۶، ۱۱۲ انڈین کیسز ۵۹۶ [نکاح کا قیاس کیا گیا]۔

ذکر دفعہ ۲۴۹ میں کیا گیا ہے جو آگے آتی ہے[1]۔ یہ قیاس اس جگہ کام نہ دے گا جہاں فریقین کا طرزِ عمل ایسا رہا ہو کہ وہ زوج اور زوجہ کے تعلقات سے مطابقت نہ رکھتا ہو[2] اور نہ اس جگہ جہاں عورت قبل اس کے کہ وہ مرد کے گھر میں لا کر رکھی جائے مسلم طور سے طوائف تھی[3]۔ محض یہ واقعہ، کہ ایک عورت اس شخص کی مسلمہ بیویوں کی طرح پردے میں نہیں رہتی، ایسے قیاس کی تردید کے لئے کافی نہیں ہے[4]۔

مقدمہ عبدالرزاق بنام آغا محمد[5] میں پرایوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "دوسری بحث یہ کی جاتی ہے، کہ جب ایک مدت دراز تک باہم بود و باش رہی ہو، خصوصاً ایسی صورت میں کہ مبینہ نکاح کو ہوئے اتنی مدت گزر گئی ہو کہ اس وقت کے صحیح واقعات کا معلوم ہونا اگر ناممکن نہیں تو سخت دشوار ہو گیا ہو، تو ہر ایک

---

[1] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ آل انڈیا الہ آباد ۷۳، ۸۱ — ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۸۹ — ۸۹۰، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ حبیب الرحمٰن بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰ — ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۰؛ سنہ ۲۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[2] عبدالرزاق بنام آغا محمد سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۵، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۶۷۴؛ فتح محمد بنام عبدالرحمان سنہ ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۳۹۶، ۳۴۴، ۱۳۲ انڈین کیسز ۵۹۰، سنہ ۳۱ آل انڈیا لاہور ۲۲۳ [جس میں مرد نے عورت کو اپنی زوجہ اور بچوں کو اپنی اولاد ہونے سے انکار کیا تھا]۔

[3] غضنفر بنام کنیز فاطمہ سنہ ۱۹۱۰ء ۳۷ انڈین اپیلز ۱۰۵، ۱۰۹، ۳۲ الہ آباد ۳۴۵، ۳۵۰، ۶ انڈین کیسز ۶۷۴؛ جاریۃ البتول بنام حسینی بیگم سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۱۹۴۔ ارشاد علی بنام مسماۃ کریمن سنہ ۱۹۱۸ء ۲۰ بمبئی لا رپورٹ ۹۰۷، ۴۶ انڈین کیسز ۲۱۷، سنہ ۱۹۱۸ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۶۹ جس میں عورت طوائف تھی مگر نکاح کی تحریری شہادت موجود تھی، اور نکاح ثابت قرار پایا۔

[4] ہدایت علی بنام محمد ابراہیم سنہ ۱۹۲۹ء ۵۶ انڈین اپیلز ۲۰۱، ۲۰۹، ۱۰ لاہور ۲۵۴، ۱۱۷ انڈین کیسز ۱۱، سنہ ۲۹ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳۵۔

[5] سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۵، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۶۷۴۔

قیاس نکاح کی تائید میں قائم ہونا چاہیئے ...... یہ حجت
بہت قوی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ناقابلِ تردید ہوتی، اگر یہ
ثابت کیا جاتا کہ فریقین کا عمل ان تعلقات کے مطابق تھا
جو زوج اور زوجہ میں ہوتے ہیں"۔ اس مقدمے میں یہ فیصلہ
ہوا کہ فریقین کا طرزِ عمل ان تعلقات کے مطابق نہ تھا، اور
جحان پرایوی کونسل نے تجویز کیا کہ اس قیاس سے یہاں
کام نہیں لیا جا سکتا۔ مقدمۂ غضنفر بنام کنیز فاطمہ میں پریوی کونسل
کے ججوں نے لکھا کہ "ذی علم ججوں نے پورے طور سے
یہ تسلیم کیا ہے کہ ایک مدت دراز کی باہم بود و باش سے نکاح کا
قیاس قائم ہو سکتا ہے، مگر یہ قیاس لازمی طور سے بہت
زیادہ قوی نہیں ہوتا، اور جحان پرایوی کونسل اس امر پر
متفق ہیں کہ موجودہ مقدمے میں اس سے کام نہیں لیا جا سکتا،
کیونکہ ماں جب کہ باپ کے گھر میں لائی گئی تو فریقین کی شہادت
سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک طوائف تھی۔

دفعہ ۲۰۶ ب ۔ متعہ ——— (۱) شیعوں کے قانون میں دو قسم
کے نکاح تسلیم کئے جاتے ہیں، اول مستقل، دوسرا عارضی یا متعہ۔

(۲) شیعہ مرد کسی ایسی عورت سے جو مسلمان، عیسائی، یہودی
یا آتش پرست مذہب کی ہو، متعہ کر سکتا ہے، ان کے سوائے کسی اور مذہب
کی عورت سے نہیں کر سکتا۔ لیکن شیعہ عورت غیر مسلم سے متعہ نہیں کر سکتی ہے[۲]

(۳) متعہ کے جواز کے لئے یہ امور ضروری ہیں (اول یہ) کہ باہم بود و باش
کی مدت معین کی جائے، یہ مدت ایک دن، ایک مہینا، ایک سال یا چند سال ہو سکتی ہے[۳]

---

[۱] بیلی، جلد دوم، ۲۹، ۴۰۔
[۲] بیلی، جلد دوم، ۲۹، ۴۰۔
[۳] بیلی، جلد دوم، ۴۲۔

اور (دوسرے یہ کہ) مہر کی کوئی مقدار مقرر کی جائے[1] جبکہ مدت اور مہر کی قرارداد ہوجاتی ہے تو معاہدہ مکمل ہوجاتا ہے۔ اگر مدت کا تعین ہوگیا، مگر مہر نہیں قرار پایا، تو معاہدہ باطل ہے۔ لیکن اگر مہر مقرر ہوگیا، اور مدت کا تعین نہیں ہوا، تو اگرچہ معاہدۂ متعہ باطل ہے، مگر اس کا اثر مستقل نکاح کا ہوسکتا ہے[2]۔

(۴) متعہ کے لوازم حسب ذیل ہیں:۔

(الف) متعہ سے مرد اور عورت میں باہم توریث کے حقوق نہیں پیدا ہوتے۔ لیکن جو اولاد زمانۂ قیام متعہ میں پیدا ہوتی ہے وہ ماں باپ دو طرف سے وراثت کی مستحق ہوتی ہے[3]؛

(ب) جس صورت میں متعہ کی بناء پر مرد اور عورت میں تعلقات قائم ہوجائیں، لیکن مدت متعہ کے متعلق کوئی شہادت نہ ہو اور باہم بود و باش جاری رہے، تو اس کے خلاف کسی شہادت کے نہ موجود رہنے کی صورت میں یہ نتیجہ نکالنا بجا ہوگا، کہ تمام بود و باش کی مدت میں معاہدۂ متعہ قائم رہا، اور جس اولاد کا حمل اس مدت میں قرار پائے وہ صحیح النسب اور اپنے باپ کی وراثت کی مستحق ہوگی[4]؛

(ج) متعہ کا معاہدہ ختم مدت پر خود بخود فسخ ہوجاتا ہے۔ متعہ میں طلاق کا حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، مگر مرد حسب مرضی خود عورت کو "ہبۂ مدت" (یعنی بقیہ مدت معاہدہ معاف کرکے) مدت مقررہ سے پہلے معاہدے کو ختم کردینے کا مجاز ہے[5]؛

(د) اگر متعہ میں عورت سے مجامعت نہ کی جائے، تو وہ نصف

---

[1] بیلی، جلد دوم، ۴۱۔

[2] بیلی، جلد دوم ۴۲ — ۴۳؛ کوبری، جلد اول، ۶۸۹، ۶۹۳۔

[3] بیلی، جلد دوم، ۴۴؛ شہرت سنگھ بنام جعفری بی بی ۱۹۱۵ء، ۱۷ بمبئی لا رپورٹ ۱۳، ۲۴ انڈین کیسز ۹۹۴ (پریوی کونسل)۔

[4] ۱۹۱۵ء، ۱۷ بمبئی لا رپورٹ ۱۳، ۲۴ انڈین کیسز ۹۹۴ گزشتہ [اس مقدمے میں بود و باش ۱۰ سال کی تھی]۔

[5] بیلی، جلد دوم، ۴۱؛ ۱۸۸۸ء ۱۴ کلکتہ ۲۷۶، ۲۸۴ تا ۲۸۵ گزشتہ۔

مہر کی مستحق ہے۔ اگر مجامعت ہوئی ہے، تو وہ کامل مہر کی مستحق ہوگی، اگرچہ مرد نے بقیہ مدت عورت کو معاف کر کے معاہدہ ختم کر دیا ہو۔ اگر عورت ختم مدت سے پہلے خود مرد کو چھوڑ کر چلی جائے، تو مرد کو یہ حق ہے کہ وہ مہر کا متناسب حصہ وضع کر لے[1]۔

(ھ) جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جائے وہ شیعوں کے قانون کے لحاظ سے نان و نفقہ کی مستحق نہیں ہے[2]۔ مگر یہ قرار پایا ہے کہ وہ بحیثیت زوجہ ضابطۂ فوجداری کے احکام مندرجۂ دفعہ ۴۸۸ کی رو سے نان و نفقہ پا سکتی ہے[3]۔

سنیوں کے قانون میں متعہ مطلق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ بیلی ۱۸۔
دفعہ ہذا کے ضمن (۱) میں جو لفظ مستقل منتقل ہوا ہے وہ بمقابلۂ عارضی کے ہے۔ مسلمانوں کا کوئی نکاح، خواہ وہ سنیوں میں ہو یا شیعوں میں، اس معنی میں مستقل نہیں کہا جا سکتا جس معنی میں وہ عیسائیوں یا پارسیوں میں ہوتا ہے، کیونکہ مسلمان شوہر اپنی بیوی کو جب چاہے طلاق دے سکتا ہے۔

الف۔ نابالغوں کا نکاح

دفعہ ۲۰۷۔ نابالغوں کا نکاح —— نابالغ لڑکا یا لڑکی، خود اپنا نکاح کرنے کے مجاز نہیں ہیں، البتہ ان کا نکاح اُن کے ولی کر سکتے ہیں۔

---

[1] بیلی، جلد دوم، ۱۴۱؛ ۱۸۸۷ء ۱۴ کلکتہ ۶، ۲۷۶، ۲۸۴ —— ۲۸۵ گزشتہ۔

[2] بیلی، جلد دوم، ۹۷۔

[3] لڈن بنام میرزا قمر ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۷۳۶۔ اس فیصلے کی صحت مشتبہ ہے، کیونکہ جیسا کہ شرایع الاسلام میں لکھا ہے "اس عورت کو جس کے ساتھ متعہ کیا گیا ہے، زوجہ کے نام سے موسوم کرنا در حقیقت صحیح نہیں ہے"۔ : بیلی، حصۂ دوم، ۳۴۴۔

بالغ لڑکا یا لڑکی دونوں اس کے مجاز ہیں کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں نکاح کریں، اگر نکاح برابری میں (یعنی کفو میں) کیا گیا ہے تو ولی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے: میگناٹن، ۵۸، دفعات ۱۴ - ۱۶ - دیکھو دفعہ ۱۹۵ گزشتہ۔

دفعہ ۲۰۸ - نکاح میں ولایت (جبر) نابالغ کو نکاح میں دینے کا حق یکے بعد دیگرے حسب ذیل رشتہ داروں کو حاصل ہے :- (۱) باپ، (۲) دادا خواہ کسی اوپر کے طبقے کا ہو، (۳) بھائی اور دوسرے پدری رشتہ داروں کو بہ ترتیب توریث مندرجہ نقشۂ عصبات - اگر پدری جانب کے رشتہ دار نہ موجود ہوں تو یہ حق ماں، ماموں یا خالہ، اور دوسرے ان مادری رشتہ داروں کو جو محرمات میں داخل ہیں پہنچتا ہے - مادری رشتہ داروں کے بھی نہ موجود ہونے کی صورت میں حاکم وقت کو۔

ہدایہ ۳۶-۳۹؛ عدالت کی طرف سے نابالغ کی ذات کے لئے کسی ولی کے متقرر کئے جانے سے ولی نکاح کا یہ حق زائل نہیں ہو جاتا کہ وہ نابالغ کو کسی کے نکاح میں دیدے۔ لیکن ایسی صورت میں نابالغ کورٹ آف وارڈز کی نگرانی میں ہوتا ہے اسلئے ولی نکاح کو چاہئے کہ وہ کورٹ آف وارڈز کی اجازت کے بغیر نابالغ کا مجوزہ نکاح نہ کردے[1]۔

ولی نکاح کا ارتداد —— یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ولی نکاح کے مذہب اسلام کو ترک کر دینے سے نابالغ کے نکاح کر دینے کا حق زائل ہو جاتا ہے یا نہیں۔

شرع اسلام کی رو سے تو مرتد کو نابالغ کے نکاح کا حق باقی نہیں رہتا: ہدایہ، ۳۹۲؛ مگر ایکٹ نشان ۲۱ ۱۸۵۰ء میں یہ حکم ہے کہ "کوئی قانون یا رواج کسی ایسے شخص کو جو اپنا مذہب ترک کر دے اس کے کسی حق یا جائداد سے محروم نہ کر سکے گا" اسی بنا پر بنگال کی ہائی کورٹ نے مچھو بنام

[1] منی جان بنام ڈسٹرکٹ جج بیربھوم ۱۹۱۴ء ۴۲ کلکتہ ۳۵۱، ۲۵ انڈین کیسز ۲۲۹۔

ارزون[1] کے مقدمے میں یہ قرار دیا کہ ایک ہندو باپ عیسائی ہو جانے سے اپنی اولاد کو اپنی حفاظت میں رکھنے اور ان کی تعلیم کی نگرانی سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے بعد کے ایک مقدمے میں اسی ہائیکورٹ نے مچھو کے مقدمے کا ذکر کئے بغیر یہ قرار دیا کہ ایک مسلمان باپ جو یہودی ہو گیا تھا بوجہ ارتداد اپنی بیٹی کو نکاح میں دینے کا مجاز نہیں ہے[2]۔ پنجاب کی چیف کورٹ[3] نے مچھو کے مقدمے کا اتباع کیا جس میں ایک مسلمان باپ عیسائی ہو گیا تھا۔ بمبئی کے ایک مقدمے میں مچھو کے مقدمے کی پیروی کر کے یہ قرار دیا گیا کہ ایک ہندو جو مسلمان ہو گیا ہو وہ اپنے بیٹے کو دوسرے ہندو کی تبنیت میں دینے کے ناقابل نہیں ہے[4]۔ یہ امر قابل اظہار ہے کہ ایکٹ مذکورۂ بالا کے مفہوم میں بھی نابالغ کو نکاح میں دینا ایک "حق" ہے اور اس لحاظ سے مچھو کے مقدمے میں جو فیصلہ کیا گیا وہ صحیح ہے، مگر عدالت اپنے اختیار تمیزی سے ہر مقدمے کا فیصلہ اس کے خاص حالات کے لحاظ سے کرنے کی مجاز ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون میں ولی نکاح صرف باپ اور دادا (خواہ کسی اوپر کے طبقے کا ہو) مانے گئے ہیں: بیلی، جلد دوم ص ۶ - نیز دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۱۰۔

دفعہ ۲۰۹ - باپ یا دادا کے کئے ہوئے نکاح

نابالغ کا جو نکاح باپ یا دادا نے کر دیا ہو، وہ صحیح اور قابل پابندی ہے،

[1] بمقدمہ شاہ ویکلی رپورٹ ۲۳۵۔
[2] بمقدمہ ماہن بی بی سنہ ۱۳ بنگال لا رپورٹ ۱۶۰۔
[3] گل محمد بنام سماۃ وزیرن سنہ ۱۹ ۳۶ پنجاب ریکارڈ ۱۹۱۱۔
[4] شام سنگھ بنام سنتابائی سنہ ۱۹ ۲۵ بمبئی ۵۵۱۔

اور اسے نابالغ بالغ ہونے کے بعد فسخ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ لیکن اگر باپ یا دادا نے اس عمل میں فریب یا بے احتیاطی برتی ہے، مثلاً، یہ کہ نابالغ کا نکاح کسی مجنون کے ساتھ کر دیا ہے، یا وہ نکاح صریح طور سے نابالغ کے حق میں مضر ہے، تو نابالغ بالغ ہو جانے کے بعد اسے فسخ کر سکے گا۔[۱]

ہدایہ، ۳۷؛ بیلی، ۵؛ امیر علی، اشاعت پنجم جلد دوم صفحہ ۳۲۷۔ نیز دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۱۰ — الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا کہ جس شیعہ مذہب کی لڑکی کا نکاح باپ نے ایک سنی مذہب شخص سے کر دیا ہو، وہ بعد بلوغ اس نکاح کو منسوخ کر دینے کی مجاز ہے۔ بجز اس صورت کے کہ نکاح مذکور کی توثیق مجامعت یا کسی دوسرے طریقے سے ہو گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے، کہ ایسے نکاح کے قیام پر لڑکی کو مجبور کرنا جسے وہ بعد بلوغ اپنے مذہبی خیالات کے منافی سمجھتی ہو، تمام اصول نصفت اور انصاف کے خلاف ہے۔

دفعہ ۲۱۰۔ دوسرے اولیا کا کیا ہوا نکاح "خیار بلوغ"۔

نابالغ کا جو نکاح باپ اور دادا کے سوائے کوئی اور ولی کر دے، اسے نابالغ بالغ ہونے کے بعد فسخ کر سکتا ہے۔ اسی کو اصطلاح میں "خیار بلوغ" [بالغ ہو جانے پر اختیار] کہتے ہیں۔ عورت کا یہ اختیار ایسی حالت میں زائل ہو جاتا ہے کہ بعد بلوغ اسے اس نکاح اور اس اختیار کی اطلاع دی جائے، اور وہ بلا نامناسب تعویق کے، اسے فسخ نہ کر دے۔[۲]

---

[۱] عزیز بانو بنام محمد ۱۹۲۵ء، ۴۷ الہ آباد ۸۲۳، ۸۳۸، ۸۹ — ۳۹ انڈین کیسز ۶۹۰، ۲۵ سنہ آل انڈیا الہ آباد ۷۲۰۔

[۲] بسم اللہ بنام نور محمد ۱۹۲۲ء، ۴۴ الہ آباد ۶۱، ۹۳؛ انڈین کیسز ۲۰۷، ۲۲ سنہ آل انڈیا الہ آباد ۱۵۵؛ رحمت علی بنام مسماۃ امۃ اللہ ۱۹۳۰ء، ۱۱ لاہور ۲۲۱، ۲۹ سنہ آل انڈیا لاہور ۲۸۷؛ مسماۃ مکھن بنام حیدر ۳۱ سنہ آل انڈیا لاہور ۹۴۴، ۱۳۷ انڈین کیسز ۳۹۷۔

مگر مرد کا یہ حق اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ اس نکاح کی صریحی یا معنوی طور سے، مثلاً، مہر کے ادا کرنے یا مجامعت سے توثیق نہ کر دے۔

ہدایہ، ۳۸؛ بیلی، ۵۰ ــ ۵۲؛ میکناٹن، صفحہ ۵، دفعہ ۱۰۔ عورت کا اختیار فسخ کو کام میں لانے سے پہلے مجامعت پر رضامند ہو جانا، اس اختیار کو زائل کر دیتا ہے؛ بیلی، ۵۱۔

شیعوں کا قانون ــــــ شیعوں کے قانون کے مطابق نابالغ کا جو نکاح باپ یا دادا کے سوائے کوئی اور شخص کر دے وہ بالکل بے اثر ہے، جب تک نابالغ بالغ ہونے کے بعد اس کی توثیق نہ کرے[1]۔ دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۲۰۸ "شیعوں کا قانون"۔

دفعہ ۲۱۱ ـ فسخ نکاح کا اثر ــــــ محض خیار بلوغ کو کام میں لانے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ ایسے فسخ کی توثیق "عدالتی ڈگری" سے ہونی چاہیئے۔ جب تک ایسا نہ ہو نکاح قائم رہے گا، اور اگر اس درمیان میں نکاح کا کوئی فریق فوت ہو جائے گا، تو فریق ثانی اس کی وراثت کا مستحق ہوگا۔

ہدایہ، ۳۷، ۳۸؛ بیلی، ۵۰۔ خود عورت اس استقرار کے لیئے دعویٰ کرنے کی مجاز ہے کہ اس نے خیار بلوغ سے کام لے کر نکاح فسخ کر دیا ہے۔ یا وہ شوہر کے اعادۂ حقوق زناشوئی کے دعوے کے جواب میں فسخ نکاح کا عذر کر سکتی ہے، اور عدالت اس مقدمے میں اس کا استقرار کر سکتی ہے کہ نکاح فسخ ہو گیا[2]۔ لیکن ایسا کوئی عذر اس حالت میں نہیں پیش ہو سکتا جبکہ اس نے خیار بلوغ کو کام میں لانے کے بعد شوہر کو مجامعت کی اجازت دے دی ہو۔

---

[1] ملکہ جہاں بنام محمد سنہ ۱۸۷۳ء لا رپورٹ انڈین اپیلز، جلد ضمیمہ ۱۹۲، ۲۶ ویکلی رپورٹ ۲۶۔

[2] مسماۃ بادل بنام سرکار سنہ ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۷۹۔

دفعہ ۲۱۲ - نکاح مجانین —— نابالغوں کے نکاح کے متعلق جو احکام دفعات ۲۰۰ سے لے کر ۲۱۱ تک بیان ہوئے ہیں، وہ سب مجانین کے نکاحوں سے بھی متعلق ہیں، صرف اس فرق کے ساتھ کہ خیار بلوغ کا استعمال اس وقت ہونا چاہئے جبکہ جنون رفع ہوگیا ہو۔

بیلی، ۵۰ - ۵۴ -

ب — بیویوں کا نان و نفقہ

دفعہ ۲۱۳ - بیوی کو نفقہ دینے کا فرض شوہر پر — ایسی بیوی کے سوائے جو بوجہ صغر سنی ناقابل صحبت ہو[1] ہر بیوی کو نفقہ دینا شوہر پر اس وقت تک لازم ہے کہ وہ شوہر کی وفادار بیوی رہے اور اس کے ہر معقول حکم کی تعمیل کرے۔ مگر شوہر ایسی بیوی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں ہے جو مانع صحبت[2] یا کسی دوسرے طور سے نافرمان ہو[3]، بجز اس حالت کے کہ یہ ممانعت یا نافرمانی مہر معجل (دفعہ ۲۲۱) کے نہ ادا کئے جانے کی بنا پر معقول متصور ہو سکتی ہو[4]۔

دفعہ ۲۱۴ - نفقے کا حکم —— اگر شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دینے میں بغیر کسی جائز وجہ کے غفلت یا انکار کرے تو زوجہ اس پر نفقے کا دعویٰ کر سکتی ہے، مگر گزشتہ زمانے کے نفقے کی ڈگری نہیں پا سکتی جب تک کہ ایسا دعویٰ کسی صریح معاہدہ پر نہ مبنی ہو[5]۔ دوسرا چارہ کار بیوی کے لئے یہ ہے، کہ وہ ضابطہ فوجداری سنہ ۱۹۰۸ کی دفعہ ۴۸۸ کے تحت نفقہ دلائے جانے کی درخواست کرے۔ ایسی صورت

---

[1] بیلی، ۴۴۱ -
[2] بیلی، ۴۴۲ -
[3] الف بمقابلہ ب ۱۸۹۶ء ۲۱ بمبئی ۷۷، صفحہ ۸۲ -
[4] بیلی، ۴۴۲ -
[5] ابوالفتح بنام زیب النساء ۱۸۸۱ء ۶ کلکتہ ۶۳۱ -

کے پیش آنے پر عدالت شوہر کو یہ حکم دے سکے گی کہ وہ ماہانہ ایک رقم جس کی مقدار ایک سو روپیہ سے زائد نہ ہو اپنی بیوی کے نفقے کے لئے دیتا رہے[1]۔

شافعی قانون ــــ شافعی قانون کے لحاظ سے بغیر معاہدے کے بھی زوجہ گزشتہ زمانے کے نفقے کی مستحق ہے[2]۔

دفعہ ۲۱۵۔ نفقہ بعد طلاق ــــ (۱) طلاق کے بعد، عدت تک زوجہ نفقے کی مستحق ہے[3]۔ [دفعہ ۱۹۹]۔ اگر طلاق کی اطلاع اسے زمانہ، عدت کے ختم ہونے تک نہیں دی گئی ہے[4]، تو اطلاق کی اطلاع ہونے کے وقت تک وہ نفقہ پانے کی مستحق ہوگی ہے۔

(۲) جو عدت شوہر کی موت کی وجہ سے ہوتی ہے اس میں عورت نفقے کی مستحق نہیں ہوتی[5]۔

ضابطۂ فوجداری ۱۹۰۸ء کی دفعہ ۴۸۸ کے تحت نفقے کا حکم ــــ جب کوئی حکم زوجہ کے نفقے کے متعلق ضابطۂ فوجداری ۱۹۰۸ء کی دفعہ ۴۸۸ کی رو سے دیا جائے، اور اس کے بعد زوجہ کو طلاق ہو جائے، تو وہ حکم عدت کے ختم ہو جانے کے بعد نافذ نہ رہے گا[6]۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

---

[1] ایکٹ نشان ۱۸ بابت ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۱۳۱ کی رو سے بجائے پچاس (۵۰) یہ رقم سو (۱۰۰) کر دی گئی ہے۔

[2] محمد ہادی بنام کلیم بی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۲۱۱، ۴۲ انڈین کیسز ۱۷۵۔

[3] ہدایہ، ۱۴۵؛ بیلی، ۵۰۴؛ مسماۃ مریم بنام قادر بخش ۲۹ء آل انڈیا اودھ ۵۲۷۔

[4] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۴۴ الہ آباد ۴۶؛ ۱۳۵ انڈین کیسز ۲۶؛ ۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵؛ احمد کاظم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۸۴۶ ــ ۸۴۷۔

[5] آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹۔

[6] بمقدمہ عبد العلی ۱۸۸۳ء ۷، بمبئی ۱۸۰؛ بمقدمہ دین محمد ۱۸۹۲ء ۵ الہ آباد ۲۲۶؛ شاہ ابو بنام الفت بی بی ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۵۰؛ احمد کاظم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۸۴۷، ۸۴۸۔

ایک مسلمان اس حکم کو جو زیر دفعہ ۲۸۸ دیا جائے اپنی بیوی کو
فوراً طلاق دے کر بیکار کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جو وجوب
بیوی کو نفقہ دینے کا اس پر عائد کیا گیا تھا وہ عدت کی تکمیل
کے بعد ختم ہو جائے گا۔

دفعہ ۲۱۵ الف۔ آیندہ زمانے کے نفقے کی قرارداد۔

اگر کوئی مسلمان نکاح کے قبل اپنی آیندہ ہونے والی بیوی کو برے برتاؤ سے بچانے
اور برا برتاؤ ہونے کی صورت میں اسے مناسب نفقہ دینے کی بابت قرارداد کرے،
تو وہ قرارداد مصلحت عامہ کے مخالف نہ ہونے کی وجہ سے باطل (کالعدم) نہ ہوگی[۱]۔
اسی طرح اگر ایک مسلمان دوسرا نکاح کرنے کے بعد، اپنی پہلی بیوی سے یہ قرارداد
کرے کہ اگر اس میں اور اس کی دوسری بیوی میں اتفاق نہ رہا تو اسے ایک مقررہ
مقدار میں نفقہ دیا جائے گا، تو یہ قرارداد بھی مصلحت عامہ کے خلاف نہ ہونے کی وجہ
سے باطل (کالعدم) نہ ٹھیرے گی[۲]۔ دیکھو دفعات ۲۱۶ (۳) اور ۲۳۷ الف۔
بمبئی ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے کہ جو قرارداد آیندہ شوہر اور زوجہ میں افتراق کے
متعلق کی جائے، وہ مصلحت عامہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایکٹ معاہدۂ ہند
کی دفعہ ۲۳ کی رو سے باطل (کالعدم) ہے۔ اسی لحاظ سے یہ قرارداد بھی کہ اگر آیندہ
زوج اور زوجہ میں افتراق ہو جائے تو زوجہ کو ایک مقررہ مقدار میں نفقہ دیا جائے
گا باطل (کالعدم) قرار پائے گی[۳]۔ اگر عقد نکاح طلاق سے ٹوٹے، تو زوجہ اسی
زمانے تک نفقے کی مستحق ہے جو دفعہ ۲۱۵ میں بتایا گیا ہے، نہ کہ تمام عمر کے لئے،

---

۱ محمد معین الدین بنام جمال سنہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۶۵۰، ۶۳ انڈین کیسز ۸۰۳، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۱۵۱؛ مسماۃ حمیدن بنام محمد سنہ ۳۲ آل انڈیا لاہور ۶۵، ۱۳۳ انڈین کیسز ۸۸۶۔

۲ منصور بنام عزیز ل سنہ ۱۹۲۸ء ۳ لکھنؤ ۶۰۳، ۱۰۹ انڈین کیسز ۸۱۲، سنہ ۲۸ آل انڈیا اودھ ۳۰۳۔

۳ بائی فاطمہ بنام علی محمد سنہ ۱۹۱۳ء ۳۷ بمبئی ۲۸۰، ۱۷ انڈین کیسز ۹۲۱۔

بجز اس کے کہ تمام عمر کے نفقے کے لئے کوئی قرار داد پہلے سے ہو گئی ہو۔[۱]

ج۔ عدالتی کارروائی

دفعہ ۲۱۶۔ مقدمہ اعادۂ حقوق زناشوئی۔ (۱) جب زوجہ بغیر کسی جائز وجہ کے شوہر کے پاس رہنا چھوڑ دے، تو شوہر زوجہ کے مقابلے میں اعادۂ حقوق زناشوئی کا دعویٰ کر سکتا ہے[۲]۔

(۲) **بے رحمی** —— جب بے رحمی اس نوعیت کی ہو، کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے اختیار میں جاکر رہنا خطرے سے خالی نہ ہو، تو یہ شوہر کے مقدمے کا جائز جواب ہے۔ "وہ شوہر کا ان وجوب کی عمل آوری ہیں، جو معاہدۂ نکاح سے اس پر عائد ہوتے ہیں، بری طرح ناکام رہنا اگر بطریق مناسب ثابت کیا جائے تو یہ بھی شوہر کو عدالتی امداد دینے سے انکار کرنے کی معقول وجہ ہو سکتی ہے[۳]"۔

(۳) **شوہر سے الگ رہنے کی قرار داد** —— نکاح کے قبل کی یہ قرار داد کہ زوجہ کو اختیار رہو گا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے والدین کے یہاں رہے باطل (کالعدم) ہے، اور مقدمے اعادۂ حقوق زناشوئی کا جواب نہیں ہو سکتی ہے[۴]۔

---

[۱] محمد معین الدین بنام جمال سنہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۶۵۰، ۶۲۳ انڈین کیسز ۸۸۳، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۱۵۲ [تمام عمر کے نان ونفقہ کا قرار تھا]؛ احمد کاظم بنام خاتون بی بی سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۴۵۴، [تمام عمر کے نان ونفقہ کا اقرار نہ تھا]۔

[۲] منشی بدل الرحیم بنام شمس النسا بیگم سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۵۵۱۔

[۳] مہر علی بنام شاکر نانو بائی سنہ ۱۹۰۵ء ۹ بمبئی لا رپورٹ ۶۱۲، ۸۰۶؛ حسینی بیگم بنام محمد سنہ ۱۹۰۷ء ۲۹ الہ آباد ۲۲۲؛ احمد حسین بنام کبری بیگم سنہ ۱۹۱۰ء ۴ الہ آباد ۲۳۲، ۴ انڈین کیسز ۸۲۰۔

[۴] عبدل بنام حسین بی سنہ ۱۹۰۴ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۷۲۰؛ امام علی بنام عرفات انسا سنہ ۱۹۱۳ء ۱۸ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۹۳، ۲۱ انڈین کیسز ۸۷؛ فاطمہ بی بی بنام نور محمد سنہ ۱۹۲۰ء الاہور ۹۷، ۵۹؛ ۶۱ انڈین کیسز ۸۰۸۔

اسی طرح ، بعد از دواج ایسے شوہر اور بیوی میں جو قرارداد کی تاریخ سے پہلے الگ الگ رہتے ہوں ، یہ قرارداد کہ وہ ساتھ رہیں گے ، لیکن اگر بیوی اور شوہر میں اتفاق نہ ہوا تو بیوی کو اختیار ہوگا کہ اسے چھوڑ کر چلی جائے باطل (کالعدم)[1] ہے۔ اور شوہر کے مقدمۂ اعادۂ حقوق زناشوئی میں صحیح جوابدہی نہیں متصور ہو سکتی دیکھو دفعات ۲۱۵ الف اور ۲۳۷ الف۔

(۴) مہر معجل کے نہ ادا کئے جانے اور اعادۂ حقوق زناشوئی کے متعلق ——— دیکھو دفعہ ۲۲۲ ———

(۵) شوہر کا بیوی پر زنا کا غلط الزام لگانا ——— اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا غلط الزام لگائے ، تو یہ اسے اعادۂ حقوق زناشوئی کی نہ ڈگری دینے کی معقول وجہ ہو سکتی ہے[2]۔ لیکن اگر یہ الزام صحیح ہو ، اور ایسے وقت میں لگایا تھا جبکہ عورت فی الحقیقت زناکاری کی زندگی بسر کر رہی تھی ، تو یہ اعادۂ حقوق زناشوئی کی ڈگری دینے سے انکار کا سبب نہیں ہو سکتا[3]۔ دیکھو دفعہ ۲۴۰۔

(۶) شوہر کا ذات سے خارج کر دیا جانا ——— بمبئی کے ایک مقدمے میں جس میں فریقین بھروچ کے مسلمان کھاروا فرقے کے تھے ، ہائیکورٹ نے اعادۂ حقوق زناشوئی کی ڈگری دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ شوہر ذات سے خارج کر دیا گیا تھا ، اور اس لحاظ سے عورت پر اس کے ساتھ رہنا لازم نہ تھا[4]۔

دفعہ ۲۱۶ الف۔ ازدواج کے غلط دعوے کا مقدمہ ——— ہندوستان کے مسلمانوں میں ازدواج کے غلط دعوے کے متعلق مقدمہ چل سکتا ہے[5]۔

---

[1] جہر علی بنام شاکر خانو بائی ۱۹۰۵ء ، بمبئی لا رپورٹ ۶۰۲۔

[2] مسماۃ مقبولن بنام رمضان ۱۹۲۶ء ۲ لکھنو ۴۸۲ ، ۱۰۱ انڈین کیسز ۲۶۱ ، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۵ ، ۱۴۶۔ جون بی بی بنام بیپاری ۱۸۶۵ء ۳ ویکلی رپورٹ ۹۳۔

[3] ضمیر الدین بنام سائرہ ۱۹۲۶ء ۵۴ کلکتہ ۳۶۳ ، ۱۰۱ انڈین کیسز ۹۰ ، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۵۶۹۔

[4] بائی جیتا بنام کھاروا جیتا ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۳۶۶۔

[5] میر عظمت علی بنام محمود النساء ۱۸۹۷ء ۲۰ الہ آباد ۹۶۔

کسی شخص کا غلط طور سے یہ کہنا کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہوگیا
ہے" ازدواج کا غلط دعویٰ" ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں
کہ جب تک اس شخص کو عدالت دیوانی کے توسط سے یہ حق نہ دیا
جائے کہ وہ ایسی عورت کی زبان بندی کر سکے جو غلط طور سے
اس کی بیوی ہونے کا ادعا کرتی ہے، تو شخص مذکور اور نیز
دوسرے اشخاص کو سخت مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کے
مرنے کے بعد اس کے وارث غلط دعووں سے پریشان
کئے جاتے رہیں گے"۔[1]

دفعہ ۲۱۶ ب۔ معاہدۂ نکاح کی خلاف ورزی کا مقدمہ —
معاہدۂ نکاح کی خلاف ورزی کی بناء پر ہرجے کا جو دعویٰ کسی مسلمان کی طرف سے دائر کیا جائے، اس میں مدعی وہ ہرجہ پانے کا مستحق نہ ہوگا جو انگلستان کے قانون میں خلاف ورزی معاہدۂ نکاح کے مقدمات کے لئے مخصوص ہے، بلکہ ان رقوم، زیورات، ملبوس اور دوسری اشیاء کی واپسی کا مستحق ہوگا جو اس نے بطور تحفہ (چڑھاوے) کے دئے ہوں[2]۔

---

[1] ۱۸۹۷ء ۲۰ الہ آباد ۹۶، ۹۷۔
[2] عبدالرزاق بنام محمد ۱۹۱۸ء ۴۲ بمبئی ۹۹، ۴۸ انڈین کیسز ۱۱۷، میگناٹن ۲۵۰۔ نیز ملاحظہ ہو محمد عابد علی بنام لڈن ۱۸۸۶ء ۱۴ کلکتہ ۲۷۶ [متعہ]۔

فصلِ پانزدہم

مہر

دفعہ ۲۱۷ - مہر کی تعریف ـــــ مہر وہ نقد رقم یا دوسری جائداد ہے جو نکاح کے بدل میں زوجہ زوج سے پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

دیکھو بیلی ۹۱ ؛ اور مقدمہ عبدالقادر بنام سلیمہ ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۱۴۹ صفحہ ۱۵۷ پر جسٹس محمود کا قول۔

شرعِ اسلام میں نکاح ایک دیوانی معاہدہ ہے (دفعہ ۱۹۴) اور وہ معاہدۂ بیع سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ بیع جائداد کا بمعاوضۂ قیمت منتقل کرنا ہے۔ معاہدہ (عقد) نکاح میں زوجہ بمنزلۂ جائداد کے ہے، اور مہر اس کی قیمت ہے۔ دیکھو الہ آباد کا مقدمۂ مذکورۂ بالا۔ سر عبدالرحیم کی یہ رائے ہے کہ مہر جو شوہر کی طرف سے مقرر ہوتا ہے وہ نکاح کا بدل (معاوضہ) نہیں بلکہ زوجہ کی توقیر کی ایک علامت ہے جو شرعِ اسلام نے بطور وجوب کے (شوہر پر) عائد

کردی ہے۔[1] پرایوی کونسل کے ایک مقدمے[2] میں، وہاں کے
ججوں نے یہ لکھا کہ: "شرع اسلام میں مہر نکاح کا ایک اہم
لازمہ ہے؛ اور اس قدر اہم سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس تعین انعقاد
نکاح کے وقت نہیں کیا جاتا، تو شرع اسلام خاص اصول پر اس
کے تعین کا حکم دیتی ہے۔ اگر مہر نکاح کا بدل سمجھا جائے، تو
اصولاً وہ استفادۂ نکاح سے پہلے ادا ہونا چاہیئے، لیکن
شرع نے اسے دو اجزا (قسموں) میں تقسیم کرنے کی اجازت دی
ہے، ایک ان میں سے "معجل" کہلاتا ہے جو عورت کو شوہر
کے گھر لیجانے (یعنی رخصتی) سے قبل واجب الادا ہوتا ہے؛
دوسرا "موجل" ہے جو موت یا طلاق سے معاہدۂ نکاح کے
فسخ ہو جانے پر ادا ہونا چاہیئے۔"

دفعہ ۲۱۸۔ مقررہ مہر ــــ (۱) شوہر مجاز ہے کہ اپنی بیوی کا مہر
جو چاہے مقرر کرے، اگرچہ وہ اس کی حیثیت سے زیادہ ہو اور اگرچہ وہ ایسا ہو کہ
اس کے ادا کرنے کے بعد اس کے وارثوں کے لئے کچھ نہ باقی رہے۔ مگر اس کی مقدار
کسی صورت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔

(۲) جب معاہدۂ مہر کی بنا پر دعوی کیا جائے، تو بجز اس کے کہ واضعان
قانون کے کسی ایکٹ میں کوئی حکم دیا گیا ہو، عدالت کو حسب معاہدہ مہر کی پوری مقدار دلانی چاہیئے۔[3]

ہدایہ، ۴۴؛ بیلی، ۹۲۔

درہم ــــ دس درہم کی قیمت تین اور چار روپے کے

[1] محمڈن جورسس پروڈنس صفحہ ۳۳۴۔

[2] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۰، ۳۸ الہ آباد ۵۸۱، ۳۴ انڈین کیسز ۷۸۰، ۱۹۱۶ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۴۶۔

[3] صغرا بی بی بنام معصومہ بی بی ۱۸۷۷ء ۱ الہ ۵۷۳؛ بانو بیگم بنام میر عون علی ۱۹۰۷ء ۹ بمبئی لا رپورٹ ۸۸۱؛ بصیر علی بنام حافظ ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۳۵۲، ۱۴ انڈین کیسز ۴۶۲۔

درمیان ہوتی ہے[1]۔ مسلمانوں میں عموماً مہر زیادہ مقرر کیا جاتا ہے، تاکہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکے، کیونکہ اس صورت میں اسے مہر مقررہ ادا کرنا ہوتا ہے[2]۔

"بجز اس کے کہ واضعانِ قانون کے کسی ایکٹ میں کوئی اور حکم دیا گیا ہو" ــــ قوانینِ اودھ کے ایکٹ ۱۸۷۶ء کی دفعہ (۵) کی رو سے عدالت پر لازم نہیں ہے کہ وہ وہی مہر دلائے جو معاہدۂ نکاح میں قرار پایا ہو، بلکہ صرف اسی قدر "جو شوہر کی آمدنی اور زوجہ کی حیثیت کے لحاظ سے مناسب معلوم ہو"[3]۔ ذاکری بیگم بنام سکینہ بیگم کے مقدمے[4] میں پرائیوی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ ایکٹ ان مسلمانوں سے جو اودھ کے باہر رہتے ہوں، اور انھوں نے ایسی عورت سے جو اودھ کی رہنے والی ہو، اودھ ہی میں نکاح کیا ہو، متعلق نہیں ہے۔

شیعوں کا قانون ــــ شیعوں کے قانون میں، کوئی شرعی اقل مقدارِ مہر کی نہیں بتائی گئی ہے۔ بیلی، جلد دوم، ۶۷، ۶۸۔

دفعہ ۲۱۹ ۔ مہر بعد نکاح کے بھی مقرر ہو سکتا ہے ــــ مقدارِ مہر کا تعین نکاح سے پہلے، یا نکاح کے وقت، بلکہ نکاح کے بعد بھی ہو سکتا ہے[5]۔

---

[1] عاصمہ بی بی بنام عبد الصمد ۱۹۰۹ء ۳۲ الہ آباد ۱۶۷، ۵ انڈین کیسز ۱۱۴ ۔

[2] ذاکری بیگم بنام سکینہ بیگم ۱۸۹۲ء ۱۹ انڈین اپیلز ۱۵۷، ۱۶۵، ۱۹ کلکتہ ۶۸۹ ۔

[3] عبد الرحمٰن بنام عنایتی بی بی ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۶۳، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳ ۔

[4] ۱۸۹۲ء ۱۹ انڈین اپیلز ۱۵۷، ۱۹ کلکتہ ۶۸۹؛ رقیہ بیگم بنام محمد ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۷۷۴، ۶ انڈین کیسز ۵۶۸ ۔

[5] قمر النسا بنام حسینی بی بی ۱۸۸۰ء ۳ الہ آباد ۲۶۶؛ بشیر احمد بنام زبیدہ ۱۹۲۶ء ۱ لکھنو ۸۳، ۹۲ انڈین کیسز ۲۶۵؛ ۱۹۲۶ء آل انڈیا اودھ ۱۸۶؛ مسماۃ آمنہ بی بی بنام محمد ۱۹۲۹ء ۴ لکھنو ۳۴۳، ۱۱۴ انڈین کیسز ۵۰۴، ۱۹۲۹ء آل انڈیا اودھ ۵۲۰ ۔

دفعہ ۲۱۹ الف ۔ مہر کا معاہدہ باپ کر سکتا ہے ــــ مہر کا جو معاہدہ باپ اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے کرتا ہے وہ بیٹے پر واجب التعمیل ہے۔ ایسا معاہدہ نکاح کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ بیٹا اس وقت بھی نابالغ ہو[1]۔ باپ ایسا معاہدہ کرنے سے دینِ مہر کا ذاتی طور سے ذمہ دار نہیں ہو جاتا، اور نہ صرف نکاح پر رضامندی کے اظہار کی وجہ سے اس پر دینِ مہر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے[2]۔

دفعہ ہذا میں 'نابالغ' سے مراد وہ شخص ہے جو (قانون متعلقہ کے لحاظ سے) حدِ بلوغ کو نہ پہنچا ہو[3]۔

دفعہ ۲۲۰ ۔ "مہرِ مثل" ــــ اگر مقدارِ مہر کا تعین نہ کیا جائے (دفعہ ۲۱۸) تو زوجہ "مہرِ مثل" کی مستحق ہوگی، اگرچہ نکاح اس صریح شرط کے ساتھ بھی ہوا ہو کہ زوجہ کو کسی مہر کا دعویٰ نہ ہوگا۔ مہرِ مثل کے تعین میں ان مہروں کا لحاظ کیا جاتا ہے جو اس کے باپ کے خاندان کی دوسری عورتوں، مثلاً اس کی پھپھیوں کا قرار پایا تھا۔

ہدایہ، ۴۵، ۵۳؛ بیلی، ۹۲، ۹۵۔

شیعوں کا قانون ــــ شیعوں کے قانون کے لحاظ سے مہرِ مثل پانسو درہم سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ بیلی، جلد دوم ۷۱۔ درہم کے متعلق دیکھو نوٹ متعلق دفعہ ۲۱۸۔

دفعہ ۲۲۱ ۔ مہرِ معجل اور موجل ــــ (۱) مہر عموماً دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے[4]۔ "ایک معجل"، جو طلب پر واجب الادا ہوتا ہے۔ دوسرا "موجل" جو موت یا طلاق سے نکاح کے فسخ ہو جانے پر واجب الادا قرار پاتا ہے۔ دیکھو

---

[1] بشیر علی بنام حافظ سنہ ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۵۳، ۴ انڈین کیسز ۴۶۲۔

[2] محمد صدیق بنام شہاب الدین سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۵، ۱۰۰ انڈین کیسز ۶۳۶، سنہ ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۳۶۴۔

[3] مظہر بنام عبدل سنہ ۲۵ آل انڈیا کلکتہ ۳۲۲، ۸۰ انڈین کیسز ۹۱۴۔

[4] کہنا یہ چاہئے تھا کہ مہر دو اجزا میں تقسیم ہو سکتا ہے ایک جز معجل اور دوسرا موجل۔ مترجم

دفعہ ۲۴۳ (۲)۔

(۲) جب نکاح کے وقت مہر کا تعین نہ ہوا ہو خواہ وہ معجل ہو یا موجل، تو شیعوں کے قانون کے مطابق وہ کل معجل قرار پائے گا[1] مگر سنیوں کے قانون سے، ایک جز معجل اور ایک جز موجل قرار دیا جائے گا۔ اس امر کا فیصلہ کہ کتنا معجل اور موجل ہونا چاہئے رواج سے کیا جائے گا، رواج کی عدم موجودگی میں، فریقین کی حیثیت اور مہر مقررہ کی مقدار پر فیصلہ ہوگا[2]۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ جب مہر کا کوئی جز معجل نہ قرار پایا ہو، اس حالت میں آیا عدالت کو سنیوں کے قانون کے مطابق یہ اختیار ہے کہ وہ کل مہر کو معجل قرار دے۔ بمبئی ہائیکورٹ کا فیصلہ یہ ہے کہ عدالت کو ایسا اختیار حاصل ہے[3]۔

بیلی، ۹۲۔ عیدن بنام مظہر حسین ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۴۸۳ میں عدالت نے پانچہزار کے مہر میں سے ۱/۴ کو معجل قرار دیا، زوجہ ایک طائفہ تھی۔ توفیق النسا بنام غلام قنبر ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۰۶ میں اکاون ہزار کے مہر سے عدالت نے ۱/۳ کو معجل قرار دینا مناسب تصور کیا؛ اور فاطمہ بنام صدر الدین ۱۸۶۵ء ۲ بمبئی ہائی کورٹ ۲۹۱ میں بھی، یہی تناسب قائم کیا گیا تھا۔ ان سب مقدمات میں فریقین سنی تھے اور معاہدۂ نکاح (نکاح نامہ) میں معجل یا موجل کی کوئی صراحت نہ تھی۔

---

[1] مرزا بیدار بخت بنام مرزا خرم بخت ۱۸۷۳ء ۱۹ ویکلی رپورٹ ۳۱۵ [پرایوی کونسل]؛ مستان صاحب استن بیوی ۱۸۹۹ء ۲۳ مدراس ۳۵۱۔

[2] عیدن بنام مظہر حسین ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۴۸۳؛ توفیق النسا بنام غلام قنبر ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۰۶؛ عمدہ بیگم بنام محمدی بیگم ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۲۹۱، ۹ انڈین کیسز ۲۰۰؛ محمد بنام صغیر النسا ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۶۲، ۵۰ انڈین کیسز ۴۰؛ مسماۃ بی بی بنام شیخ محمد ۱۹۲۹ء ۸ پٹنہ ۵۴۵، ۱۱۷ انڈین کیسز ۲۰۷، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۰۷؛ فاطمہ بی بی بنام صدر الدین ۱۸۶۵ء ۲ بمبئی ہائی کورٹ ۲۹۱۔

[3] حسین خاں بنام گلاب خاتون ۱۹۱۱ء ۳۵ بمبئی ۳۸۶، ۱۱ انڈین کیسز ۵۵

دفعہ ۲۲۱ الف ۔ زوجہ کا مہر معاف کر دینا ــــــ زوجہ مجاز ہے کہ اپنا کل مہر یا اس کا کوئی جز شوہر یا اس کے وارثوں کو معاف کر دے ۔ یہ معافی جائز ہے اگرچہ بغیر کسی بدل کے کی گئی ہو۔[1] [بیلی ۵۵۳]

مگر معافی آزاد مرضی سے ہونی چاہیئے ۔ جب زوجہ اپنے شوہر کی موت کی وجہ سے سخت دلی تکلیف میں مبتلا ہو اس وقت اس کا مہر معاف کر دینا آزاد مرضی سے نہیں سمجھا جائے گا، اور نہ وہ اس کی پابند ہوگی۔[2] مدراس ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایسی زوجہ کی معافی جو ہندوستان کے ایکٹ بلوغ ۱۸۷۵ء کی رو سے سنِ بلوغ کو نہ پہنچی ہو نا جائز ہے، اگرچہ شرعِ اسلام کی رُو سے وہ بالغ قرار پاتی ہو۔[3] الہ آباد ہائی کورٹ نے اس فیصلے سے اختلاف کر کے یہ رائے قائم کی ہے کہ ہندوستان کے ایکٹ بلوغ کی (دفعہ ۲) "نکاح یا مہر کے معاملے میں" کسی شخص کی قابلیت عمل پر مؤثر نہیں ہے، اس لئے ایک لڑکی جو سن بلوغ کو پہنچ گئی ہو معافی مہر کی مجاز ہے، اگرچہ وہ ۱۸ سال کی نہ ہوئی ہو جو ہندوستان کے ایکٹ بلوغ کا مقصد ہے[4] ۔ الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے صحیح ہے ۔

دفعہ ۲۲۱ ب ۔ مہر کا مقدمہ اور میعاد ــــــ اگر مہر ادا نہیں ہوا ہے، تو زوجہ، اور اس کی وفات کے بعد اس کے وارث، مہر کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ مہر معجل کے دعوے کی میعاد تاریخ طلب اور انکار سے ہے، یا جب بحالت قیام نکاح کوئی مطالبہ نہ کیا گیا ہو، تو موت یا بذریعہ طلاق نکاح فسخ ہو جانے کی تاریخ سے

---

[1] جانی بیگم بنام امراؤ بیگم ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۶۱۲ -

[2] نور النسا بنام خواجہ محمد ۱۹۲۰ء ۴۸ کلکتہ ۵۳۰، ۵۶ انڈین کیسز ۸ -

[3] عابد النسا بنام محمد ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۲۶، ۴۴ انڈین کیسز ۲۹۳ -

[4] قاسم حسین بنام بی بی کنیز ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۶۴۹، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱ ۳۷ -

تین سال ہے۔
[ایکٹ میعادِ سماعت ۱۹۰۸ء ضمیمہ اوّل مد ۱۰۳]۔ مہرِ موجل کے دلاپانے کے مقدمے کی میعاد بھی موت یا طلاق کے ذریعے سے نکاح فسخ ہو جانے کی تاریخ سے، تین سال ہے [ایکٹ میعادِ سماعت حسبِ سابق مد ۱۰۴]۔

مہرِ موجل کی میعاد زوجہ کے خلاف اس وقت تک نہیں شروع ہوتی جب تک کہ وہ بر بنائے دعویٰ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر بطریق جائز قابض رہتی ہے[1]۔

دفعہ ۲۲۲۔ مہرِ معجل کا نہ ادا کیا جانا اور طلب حقوق زناشوئی — زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ مہرِ معجل کے نہ ادا ہونے تک شوہر کے ساتھ رہنے اور اسے مجامعت کا موقع دینے سے انکار کرے [بیلی ۱۲۵]۔ اگر شوہر مجامعت ہو جانے سے قبل اعادۂ حقوق زناشوئی کا مقدمہ دائر کرے، تو مہرِ معجل کا نہ ادا کیا جانا اس کی کامل جواب دہی متصور ہوگی، اور مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ اگر مقدمہ زوجہ کی آزاد مرضی سے جماع کئے جانے کے بعد دائر ہوا ہے، تو مناسب فیصلہ یہ ہوگا کہ مقدمہ خارج نہ کیا جائے، بلکہ شوہر کو اعادۂ حقوق زناشوئی کی ڈگری اس شرط کے ساتھ دی جائے کہ وہ پہلے مہرِ معجل ادا کرے[2]۔

دیکھو دفعہ ۲۱۶ (۴) اور جن مقدمات کا حوالہ وہاں دیا گیا ہے۔ اگر عورت نکاح کے وقت حاملہ ہو، اور مرد سے اپنا حمل چھپا رکھے، تو حمل کے چھپانے سے نہ نکاح باطل ہوتا ہے اور نہ اس سے عورت کا حق مہرِ معجل زائل ہوتا ہے[3]۔

---

[1] حمید اللہ خاں بنام ناجو ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۵۶۸، ۱۱۰ انڈین کیسز ۲۸۲۔
[2] عبد القادر بنام سلیمہ ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۱۴۹؛ کنہی بنام محی الدین ۱۸۸۸ء ۱۱ مدراس ۳۲۷؛ بائی ہنسا بنام عبد اللہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۱۲۲؛ حمید النسا بنام ظہور الدین ۱۸۹۰ء ۱۷ کلکتہ ۶۷۰۔
[3] کلثوم بی بنام عبد القادر ۱۹۱۱ء ۴۵ بمبئی ۱۱۹۱ انڈین کیسز ۳۳۴، ۱۹۲۱ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۵۔

مدیون سے ہبہ یا عطا کی توقع نہیں کی جاسکتی ـــ
اس مقولے سے زوجہ اور زوج کے تعلقات میں کام نہیں لیا جاتا۔
ایک مسلمان نے اپنی بیوی کو وقتاً فوقتاً مختلف رقمیں دی تھیں، مگر کوئی شہادت ایسی موجود نہ تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ دینِ مہر کی ادائی میں دی گئی تھیں، اس بنا پر یہ قرار پایا کہ جو رقمیں اسے دی گئی تھیں وہ دینِ مہر کی ادائی میں نہیں متصور ہوسکتیں، اور زوجہ اپنا کل مہر پانے کی مستحق ہے[1]

دفعہ ۲۲۲ الف ۔ وارثوں پر دینِ مہر کی ذمہ داری ۔

ایک مسلمان متوفی کے وارث دینِ مہر کے ذاتی طور سے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ متوفی کے دوسرے دیون کی طرح دینِ مہر کا بھی ہر وارث بقدر اپنے حصۂ وراثت کے ذمہ دار ہوتا ہے [دفعہ ۳۳]۔ اس لیئے، اگر بیوہ بربنائے دعوائے مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو [دفعہ ۲۲۴]، تو اس کے شوہر کے دوسرے وارثوں میں سے ہر ایک اپنے حصے کے تناسب سے دینِ مہر کا حصۂ رسدی ادا کرکے اپنا حصہ واپس پانے کا مستحق ہے[2]

ایک مسلمان، ایک بیوہ، ایک بیٹا، اور دو بیٹیاں چھوڑ کر مرجاتا ہے۔ زوجہ کا دینِ مہر ۳۲۰۰ روپے ہے۔ بیوہ کا حصہ جائداد میں ۱/۸ ہے، اس لیئے وہ ۱/۸ × ۳۲۰۰ = ۴۰۰ روپے کی ذمہ دار ہوگی۔ بیٹے کا حصہ ۷/۱۶ ہے، اس پر ۷/۱۶ × ۳۲۰۰ = ۱۴۰۰ روپے کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ پس اگر بیوہ جائداد پر قابض ہو تو، بیٹا

---

[1] محمد صادق بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۳۲ ۵۹ آل انڈیا الہ آباد ۶۱، لکھنؤ ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵، سنہ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳ ۔

[2] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی سنہ ۱۹۱۶ ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۸ الہ آباد ۵۸۱، ۳۶ انڈین کیسز ۸۷ ۔

۴۰۰ روپے ادا کر کے اپنا حصہ پا سکتا ہے۔ ہر بیٹی کا حصہ $\frac{۷}{۳۲}$ ہے، اور وہ $\frac{۷}{۳۲} \times ۳۲۰۰ = ۷۰۰$ روپے کی ذمہ دار ہے، بیوہ کے قابض جائداد ہونے کی حالت میں وہ ۷۰۰ روپے دے کر اس سے اپنا حصہ واپس لینے کی مستحق ہو جاتی ہے۔

دفعہ ۲۲۳ - مہر ایک دین ہے مگر کفالتی دین نہیں ہے —

(۱) مہر ایک دین متصور ہوتا ہے، اور بیوہ دوسرے دائنوں کی طرح اپنے متوفی شوہر کی جائداد سے اس کے پانے کی مستحق ہوتی ہے؛ مگر اس کا حق کسی طرح دوسرے غیر کفالتی دائنوں سے بڑھا ہوا نہیں ہوتا، بجز اس کے کہ اسے تا حد مذکورۂ دفعہ ۲۲۴ جائداد کے روک رکھنے کا حق حاصل ہوتا ہے[1]۔ وہ اپنے شوہر کی جائداد پر کسی بار کفالت کے عائد کرانے کی مستحق نہیں ہے، اگرچہ ایسا بار کفالت قرارداد سے عاید ہو سکتا ہو[2]۔

(۲) آیا دین مہر کا بار کفالت ذریعہ ڈگری (جائداد پر) عاید کیا جا سکتا ہے — اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ عدالت اپنی ڈگری کے ذریعے سے دین مہر کا بار کفالت (جائداد متوفی پر) عائد کر سکتی ہے۔ اگر ایسا بار عاید کیا گیا، اور ڈگری مرافعہ نہ ہونے سے قطعی ہو گئی، تو اس بار کفالت کے مطابق عمل ہوگا؛ اگر اسی کو دوسرے الفاظ میں کہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں، کہ جس ڈگری سے بار کفالت عاید کیا گیا وہ عدم اختیارات کی بناء پر کالعدم نہیں ہے[3]۔

---

[1] بی بی بچن بنام شیخ حامد ۱۸۷۱ء ۱۴ مورس انڈین اپیلز ۳۷۷، ۳۸۲ - ۳۸۴؛ حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۱؛ ۳۸ الہ آباد ۵۸۱؛ ۳۶ انڈین کیسز ۸۷ -

[2] امیر النسا بنام مراد النسا ۱۸۵۵ء ۶ مورس انڈین اپیلز ۲۱۱ -

[3] قاسم حسین بنام حبیب الرحمان ۱۹۲۹ء ۵۶ انڈین اپیلز ۲۵۴، ۲۵۸؛ ۸ پٹنہ ۹۲۶؛ ۱۱۷ انڈین کیسز ۲۹؛ ۱۹۲۹ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۷۴؛ محمد واجد بنام بضاعت حسین ۱۸۸۱ء ۸ انڈین اپیلز ۲۱۱، ۲۲۳-۲۲۴؛ ۴ کلکتہ ۳۰۲ -

اگرچہ ڈگری کے ذریعے سے بارکفالت کا عائد کرنا عدالت کے حدود اختیار سے باہر نہیں ہے، مگر عام طور سے وہ ایسا نہ کرے گی، کیونکہ ایسی ڈگری صادر کرنا دین مہر کو متوفی کے دوسرے دیون پر ترجیح دینا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ رقم کی سادی ڈگری دی جائے۔ اگر ایسی ڈگری صادر ہوئی ہو جس سے بارکفالت عائد ہوتا ہو، تو عدالت مرافعہ کے لئے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اس حد تک اسے منسوخ کر دے۔[1]

(۳) وارثوں کا جائداد کو قبل ادائے دین مہر منتقل کر دینا —— وارث کے اپنے حصے کے منتقل کرنے کے حق پر جیسا کہ دفعہ ۲۲ (۱) میں بیان ہوا ہے، مہر کے نہ ادا ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اگر زوجہ اپنے مہر کے معاوضے میں بروقت انتقال جائداد پر قابض ہے، تو وہ انتقال بہ تحفظ حق قبضہ ہوگا۔[2]

> دین مہر مثل دوسرے دیون کے ہے، اس لئے وارث اس کا مجاز ہے کہ وہ دین مہر کے ادا ہونے سے قبل اپنا حصہ (کسی کے نام) اسی طرح منتقل کر دے جیسا کہ وہ دوسرے غیر کفالتی دیون کے ادا ہونے سے قبل کر سکتا ہے۔ ایسے انتقال سے جائداد منتقل الیہ کی طرف بطریق جائز منتقل ہو جاتی ہے۔

دفعہ ۲۲۴۔ زوجہ کا مہر کے معاوضے میں شوہر کی جائداد پر قابض رہنے کا حق —— (۱) بیوہ کے دعوئی مہر سے اسے یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے شوہر کی کسی خاص جائداد پر کوئی بارکفالت عائد کرے۔ [دفعہ ۲۲۳]۔ مگر جب وہ اپنے متوفی شوہر کی جائداد پر قابض ہو اور وہ قبضہ "بطریق جائز بلا کسی قسم کے جبر یا فریب کے" حاصل کیا گیا ہو،

---

[1] عبدالرحمن بنام عنایتی بی بی ۱۹۳۱ آل انڈیا اودھ ۶۳، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳۔

[2] بضاعت حسین بنام دولی چند ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱، ۴ کلکتہ ۴۰۲۔

تو وہ متوفی کے دوسرے وارثوں کے مقابلے میں تا ادائے دین مہر جائداد پر قابض رہنے کی مستحق ہے۔ مہر کے ادا ہو جانے پر یہ حق ختم ہو جائے گا۔ (انگریزی میں بعض اوقات یہ حق "lien" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن صحیح معنوں میں یہ "lien" نہیں ہے۔

اس امر کے متعلق بڑا اختلاف ہے، کہ آیا بیوہ اپنے شوہر کی جائداد پر قابض رہنے کی صرف اسی حالت میں مستحق سمجھی جاتی ہے جبکہ اس نے قبضہ بطریق جائز اور بلا جبر اور فریب کے "حاصل کیا ہو، یا حصولِ قبضہ کے لئے "اس کے شوہر یا شوہر کے وارثوں کی صریحی یا معنوی رضامندی کا حاصل کرنا" بھی ضرور ہے۔ مدراس ہائیکورٹ[2] کی رائے میں ایسی رضامندی کی ضرورت نہیں۔ کلکتہ ہائی کورٹ[3] کی رائے میں ضروری ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے دو قدیم مقدمات میں اسے ضروری قرار دیا[4]، حال کے مقدمات میں ایسی رضامندی ضروری نہیں متصور ہوئی[5]۔

---

[1] بی بی بچن بنام شیخ حمید سنہ ۱۸۹۱ء ۱۴ مدراس انڈین اپیلز ۷۷، ۳؛ مینا بی بی بنام چودھری وکیل سنہ ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۴۹ - ۱۵۰، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۲۵۴ - ۲۵۵، ۸۶ انڈین کیسز ۱۷۹، سنہ ۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳ -

[2] یچولی بنام سید مرتضیٰ سنہ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ۲۱۴؛ ۵۴ انڈین کیسز ۹۰۵ -

[3] صابر بی بی بنام اسمٰعیل سنہ ۱۹۲۴ء ۵۱ کلکتہ ۱۲۴، ۸۰ انڈین کیسز ۲۹۴، سنہ ۲۴ء آل انڈیا کلکتہ ۵۰۰، جس میں مقدمہ صاحب جان بنام انصر الدین سے اختلاف کیا گیا سنہ ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۴۷۵، ۹ انڈین کیسز ۱۰۳۱ -

[4] امانت النسا بنام بشیر النسا سنہ ۱۸۹۴ء ۱۷ الہ آباد ۷۷؛ محمد کریم اللہ بنام امانی بیگم سنہ ۱۸۹۴ء ۱۷ الہ آباد ۹۳ -

[5] رمضان علی بنام اصغری بیگم سنہ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۶۳، ۵۶۶، ۶ انڈین کیسز ۴۰۵؛ محمد شعیب بنام زیب جہاں سنہ ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۴۲۳، سنہ ۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۸۵۰؛ امتیاز بیگم بنام عبد الکریم سنہ ۱۹۳۱ء ۵۳ الہ آباد ۳۱؛ ۱۲۸ انڈین کیسز ۶۷۰، سنہ ۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۸۸۱ -

(۲) جس بیوہ نے اپنے شوہر کی جائداد پر بمعاوضۂ مہر قبضہ نہ حاصل کر لیا ہو، وہ اپنے شوہر کے دوسرے وارثوں کے قبضے کی مانع نہیں ہو سکتی۔ دوسرے وارث بھی اس کے ساتھ مشترک قبضے کے مستحق ہیں۔ ان کے قبضے کے دعویٰ کرنے پر بیوہ کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ "اب میں قبضہ کئے لیتی ہوں"۔ اس کا حق صرف اتنا ہی ہے کہ وہ اسی قدر پر قابض رہے جتنے پر وہ دوسرے وارثوں کے قبضہ حاصل کرنے سے پہلے قابض تھی[1]۔

دفعہ ۲۲۴ الف۔ روک رکھنے کا حق رہن کے مماثل نہیں ہے ——— اس بیوہ کی حیثیت، جو نا ادائی مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض رہنے کی دعویدار ہو، اس انتفاعی یا کسی دوسری قسم کے مرتہن کی حیثیت سے بالکل جدا ہے جس کے پاس مالک اپنی جائداد قرضے کی رقم کی ادائی کے اطمینان کے لئے رہن رکھتا ہے۔ ان دونوں حیثیتوں میں کوئی حقیقی یا صحیح مماثلت نہیں ہے[2]۔ دیکھو ضمن ۲ دفعہ ۲۲۴ کی۔

[زید ایک بیوہ اور ایک بہن چھوڑ کر مرا۔ زید کے مرنے کے چند روز کے بعد بیوہ نے کلکٹری میں یہ درخواست پیش کی کہ زید کی کل جائداد پر اس کا نام داخل کیا جائے، کیونکہ وہ جائداد پر بحیثیت وارث اور اپنے مہر کی بنا پر قابض چلی آتی ہے۔ بہن کی طرف سے اس درخواست کی مخالفت کی گئی۔ مگر جائداد کا داخل خارج بیوہ کے نام منظور کر لیا گیا۔ دس سال کے بعد بہن نے بیوہ کے مقابلے میں زید کی جائداد سے اپنے حصے $\frac{1}{2}$ کے دلا پانے کا دعویٰ کیا۔ بیوہ کی طرف سے یہ جوابدہی ہوئی کہ تاوقتیکہ

---

[1] طاہر النسا بنام نواب حسن ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۵۵۸؛ ۲۴ انڈین کیسز ۹۳۰۔

[2] مینا بی بی بنام چودھری وکیل ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۵۱؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۲۵۶؛ ۸۶ انڈین کیسز ۷۸۵، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پراوی کونسل ۶۳۔

اس کا دین مہر نہ ادا ہو جائے وہ کل جائداد پر قبضہ رکھنے کی مستحق ہے۔ پرایوی کونسل نے طے کیا کہ بیوہ تا ادائی دین مہر جائداد پر قابض رہنے کی مستحق ہے؛ بی بی بچن بنام شیخ حامد ۱۸۷۱ء ۱۴ مورس انڈین اپیلز ۳۷۷]

۱۔ بطریق جائز اور بغیر جبر یا فریب کے قابض ہونا۔ بی بی بچن کے مقدمہ میں جس کا ذکر تمثیل بالا میں کیا گیا ہے، پرایوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "چونکہ مرافع (بیوہ) جائداد زیر بحث پر حقیقی اور جائز طریقے سے بطور وراثت اور بر بنائے مہر قابض ہے اس لئے ہماری رائے میں وہ تا ادائی دین مہر جائداد پر قابض رہنے کی مستحق ہے۔ .... اس امر کی ضرورت نہیں کہ قابض بیوہ کا یہ حق صحیح معنوں میں Lien (حق احتباس) کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ ہائیکورٹ نے احمد حسین بنام مسماۃ خدیجہ ۱۸۶۸ء ۱۰ ویکلی رپورٹ ۳۶۹ میں اس حق کو اسی نام سے موسوم کیا ہے۔ بہر حال یہ حق خواہ کسی نام سے موسوم کیا جائے، اس کی بنیاد وہ اختیار ہے جو بحیثیت دائن مہر بیوہ کو اپنے شوہر کی اس جائداد پر قابض رہنے کا دیا گیا ہے، جس کا قبضہ اس نے بطریق جائز اور بلا جبر یا فریب کے حاصل کیا ہو۔ یہ قبضہ دین مہر کے ادا ہونے تک قائم رہتا ہے اور بیوہ دوسرے مستحقین جائداد کو حساب دینے، اور وصول شدہ منافع کے متعلق جوابدہی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔"

۲۔ جس اختلاف آرا کا ذکر دفعہ ۲۲۴ کی ضمن (۱) میں کیا گیا ہے، وہ پرایوی کونسل کے ایک بعد کے مقدمے جمیلا بی بی بنام زبیدہ بی بی[1] کی تجویز سے پیدا ہوا۔ اس مقدمے

---

[1] ۱۹۱۹ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۱؛ ۳۸ الٰہ آباد ۵۸۱؛ ۳۶ انڈین کیسز ۸۶۔

میں جبان پرایوی کونسل نے یہ لکھا :-

"لیکن مہر مثل قرض کے ہے، اور زوجہ کو دوسرے قرض خواہوں کی طرح یہ حق حاصل ہے، کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اس کی جائداد سے اسے وصول کرے۔ اس کا یہ حق کسی طرح دوسرے غیر کفالتی قرض خواہوں سے بڑھا ہوا نہیں ہے، بجز اس کے کہ اگر وہ اپنا قرض جائداد کی آمدنی .... سے ادا کرنے کے لئے کل جائداد یا اس کے کسی جزو پر بطریق جائز اپنے شوہر یا اس کے دوسرے وارثوں کی صریح یا معنوی رضامندی سے قابض ہو جائے، تو وہ تا ادائی رقم مہر اس پر قابض رہنے کی مجاز ہے۔ یہ بیوہ کے مہر کا "lien" (حق احتباس) کہلاتا ہے، اور شرع اسلام کا یہی ایک قرضی "lien" (حق احتباس) ہے جو برٹش انڈیا کی عدالتوں اور کونسل ہذا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔"

۳۔ الہ آباد ہائیکورٹ کے نزدیک جبان پرایوی کونسل کی وہ عبارت جس کے اوپر خط کھینچ دیا گیا ہے ضمنی رائے (Obiter dicta) تھی۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے باختلاف الہ آباد ہائیکورٹ یہ رائے قائم کی ہے، کہ فقرۂ بالا میں جبان پرایوی کونسل نے بیوہ کے دین مہر اور اپنے شوہر کی جائداد پر قبضہ رکھنے کے حق کی تعریف کی ہے، اور اس لئے اس پر ضمنی رائے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ بعد کے مقدمہ مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد میں

ا۔ ۱۹۲۲ء ۴۴ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۵۰-۱۵۱؛ ۱۹۴۷ء الہ آباد ۲۵۰، ۲۵۵-۲۵۶، ۲۵۶؛ ۸۶ انڈین کیسز ۵۰۹؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۶۳۔

پرایوی کونسل کی تجویز میں شوہر یا اس کے دوسرے وارثوں کی رضامندی کا اشارہ تک نہیں ہے ۔ اس مقدمے میں یہ بحث کی گئی تھی کہ جو بیوہ اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو اس کی حیثیت قابض مرتہن کی ہوتی ہے، مگر اس کو جہاں پرایوی کونسل نے تسلیم نہیں کیا ۔ انھوں نے کہا کہ "رہن میں مرتہن اس قرار داد کے مطابق جو اس میں اور راہن میں ہوتی ہے جائداد لینا اور اس پر قابض ہوتا ہے" لیکن ایک مسلمان بیوہ کو جو بربنائے مہر جائداد پر قابض ہوتی ہے "جائداد پر قبضہ کرنے اور حاصل شدہ قبضے کو قائم رکھنے کا حق متوفی شوہر کی کسی قرار داد یا عطا کی بنا پر نہیں دیا جاتا ہے ۔ بلکہ جائداد کا قبضہ ایک مرتبہ بلا نزاع اور بطریق جائز حاصل ہو جانے کے بعد نا ادائے دین مہر اسے قائم رکھنے کا حق بیوہ کو شرع اسلام سے دیا گیا ہے ۔"

دفعہ ۲۲۴ ب ۔ روک رکھنے کے حق سے حق مالکانہ نہیں پیدا ہوتا ۔۔۔۔ قابض رہنے کے حق سے بیوہ کو جائداد پر کوئی مالکانہ حق نہیں حاصل ہوتا ۔ اس سے وہ صرف اس جائداد پر قبضہ قائم رکھنے کی مستحق ہوتی ہے جو اس کے قبضے میں آ چکی ہے [دفعہ ۲۲۴]، اور اگر وہ جائداد سے بیدخل کر دی جائے تو واپسی قبضہ کے دعویٰ کی مجاز ہو جاتی ہے [دفعہ ۲۲۵ ب] ۔ حق مالکانہ وارثوں کو حاصل ہے جن میں خود بیوہ بھی شریک ہے، لیکن اس کے قابض رہنے کے حق کو اس حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جو اسے جائداد میں بحیثیت وارث کے حاصل ہے ۔ وارث کی حیثیت سے اسے وہی تمام حقوق اور چارۂ کار حاصل ہیں جو ایک وارث کو حاصل ہوتے ہیں[1]۔

[1] دیکھو مقدمہ مشعل سنگھ بنام احمد حسین ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۶۷۸، ۱۰۳ انڈین کیسز ۲۶۳، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۵۳۴ ۔

دفعہ ۲۲۴ ج۔ قیامِ نکاح کے زمانے میں روک رکھنے کا حق نہیں ہوتا۔ — (جائداد کے) روک رکھنے کا حق شوہر کے انتقال سے شروع ہوتا ہے، بجز اس کے کہ نکاح طلاق سے فسخ ہو جائے، اس صورت میں حقِ مذکور طلاق[1] کی تاریخ سے پیدا ہوگا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر شوہر کا کوئی دائن اس کے خلاف ڈگری حاصل کرے، اور اس کی تعمیل میں شوہر کی جائداد اس کی زندگی میں فروخت ہو جائے، تو زوجہ کو اس مشتری کے مقابلے میں جس نے جائداد تعمیل ڈگری میں خریدی ہے جائداد کو روک رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اسے فوراً قبضہ دے دینا چاہیے۔

دفعہ ۲۲۴ د۔ قابض بیوہ پر حساب دہی کی ذمہ داری۔ — جو بیوہ بمعاوضہ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو اس پر اپنے شوہر کے دوسرے وارثوں کو جائداد کے ان کرایوں اور منافع کا جو اس نے پائے ہوں حساب دینا لازم ہے[2]۔ لیکن اس صورت میں وہ اس کی مستحق ہوگی کہ اسے اپنے دین مہر کے حق کی تعمیل کرانے سے باز رکھنے کا معاوضہ دلایا جائے؛ یہ معاوضہ اسے دین مہر پر سود دلانے سے کیا جاتا ہے[3]۔

[1] نراین بنام بیاری سنہ ۱۹۲۲ء ۴۵ مدراس ۱۰۳، ۶۹ انڈین کیسز ۹۷۷، سنہ ۲۲ء آل انڈیا مدراس ۵۷؛ عبدالرحمان بنام عنایت بی بی سنہ ۳۱ء آل انڈیا اودھ ۹۳، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳۔ نیز دیکھو امیر امال بنام سن کرنارایانن سنہ ۱۹۰۰ء ۲۵ مدراس ۶۵۸۔

[2] بجا بی بی بنام شیخ حامد سنہ ۱۸۸۱ء ۴ مدراس انڈین اپیلز ۳۷۷، ۳۸۴۔

[3] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۸ الہ آباد ۵۸۱، ۳۶ انڈین کیسز ۸۷ جس میں مقدمہ سنہ ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۱۸۲، ۷ انڈین کیسز ۲۹۴ کی پابندی کی گئی ہے [سود بحساب ۶ فیصد سالانہ دلایا گیا]؛ اتبل بنام مریم النساء سنہ ۱۸۹۶ء ۹ ویکلی رپورٹ ۲۱۰؛ صاحب جان بنام انصار الدین سنہ ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۴۷۵، ۴۸۰ — ۴۸۱، ۹ انڈین کیسز ۱۰۳۱؛

دفعہ ۲۲۵ - دین مہر کے ادا کرنے کے لئے جائداد کے انتقال کا حق نہیں ہے ۔ (۱) بیوہ کا اپنے شوہر کی جائداد پر بمعاوضۂ مہر قابض ہونے کا حق اسے اس کا مجاز نہیں کرتا کہ وہ جائداد کو بیع یا رہن، ہبہ یا کسی دوسرے طریقے سے منتقل کر دے[1]۔ اگر وہ کوئی جائداد منتقل کر دے گی تو وہ انتقال خود اس کے حصے تک جائز ہوگا ؛ اس کے شوہر کے دوسرے وارثوں کے حصوں پر موثر نہ ہوگا ۔

(۲) اگر جائداد منتقل کرنے کے علاوہ، وہ منتقل الیہ کا اس پر قبضہ بھی کرا دیتی ہے، تو دوسرے وارث بلا کسی شرط کے اپنے حصوں پر فوری قبضہ پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں، یعنی، دین مہر کا حصۂ رسدی ادا کرنے کے بغیر۔ اس انتقال کے منسوخ کئے جانے کے بعد، بیوہ کو دوبارہ جائداد پر قابض رہنے کا حق باقی نہیں رہتا، جائداد کا قبضہ دیدینے سے اس کا جائداد پر قابض رہنے کا حق زائل ہو گیا۔ یہ سوال کہ آیا اس عمل سے اس کا دین مہر وصول پانے کا حق بھی زائل ہو جاتا ہے یا نہیں ہنوز غیر منفصلہ ہے[2]۔

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ نواسی بیگم بنام دل افروز ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۲۰۸، ۹۸ انڈین کیسز ۹۷۸، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۳۹ [سود بمقدار اختیار تمیزی دلایا گیا]

[1] چوہی جا بی بنام شمس النساء ۱۹۰۴ء، ۱۱ الہ آباد ۹ [رہن] ؛ مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳ جس میں مقدمہ ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۵۳۸، ۵۱ انڈین کیسز ۲۴۲ [ہبہ] ؛ بیجو بی بنام سید مرتضیٰ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ۲۱۴، ۲۳۸، ۵۳ انڈین کیسز ۹۰۵ [بیع] ؛ مسماۃ ستارن بنام گنیش ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۵۲، ۱۰۱ انڈین کیسز ۱۴۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۲۰۹ -

[2] مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳ [وارثوں کا مقدمہ اپنا حصہ پانے کے لئے] ؛ مسماۃ ستارن بنام گنیش ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۵۲، ۱۰۱ انڈین کیسز ۱۴۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۲۰۹ [وارثوں کا مقدمہ اپنے حصوں کے لئے]۔

(۳) اگر بیوہ جائداد تو منتقل کرتی ہے، مگر اس کا قبضہ منتقل الیہ کو نہیں دیتی، مثلاً جائداد بلا قبضے کے رہن کرتی ہے، تو اس صورت میں دوسرے وارث اس اعلان کے مستحق ہیں کہ اس رہن کا ان کے حصوں پر کوئی اثر نہیں ہے مگر وہ فوری اور غیر مشروط قبضے کے مستحق نہ ہوں گے۔

اگر بیوہ جائداد بیع یا ہبہ کرتی ہے تو یہ بیع یا ہبہ جائداد کے اس کے حصے تک جائز ہے۔ بعض مقدمات میں کہا گیا ہے کہ اس قسم کی بیع یا ہبہ بالکل ناجائز ہے یہاں تک کہ وہ خود بیوہ کے حصۂ جائداد پر بھی موثر نہیں ہوتی[1] لیکن ان مقدمات کے فیصلوں میں کوئی امر ایسا نہیں جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہو۔

دفعہ ہذا کا تعلق بیوہ کے انتقال جائداد اور منتقل الیہ کو قبضہ دہی کے اثرات سے ہے۔ آگے آنے والی دفعہ میں بیوہ کے حق قبضہ کے انتقال کے اثرات سے بحث کی گئی ہے، دیکھو تمثیل (ب) زیر دفعہ ۲۲۵ الف۔

دفعہ ۲۲۵ الف۔ جائداد کے روک رکھنے کا حق آیا موروثی یا قابل انتقال ہے ـــــ (۱) بیوہ کا جائداد کو روک رکھنے کا حق موروثی یا قابل انتقال ہے یا نہیں، اس کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حق مذکور ایک ذاتی حق ہے، اور وہ بیع، ہبہ یا کسی دوسرے طریقے سے منتقل نہیں ہو سکتا[2] اور نہ بیوہ کے مرنے پر اس کے وارثوں کو پہنچتا ہے[3]۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قابض رہنے کا حق بمنزلۂ ایک

---

[1] چوہی بی بی بنام شمس النساء ۱۸۹۴ء ۱۷ الہ آباد ۱۹، مسماۃ بی بی بنام مسماۃ بی بی ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۸۴، ۷۰ انڈین کیسز ۳۲، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۳۳۔

[2] منظفر علی بنام پاربتی ۱۹۰۷ء ۲۹ الہ آباد ۶۴۰۔

[3] ہادی علی بنام اکبر علی ۱۸۹۸ء ۲۰ الہ ۲۶۲۔

"جائداد" کے ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا حقِ مذکور قابل وراثت اور قابل انتقال ہے یا نہیں؟ بعض مقدمات میں وہ قابل وراثت قرار دیا گیا ہے، مگر اس کے متعلق کسی رائے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے کہ وہ قابل انتقال بھی ہے یا نہیں[1]؟ بعض مقدمات میں حق مذکور قابل وراثت اور قابل انتقال قرار پایا ہے[2]۔ اگر وہ قابلِ انتقال ہے، تو آیا وہ دین مہر کے انتقال کے بغیر بھی منتقل ہو سکتا ہے؟ اس معاملے میں بھی اختلاف آرا ہے۔ بعض مقدمات میں یہ طے ہوا کہ قابض رہنے کا حق دین مہر سے علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا اور حقیت جداگانہ کی طرح منتقل نہیں ہو سکتا[3]۔ دوسرے مقدمات میں اس کا

---

[1] عزیز اللہ بنام احمد ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۳۵۲؛ مجید میاں بنام بی بی صاحب ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۴؛ ۳۰ انڈین کیسز ۸۰۔

[2] علی بخش بنام اللہ داد ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۱، ۵۶، ۶ انڈین کیسز ۳۷۶؛ امیر حسن بنام محمد ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵، ۳۴۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۳۲؛ عبداللہ بنام شمس الحق ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۱۲۷، ۱۳۱، ۵۸ انڈین کیسز ۸۳۳، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۲۹۳؛ بیچو بی بنام سید مرتضیٰ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ۲۲۴، ۲۳۷، ۵۳ انڈین کیسز ۹۰۵؛ مجید میاں بنام بی بی صاحب ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۴، ۴۷۔ ۴۹، ۳۰ انڈین کیسز ۸۰؛ مسماۃ بی بی بنام مسماۃ بی بی ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۸۴، ۷۰ انڈین کیسز ۳۱۲، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۴۳۳؛ مسماۃ سوگیا بنام مسماۃ کتاین ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۱۴۱، ۱۰۷ انڈین کیسز ۳۱۹، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پٹنہ ۲۲۴؛ شیخ عبدالرحمان بنام شیخ ولی ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۷۵، ۹۸ انڈین کیسز ۶۰۱؛ ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۲۔

[3] علی بخش بنام اللہ داد ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۱، ۵۵، ۶ انڈین کیسز ۳۷۶؛ امیر حسن بنام محمد ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵، ۳۴۶، انڈین کیسز ۸۳۲؛ شیخ عبدالرحمان بنام شیخ ولی ۱۹۲۳ء ۳ پٹنہ ۷۵، ۹۸ انڈین کیسز ۶۰۱؛ ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۲۔

اس طرح منتقل کیا جانا جائز قرار دیا گیا ہے[1]۔ مگر صرف دین مہر کا منتقل کیا جانا منتقل الیہ کی طرف (جائداد پر) قبضہ رکھنے کا حق منتقل نہیں کرتا[2]۔ بینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد[3] میں پرایوی کونسل نے بیوہ کے دین مہر یا قبضے کے حق کو منتقل کرنے کی نسبت شبہ ظاہر کیا ہے، اس وقت جو کچھ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ قبضہ رکھنے کا حق قابل ارث ہے، اگرچہ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ قابل انتقال بھی ہے۔ ہندوستان میں مستند آرا کا غلبہ اسی طرف ہے کہ وہ بھی قابل انتقال ہے۔

(۲) یہ فرض کر لینے کے بعد بھی کہ بیوہ کو اپنا دین مہر منتقل کرنے، اور تا ادائی دین مذکور جائداد کو اپنے قبضے میں رکھنے کا حق حاصل ہے، اگر اس دستاویز سے جو بیوہ اس غرض سے لکھتی ہے (کسی سقم وغیرہ سے) ملکیت کا انتقال عمل میں نہیں آتا، تو اس سے نہ دین مہر منتقل ہوگا اور نہ قبضے کا حق[4]۔

[1] عبداللہ بنام شمس الحق سنہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۱۲۷، ۱۳۱، ۵۸ انڈین کیسز ۸۳۳، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۲۶۲؛ مساۃ بی بی بنام مساۃ بی بی سنہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۸۴، ۷۰ انڈین کیسز ۳۱۲، سنہ ۲۳ آل انڈیا پٹنہ ۳۳؛ مساۃ سوگیا بنام مساۃ کتابن سنہ ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۱۴۱، ۱۰۷ انڈین کیسز ۳۱۹؛ سنہ ۲۸ آل انڈیا پٹنہ ۲۲۴۔

[2] امیر حسن بنام محمد سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۳۳۔

[3] سنہ ۱۹۲۵ء ۲ ۵ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۵۹، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۲۶۲، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، سنہ ۲۵ آل انڈیا پرایوی کونسل ۶۳۔

[4] بینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد سنہ ۱۹۲۵ء ۲ ۵ انڈین اپیلز ۱۴۵؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، سنہ ۲۵ آل انڈیا پرایوی کونسل ۶۳؛ مساۃ ستارن بنام گنیش سنہ ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۵۳، ۱۰۱ انڈین کیسز ۷۱۴؛ سنہ ۲۸ آل انڈیا اودھ ۵۵۔

تمثیلات

[(الف) ایک مسلمان، ایک بیوہ، ایک لڑکی اور باپ چھوڑ کر مرتا ہے۔ بیوہ بمعاوضۂ مہر شوہر کی جائداد پر بطریق جائز قابض ہے۔ بیوہ اپنی تنہا وارث بیٹی کو چھوڑ کر مر جاتی ہے۔ بیٹی کو جائداد پر قبضہ رکھنے کا حق ہے۔ باپ اس وقت تک اپنا حصہ پانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دین مہر کا رسدی حصہ نہ ادا کرے۔ لیکن اگر بیوہ کو خود اس کی زندگی میں جائداد پر قبضہ نہ ملا تھا، تو اس کی بیٹی بحیثیت اس کے وارث کے قبضہ پانے کی مستحق نہ ہو گی[1]۔

(ب) ایک مسلمان، ایک بیوہ اور ایک بھائی چھوڑ کر مرتا ہے۔ بیوہ بمعاوضۂ اپنے دین مہر کے شوہر کی جائداد پر بطریق جائز قابض ہے۔ بھائی جب تک اپنے حصے کے تناسب سے دین مہر نہ ادا کرے اپنے حصے پر قبضہ پانے کا مستحق نہیں ہو سکتا [دفعہ ۲۲۶]۔ ہنوز دین مہر ادا نہ ہوا تھا، کہ بیوہ نے بغرض ادائے دین کل جائداد فروخت کر دی، اور قبضہ مشتری کو دے دیا۔ اس صورت میں جائداد کے بیعنامہ سے نہ مشتری کی طرف دین مہر منتقل کرنا مقصود تھا، اور نہ جائداد پر قبضہ رکھنے کا حق، یہ فرض کر لینے کے بعد بھی کہ یہ حقوق منتقل ہو سکتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بیع کا اثر کیا ہو گا؟ اس بیع سے مشتری کی طرف صرف بیوہ کا حصہ اور اس حصے

[1] ظاہر النسا بنام نواب حسن سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۶ الہ آباد ۵۵، ۲۴ انڈین کیسز ۹۳۸۔

پر قابض رہنے کا حق منتقل ہو جائے گا [دفعہ ۲۲۵] دوسرا سوال یہ ہے کہ مشتری کو قبضہ دینے کا کیا اثر ہوگا؟ اس کا یہ اثر ہوگا کہ بھائی جو قبضہ دینے سے قبل دین مہر کا حصۂ رسدی ادا کئے بغیر اپنے حصے پر قابض ہونے کا مستحق نہ تھا وہ دین مہر کا حصۂ رسدی نہ ادا کرنے پر بھی فوراً اپنے حصے پر قبضہ پانے کا مستحق ہو جائے گا [دیکھو دفعہ ۲۲۲ الف]۔ مشتری کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ بھائی کے حصے پر اس وقت تک قابض رہے جب تک کہ وہ دین مہر کا رسدی حصہ ادا نہ کرے؛ وجہ یہ ہے کہ دستاویز سے دین مہر یا قبضے کا حق منتقل کرنا مقصود نہ تھا۔ بیوہ پر اس کا یہ اثر ہوگا کہ وہ جائداد پر دوبارہ قبضہ پانے کی مستحق نہ رہے گی، کیونکہ قبضہ چھوڑ دینے کے بعد اس کا حق قبضہ زائل ہو گیا۔ مشتری کو قیمت ادا کردہ کے متعلق بیوہ کے مقابلے میں چارۂ کار حاصل رہے گا۔ یہ امر غیر منفصلہ ہے کہ آیا بیوہ اپنا دین مہر شوہر کی کسی دوسری جائداد سے بھی وصول کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ غالباً مجاز ہے۔]

دفعہ ۲۲۵ ب۔ اس بیوہ کا مقدمہ جو جائداد سے بیدخل کردی گئی ہو، واپسیٔ قبضے کے لئے۔ —— اگر ایسی بیوہ جو بربنائے دعویٔ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو بطریق ناجائز جائداد سے بے دخل کردی جائے، تو وہ واپسیٔ قبضہ کے لئے مقدمہ دائر کر سکتی ہے۔[1]

---

[1] مجید میاں بنام بی بی صاحب ۱۹۱۲ء ۴۰ بمبئی ۴۲،۳۴ ۔۔ ۳۰:۵۰۰ انڈین کیسز ۸۰۰ [ایک بیوہ اور دوسری متوفی بیوہ کے وارثوں کی طرف سے مقدمہ]؛ عزیز اللہ بنام احمد ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۳۵۳ [متوفی بیوہ کے وارثوں کا مقدمہ]۔

اگر مقدمہ جائداد غیر منقولہ کے متعلق ہو، تو تاریخ بیدخلی سے چھ مہینے کے اندر دائر ہونا چاہیئے[1] [ایکٹ میعاد سماعت بابت ۱۹۰۸ء ضمیمہ ا مد ۳] ۔ اور اگر جائداد منقولہ کے متعلق ہو، تو اس علم کی تاریخ سے کہ وہ کس کے قبضے میں ہے تین سال کے اندر [ایکٹ میعاد سماعت حسب سابق نمبر ۴۸] ۔

بیوہ جو دعویٰ [واپسی] قبضے کے لئے کرے اسے قبضے کے قائم رکھنے کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ یہ ہر ایسے شخص کا عام حق ہے [دفعہ ۲۲۴ ب]، جو باوجود نہ مستحق ہونے کے اس جائداد پر قبضہ دلا پانے کا دعویٰ کر سکتا ہے؛ جس سے وہ بطریق ناجائز بیدخل کر دیا گیا ہو۔ جائداد غیر منقولہ کے متعلق، ایسا حق تعمیل مختص کے ایکٹ ۱۸۷۷ء کی دفعہ ۹ سے دیا گیا ہے، اور جائداد منقولہ کے متعلق قانون عام سے ۔

دفعہ ۲۲۵ ج ۔ بیوہ کا قبضہ، دین مہر کے دعوے کا مانع نہیں ہے —— (۱) یہ واقعہ کہ بیوہ بربنائے دین مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہے، اس امر کا مانع نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے شوہر کے دوسرے وارثوں پر دین مہر کی وصول یابی کا مقدمہ دائر کرے ۔ لیکن اسے اس مقدمے میں اپنے قبضے سے دست بردار ہو جانے کی آمادگی کا اظہار کرنا لازم ہوگا[2] ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ قبضہ بھی قائم رکھے اور اپنے دین مہر کی ڈگری بھی پائے[1] ۔

(۲) اگر وہ اپنے دین مہر کے ایک جز کا دعویٰ کرے گی، تو بعدہ بقیہ دین مہر کے دعوے کی مجازنہ ہوگی[3] ۔ دیکھو ضابطۂ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۲ قاعدہ ۲ ۔

[1] مشعل سنگھ بنام احمد حسین ۱۹۲۶ء ۵۰ الہ آباد ۸۶ ۱۰۳۰ انڈین کیسز ۳۱۳، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۵۳۴ ۔

[2] غلام علی بنام صغیر النساء ۱۹۰۱ء ۲۳ الہ آباد ۴۳۲ ۔

[3] کنیز فاطمہ بنام رام نندن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۳۸ ۴۳؛ ۷۷ انڈین کیسز ۹۷۷، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۳۳۱ ۔

کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے[1] کہ اگر بیوہ بربنائے دعویٰ دین مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو، تو اس کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے، کہ وہ اہتمام ترکہ کا مقدمہ دائر کرے، جس میں جائداد عدالت کی سپردگی میں دیجاسکتی ہے اور جو منافع اس کو حاصل ہوا، اور جو سود اسے اپنے دین مہر پر ملنا چاہیے، اس کا حساب کرکے جائداد کی فروخت یا دوسرے طریقے سے اس کے دین مہر کی ادائی کے متعلق مناسب ہدایات دئے جاسکتے ہیں۔

دفعہ ۲۲۶۔ وارثوں کے دعوے اپنے حصوں کی بابت اور اصول امر فیصل شدہ ــــ جب شوہر کے دوسرے وارث بیوہ پر اپنا حصہ دلاپانے کا مقدمہ دائر کریں اور اس میں اس شرط کے ساتھ ڈگری ہوجائے کہ مدعی اپنے حصے کے تناسب سے دین مہر ایک مقررہ مدت کے اندر ادا کرکے قبضہ حاصل کریں، اور ڈگری میں یہ حکم بھی ہو کہ اگر مدعی مدت مقررہ کے اندر رقم ادا نہ کریں تو مقدمہ خارج کردیا جائے، اور عدم ادائی رقم کی بناء پر بالآخر مقدمہ خارج بھی ہوجائے، تو یہ اخراج امر فیصل شدہ نہ متصور ہوگا اور نہ اس امر کا مانع ہوگا کہ وہی مدعی اسی جائداد کے قبضے کے لئے مقابلہ بیوہ اس بناء پر دوبارہ مقدمہ چلائیں کہ جائداد کی آمدنی سے بیوہ کا دین مہر ادا ہوچکا ہے۔ ڈگری میں جو شرط قائم کی جائے اس کی نہ تعمیل کرنے سے صرف فوری قبضہ پانے کا حق زائل ہوجاتا ہے لیکن اس سے وارثوں کا حق ملکیت اور قبضہ پانے کا حق زائل نہیں ہوتا جب کہ کسی آئندہ وقت پر جائداد کے منافع یا مدعیوں کے دینے سے بیوہ کا کل دین مہر ادا ہوجائے۔ اخراج مقدمے کا اثر صرف اس قدر ہوتا ہے کہ فریقین مقدمہ اسی حالت میں

---

[1] میرزا محمد بنام شاہزادی وحیدہ سنہ ۱۹۱۴ء ۱۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۵۰۲، ۲۸ انڈین کیسز ۱۹۱، نیز دیکھو واوتھم مل بنام پساری سنہ ۲۵ء آل انڈیا مدراس ۱۰۶۴، ۸۶ انڈین کیسز ۳۶۷۔

آجاتے ہیں جس میں وہ مقدمے کے دائر ہونے سے قبل تھے[1]

دفعہ ۲۲۶ الف۔ خرچ پاندان —— جب نکاح کے وقت زوج اور زوجہ دونوں نابالغ ہوں، اور زوج کا باپ زوجہ کے باپ سے زوجہ کو نکاح کے معاوضے میں ایک مقررہ ماہانہ رقم خرچ پاندان کے لئے دینے کا اقرار کرے، اور اس کا بار کفالت کسی خاص جائداد پر عائد کر کے زوجہ کو اس کی تعمیل کرانے کا اختیار دے دے، تو زوجہ کو اگرچہ وہ معاہدے کی کوئی فریق نہ تھی مگر معاہدے کی موتمن لہا (مستحق استفادہ) کی حیثیت سے یہ حق ہوگا کہ وہ شوہر کے باپ پر اس رقم کے پانے کا دعویٰ کرے[2]۔

---

[1] مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد ۱۹۲۵ سنہ ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰؛ ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹؛ ۲۵ سنہ آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳؛ نواسی بیگم بنام دل افروز ۱۹۲۶ سنہ ۴۸ الہ آباد ۳۰۸، ۹۸ انڈین کیسز ۹۷۸، ۲۷ سنہ آل انڈیا الہ آباد ۳۹۔

[2] خواجہ محمد بنام حسینی بیگم ۱۹۱۰ سنہ ۳۷ انڈین اپیلز ۱۵۲؛ ۳۲ الہ آباد ۴۱۰، ۷ انڈین کیسز ۲۳۷؛ محمد علی بنام فاطمہ ۱۹۳۰ سنہ ۱۱ لاہور ۵۸؛ ۱۱۹ انڈین کیسز ۴۸۲؛ ۲۹ سنہ آل انڈیا لاہور ۶۶۰۔

طلاق

الف ـــ طلاق منجانب زوج

دفعہ ۲۲۷ ۔ طلاق کی مختلف قسمیں ـــ شرع اسلام کی رو سے عقد نکاح مفصلۂ ذیل طریقوں سے فسخ کیا جا سکتا ہے :۔

(۱) ذریعہ (طلاق) شوہر بمرضیٔ خود، بلا توسط عدالت ؛ (۲) زوج اور زوجہ کی رضامندی سے، بلا توسط عدالت ؛ (۳) زوج یا زوجہ کے مقدمے میں عدالت کی ڈگری سے ۔ زوجہ بغیر زوج کی اجازت کے خود اپنے آپ کو طلاق نہیں دے سکتی، بہ استثنائے اس صورت کے کہ ایسا معاہدہ قبل یا بعد نکاح کے ہو گیا ہو [دفعہ ۲۳۳]، لیکن بعض صورتوں میں زوجہ عدالتی ڈگری کے ذریعے سے

طلاق لے سکتی ہے [دفعات ۲۳۹ — ۲۴۰]۔ جب زوج کی طرف سے علیحدگی کا عمل ہوتا ہے، تو وہ طلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے [دفعات ۲۲۸ — ۲۳۴]؛ جب یہ عمل نزاعئی طرفین حسب معاہدہ ہوتا ہے تو خلع [دفعہ ۲۲۵] یا مبارات [دفعہ ۲۳۶] کہلاتا ہے۔

دفعہ ۲۲۸ ۔ علیحدگی ذریعۂ طلاق —— ایک عاقل اور بالغ مسلمان جب چاہے بغیر اظہار وجہ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا مجاز ہے[1]۔

میگناٹن، صفحہ ۵۹؛ ہدایہ، ۷۵؛ بیلی، ۲۰۸ — ۲۰۹۔

دفعہ ۲۲۹ ۔ طلاق زبانی یا تحریری ہو سکتی ہے —— طلاق ذریعۂ تحریر (جو عموماً طلاق نامہ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے) یا زبانی دی جا سکتی ہے ۔ اس کے لئے خاص الفاظ مقرر نہیں ہیں ۔ اگر ان الفاظ سے جو استعمال کئے گئے ہوں طلاق کا مفہوم صریح اور صاف طور سے ظاہر ہوتا ہو جیسے کہ "میں نے طلاق دی" تو نیت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر الفاظ مبہم ہوں تو نیت کا ثابت کیا جانا ضرور ہے[2]۔

ہدایہ، ۷۶؛ بیلی، ۲۱۱، ۲۲۹، ۲۳۳۔

طلاق کے الفاظ — طلاق کے الفاظ سے عقد نکاح کے فسخ کی نیت کا اظہار ہونا چاہئے ۔ اگر وہ الفاظ صریح ہیں مثلاً "تو مطلقہ ہے"، "میں نے تجھے طلاق دی"، "میں اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لئے طلاق دیتا ہوں اور اسے اپنے اوپر

[1] احمد قاسم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳۔

[2] مامی بنام قلندر امال ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۶۱؛ ۵ رنگون ۱۸؛ ۱۰۱ انڈین کیسز؛ ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵، جس میں مقدمہ ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۲۰۰ کی تائید کی گئی ہے، ۸۴ انڈین کیسز ۱۷۵؛ ۱۹۲۴ء آل انڈیا رنگون ۳۶۳؛ رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶؛ ۱۳۵ انڈین کیسز ۷۶۲؛ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵؛ ابراہیم بنام سیدبی بی ۱۸۸۸ء ۱۲ مدراس ۶۳؛ واحد خاں بنام زینب بی بی ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۴۵۸؛ ۲۵ انڈین کیسز

حرام کرلیتا ہوں[1]"، اور ان سے فسخ نکاح کی نیت کا اظہار ہوتا ہے تو نیت کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر الفاظ مبہم (کنایات) ہیں، مثلاً "اگر تو باہر جاتی ہے تو میری چچازاد بہن کے برابر ہے[2]"، یا "میں تجھ سے قطع تعلق کرتا ہوں اور آئندہ کوئی تعلق نہ رکھوں گا[3]" اس صورت میں نیت ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی۔

طلاق نامہ کا ثبوت — دوسری شہادتوں کی طرح اصلی شہادت سے ثابت کیا جانا چاہیئے۔ اگر وہ ضائع ہوگیا ہو تو اس کے مضمون کی زبانی شہادت ایسے شخص کی ہونی چاہیئے جس نے اسے پڑھا ہو۔ یہ شہادت کہ گواہ نے دستاویز کو دیکھا اور اسے پڑھتے ہوئے سنا جہاں تک مضمون دستاویز کا تعلق ہے ایک سماعی شہادت اور ناقابلِ ادخال ہے[4]۔ دیکھو قانون شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء دفعہ ۱۶۳ اور اسے دفعہ ۶۰ کے فقرہ (۲) کے ساتھ ملا کر پڑھو۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ۳۰۸؛ عائشہ بی بی بنام قادر ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲، ۳ انڈین کیسز ۳۰، ۷۔

[1] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

[2] حامد علی بنام امتیاز ن ۱۸۷۸ء ۲ الہ آباد ۷۱ [نیت ثابت قرار پائی]۔

[3] واجد علی بنام جعفر حسین ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۲۰۹ [نیت غیر ثابت قرار پائی]۔

[4] مامی بنام قلندر رامال ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۶۱، ۵ رنگون ۱۸، ۱۰۰ انڈین کیسز ۱، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۔

مطابق طلاق زبانی دو معتبر گواہوں کی موجودگی میں ہونی چاہیئے: بیلی، جلد دوم، ۱۱۷۔ جو طلاق ذریعۂ تحریر دی جائے وہ صحیح نہیں ہے، بجز اس کے کہ شوہر جسمانی طور سے اس قدر ناقابل ہو کہ وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نہ ادا کر سکتا ہو: بیلی، جلد دوم، ۱۱۳ — ۱۱۴۔

دفعہ ۲۲۹ الف - طلاق جو زوجہ کی عدم موجودگی میں دی جائے

—— طلاق کے جواز کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زوجہ کی موجودگی میں یا اسے مخاطب کر کے دی جائے[1] [دیکھو تحت کا نوٹ[2]]۔ اگر طلاق زوجہ کے غیاب میں دی جائے، تو اس کا ذکر نام سے کیا جانا چاہیے یا طلاق کے الفاظ ایسے ہوں کہ ان کا تعلق بصراحت تمام اسی سے ہوتا ہو[3]۔ اس لحاظ سے طلاق زوجہ کے باپ کو مخاطب کر کے دی جا سکتی ہے اور زوجہ کی طرف اشارہ "تمہاری بیٹی" کے الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک حنفی مسلمان اپنے خسر کو مخاطب کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ "اے فلاں شخص یہ طلاق تیری بیٹی کے لئے ہے: ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، وہ میری ماں کے برابر

---

[1] امی بنام قلندر اہال سنہ ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۶۱؛ ۵ رنگون ۸۱؛ ۱۰۰ انڈین کیسز ۱؛ سنہ ۲۷ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵؛ رشید احمد بنام انیسہ خاتون سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱؛ ۵۴ الٰہ آباد ۴۶؛ ۱۳۵ انڈین کیسز ۷۲۲؛ سنہ ۳۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵؛ سارہ بائی بنام رابعہ بائی سنہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷؛ ۵۴۴؛ عائشہ بی بی بنام قادر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲؛ ۳ انڈین کیسز ۷۳۰؛ بمقدمۂ راجہ صاحب سنہ ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۴۴۳؛ ۵۴ انڈین کیسز ۷۳؛ بھول چند بنام تراب علی؟ سنہ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۱۸۴؛ ۱ انڈین کیسز ۷۴۰؛ احمد قاسم بنام خاتون بی بی سنہ ۱۹۲۹ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳۔

[2] فرزند حسین بنام جانو بی بی سنہ ۱۸۷۸ء ۴ کلکتہ ۵۸۸ جس کا فرق مقدمۂ رشید احمد بنام انیسہ خاتون بحوالۂ سابق میں ظاہر کیا گیا۔

[3] عائشہ بی بی بنام قادر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲؛ ۳ انڈین کیسز ۷۳۰۔

ہو گئی"[1] بہر حال طلاق کی اطلاع زوجہ کو دی جانی اور معقول مدت کے اندر دی جانی چاہیئے[2]۔ جب طلاق بذریعۂ تحریر دی جائے، تو اس کا زوجہ کو پہنچ جانا اس حالت میں تسلیم کر لیا جائے گا جب کہ معلوم ہو کہ وہ اس کے لینے سے بچتی ہے[3]، یا جب اطلاع رجسٹر شدہ خط سے دی گئی ہو اور ڈاکخانے کے عہدہ دار اسے "انکاری خط" کی حیثیت سے واپس کر دیں اور واقعات سے ظاہر ہوتا ہو کہ انکار نہ لینے کی غرض سے کیا گیا ہے[4]۔

طلاق ذریعۂ تحریر ــــ چونکہ طلاق زوجہ کی عدم موجودگی میں دی جا سکتی ہے، اس لئے اگر وہ ذریعۂ تحریر دی جائے تو یہ ضرور نہیں کہ اس پر دستخط زوجہ کے مواجہے میں کی جائے۔ دستخط قاضی یا زوجہ کے باپ[5] یا کسی دوسرے شخص کے سامنے کی جا سکتی ہے[6]۔

دفعہ ۲۳۰۔ طلاق کے مختلف طریقے ــــ طلاق مفصلۂ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے دی جا سکتی ہے:

(۱) **طلاق احسن** ــــ اس کی صورت یہ ہے کہ زمانۂ طہر [جب کہ عورت حائضہ نہ ہو] میں صرف ایک طلاق دی جائے، اور اس کے بعد زمانۂ عدت (دفعہ ۱۹۹) کے ختم تک عورت کے ساتھ صحبت نہ کی جائے۔

اگر نکاح کے بعد مرد اور عورت میں صحبت نہیں ہوئی ہے تو اس

---

[1] عائشہ بی بی بنام قادر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲، ۱۳ انڈین کیسز ۷۰۳۔

[2] مقدمہ راجہ صاحب سنہ ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۴۴، ۵۸ انڈین کیسز ۵۷۳۔

[3] سنہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۴۶ گزشتہ۔

[4] سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳ گزشتہ۔

[5] واجد بی بی بنام عظمت علی سنہ ۱۸۶۸ء ۹ ویکلی رپورٹ ۲۳۔

[6] بمقدمہ راجہ صاحب سنہ ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۴۴، ۵۷ انڈین کیسز ۵۷۳؛ احمد قاسم بنام خاتون بی بی سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۸۴۲۔

قسم کی طلاق حالتِ حیض میں بھی دی جاسکتی ہے۔

(۲) طلاقِ حسن — اس کی صورت یہ ہے کہ مسلسل تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں اور تینوں میں سے کسی طہر میں بھی صحبت نہ ہو۔

پہلی طلاق زمانۂ طہر میں دی جائے، دوسری دوسرے طہر میں، اور تیسری اس کے بعد کے طہر میں۔

(۳) طلاقِ بدعت یا طلاقِ بدعی — اس کی صورت یہ ہے کہ:

(الف) ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دی جائیں، خواہ ایک ہی جملے میں جیسے "میں تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں" یا الگ الگ جملوں میں جیسے "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" "میں تجھے طلاق دیتا ہوں"[۱] یا

(ب) طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے مگر اس سے بصراحت یہ نیت ظاہر ہوتی ہو کہ نکاح کا قطعی طور سے فسخ کر دینا مقصود ہے[۲]، جیسے یہ کہنا کہ "میں تجھے طلاقِ بائن دیتا ہوں"۔

ہدایہ، ۲/۲، ۳/۷، ۸۳؛ بیلی، ۲۰۶ — ۲۰۷، ۲۲۶۔

طلاقِ سنت اور طلاقِ بدعت — حنفی دو قسم کی طلاقوں کو مانتے ہیں: (۱) طلاقِ سنت یعنی وہ طلاق جو پابندی ان احکام کے دی جائے جو رسول اللہ کی احادیث میں پائے جاتے ہیں؛ (۲) طلاقِ بدعت یعنی جدید یا بے قاعدہ طلاق۔ اس طلاق کو دوسری صدی ہجری میں شاہانِ بنی امیہ نے رائج کیا۔

---

[۱] بمقدمۂ عبدالعلی سنہ ۱۸۸۳ء، بمبئی ۱۸۰؛ امیرالدین بنامِ خاتون بی بی سنہ ۱۹۱۷ء، ۳۹ الہ آباد ۳۷۱، ۳۹ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[۲] سارا بی بنامِ رابعہ بی سنہ ۱۹۰۵ء، ۳۰ بمبئی ۵۳۷؛ شیخ فضل الرّ بنامِ مسماۃ عائشہ سنہ ۱۹۲۹ء، ۸ پٹنہ ۶۹۰، ۱۱۵ انڈین کیسز ۵۴۶، سنہ ۲۹ آل انڈیا پٹنہ ۸۱۔

طلاق سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) احسن، یعنی بہترین (۲) حسن، یعنی بہتر یا مناسب۔ طلاق بدعت، قانون میں جائز قرار پائی ہے اگرچہ مذہبی لحاظ سے ناجائز ہے، اس ملک میں[1] بشمول خطۂ اودھ[2] وہی عام ہے اور اسی کا زیادہ تر رواج ہے۔

طلاق احسن اور طلاق حسن میں زوج کو اپنے فیصلے پر غور کرنے کا موقع رہتا ہے، کیونکہ یہ دونوں طلاقیں بغیر ایک معین مدت گزرنے کے قطعی نہیں ہوتیں (دفعہ ۲۳۱) اور شوہر کو اختیار رہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو مدت معین کے اندر ان سے رجوع کرلے (یعنی انہیں منسوخ کردے)۔ مگر طلاق بدعی دینے کے ساتھ ہی بائن ہو جاتی ہے (دفعہ ۲۳۱)۔ طلاق بدعی کی بڑی خصوصیت یہی ہے۔ بائن ہو جانے کی ایک پہچان یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دی جائیں۔ لیکن اس قسم کی طلاق کے لئے ضرور نہیں ہے کہ طلاق کے الفاظ کا تین مرتبہ اعادہ کیا جائے، طلاق کو بائن کر دینے کی نیت کا اظہار ایک طلاق سے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً، اگر ایک شخص یہ کہے کہ "میں نے تجھے طلاق بائن دے دی" تو یہ طلاق بدعی ہوگی اور فوراً اس کا اثر ہوگا، اگرچہ وہ صرف ایک بار دی گئی ہو۔ اس موقع پر لفظ "بائن" سے خود بخود طلاق کو

---

[1] امیر الدین بنام خاتون بی بی سنہ ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۳۷۱، ۳۷ء ۳۹ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[2] شیخ فضل الرب بنام مسماۃ عائشہ سنہ ۱۹۲۹ء ۸ پٹنہ ۶۹۰، ۱۱۵ انڈین کیسز ۴۶، ۲۹ء سنہ آل انڈیا پٹنہ ۸۱۔

قطعی کر دینے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔

طلاق بدعت اور طہر ـــــ پٹنہ ہائی کورٹ نے ہدایہ کے ایک فقرہ مندرجہ صفحہ ۷۴ کی بناء پر یہ قرار دیا ہے[۱] کہ زوجہ کے حالتِ حیض میں ہونے کے باوجود اگر طلاق بدعی تین مرتبہ دی جائے تو وہ موثر ہوگی۔[۲]

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے علما بدعی طلاق کو تسلیم نہیں کرتے (بیلی، جلد دوم ۱۱۸)۔

دفعہ ۲۳۱ - طلاق کب بائن ہو جاتی ہے ـــــ (۱) طلاق احسن [دفعہ ۲۳۰ (۱)] زمانۂ عدت کی تکمیل کے بعد بائن اور کامل ہو جاتی ہے [دفعہ ۱۹۹]۔

(۲) طلاق حسن [دفعہ ۲۳۰ (۲)] بلا لحاظ زمانۂ عدت تیسری مرتبہ طلاق دینے سے بائن اور کامل ہو جاتی ہے۔

(۳) طلاق بدعی [دفعہ ۲۳۰ (۳)] بلا لحاظ زمانۂ عدت، طلاق دیتے ہی کامل ہو جاتی ہے[۲] اور اسی وجہ سے وہ بائن کہلاتی ہے۔

ہدایہ ۲، ۷۴ ـــ ۷۳؛ بیلی، ۲۰۶ ـــ ۲۰۷، ۲۲۶۔

طلاق کے بائن ہونے تک شوہر کو اختیار رہتا ہے کہ وہ اس سے رجوع کرلے (یعنی اس طلاق کو منسوخ کر دے)، اور یہ صریح اور معنوی دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ معنوی طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ زناشوئی کے تعلقات (جو اب تک ملتوی تھے) دوبارہ جاری کر دئے جائیں۔

طلاق کے بعد دوسرا عقد نکاح کرنے کے حق کے متعلق دیکھو

---

[۱] شیخ فضل الرحمٰن بنام مسماۃ عائشہ ۱۹۲۹ء، پٹنہ ۶۹۰، ۱۱۱۵ انڈین کیسز ۵۴۶، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پٹنہ ۸۱۔

[۲] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷؛ ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۵۲؛ ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

دفعہ ۲۴۳ (۱) - مطلقہ عورتوں کے نکاح کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۴۳ (۵) -

دفعہ ۲۴۴ - تحریری طلاق کب بائن ہو جاتی ہے -

تحریری طلاق، طلاق بائن کا اثر رکھتی ہے اور اس کا عمل فوراً شروع ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس میں ایسے الفاظ نہ ہوں جن سے اس کے خلاف کسی ارادے کا اظہار ہوتا ہو۔

بیلی، ۲۴۴ -

بمبئی کے ایک مقدمے میں[۱]، ایک حنفی مسلمان نے بمبئی کے قاضی کے سامنے حاضر ہو کر ایک طلاق نامہ کی تکمیل کی جس کی عبارت یہ تھی: "بعض نااتفاقیوں کی وجہ سے ہم میں رنجش ہو گئی ہے۔ میں مقرر قاضی کے سامنے بمرضی خود ذاتی طور سے حاضر ہوں، اور اپنی منکوحہ زوجہ مسماۃ سارہ بی کو ایک بائن طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہوں۔" جسٹس بیچلر نے اثنائے تجویز میں لکھا کہ "میری رائے میں طلاق نامہ قطعی ہے، وہ طلاق کو طلاق بائن بناتا ہے اور ان تمام حقوق اور وجوب کا جو مسمیٰ آدم مدعی علیہ اور مدعیہ میں بحیثیت زن و شو کے تھے ختم ہو جانا ظاہر کرتا ہے۔ اس رائے کی تائید کافی طور سے مستند کتابوں سے ہوتی ہے کہ ایسی دستاویز تاریخ تحریر سے طلاق بائن کا اثر رکھتی ہے اگرچہ اس کی اطلاع زوجہ کو نہ دی گئی ہو۔[۲] مگر ممکن ہے کہ تحریر سے اس کے خلاف کسی اور نیت کا اظہار ہوتا ہو۔ مثلاً تحریر میں یہ ہو کہ "جب یہ خط تجھے ملے اس وقت سے تو مطلقہ ہے"، اس صورت میں جب تک

[۱] بیلی، ۲۴۴؛ سارہ بائی بنام رابعہ بائی ۱۹۰۵ء، ۳۰ بمبئی، ۵۳۷ -

[۲] ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی، ۵۳۷، دیکھو حوالجات حسب سابق -

خطا فی الحقیقت نہ پہنچے طلاق نہ واقع ہوگی: بیلی، ۲۳۴۔
اسی طرح اگر تحریر میں یہ ہو کہ "میں نے تجھے ۵ ستمبر ۱۹۱۳ء کو طلاق دے دی ہے اور تیری طلاق کی مدت ۵ نومبر ۱۹۱۳ء کو ختم ہو جائے گی" تو اس سے ظاہر ہے کہ شوہر کے خیال میں طلاق حسن [دفعہ ۲۳۰ (۲)] تھی، اور جب تک اور دو طلاقیں نہ دی جائیں وہ قطعی نہیں ہو سکتی[1]۔

دفعہ ۲۲۳۔ زوجہ کا معاہدہ حق طلاق کے متعلق

قبل یا بعد نکاح یہ قرار داد کہ زوجہ کو مخصوص حالات میں اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا حق ہوگا جائز ہے، بشرطیکہ وہ شرائط جو کئے جائیں معقول ہوں اور ان میں کوئی امر شرع اسلام کے منشا کے مخالف نہ ہو۔ ایسی قرارداد ہو جانے پر زوجہ کو اختیار ہوگا کہ وہ حالات مخصوص میں سے کسی حالت کے پیش آنے پر اپنے اختیار کو کام میں لا کر طلاق لے لے۔ یہ طلاق اسی طرح موثر ہوگی جس طرح کہ شوہر کی دی ہوئی طلاق موثر ہوتی ہے[2]۔ جو اختیار اس طریقے سے زوجہ کو دیا جاتا ہے وہ منسوخ نہیں ہو سکتا، اور وہ اسے ایسے وقت بھی کام میں لا سکتی ہے جب کہ اعادۂ حقوق زناشوئی کا دعویٰ اس کے خلاف دایر ہو چکا ہو[3]۔

بیلی، ۱۹۔

---

[1] غلام محی الدین بنام خضر حسین ۱۹۲۹ء ۱۰ لاہور ۴۷، ۱۱۴ انڈین کیسز ۴۷، ۱۹۲۹ء آل انڈیا لاہور ۶۔

[2] حمید اللہ بنام فیض النساء ۱۸۸۱ء ۸ کلکتہ ۳۲۷؛ آیۃ النساء بی بی بنام کرم علی ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۳؛ محرم علی بنام عائشہ خاتون ۱۹۱۵ء ۱۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۲۲۶، ۳۱ انڈین کیسز ۵۶۲؛ سعید الدین بنام لطف النساء بی بی ۱۹۱۹ء ۴۶ کلکتہ ۱۴۱، ۴۸ انڈین کیسز ۶۰۹ [قرارداد بعد نکاح]۔

[3] ۱۹۱۹ء ۴۶ کلکتہ ۱۴۱، ۴۸ انڈین کیسز ۶۰۹، حسب سابق۔

(**الف**) زید نکاح ہونے سے پہلے خالدہ سے یہ قرارداد کرتا ہے وہ کہ خالدہ کو چار سو روپے مہر بیں اس کی طلب پر ادا کرے گا، اور اس کے ساتھ مارپیٹ یا برا برتاؤ نہ کرے گا، اور اس کو سال میں چار بار میکے جانے کی اجازت دے گا اور اگر وہ ان شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کرے، تو خالدہ کو طلاق لے لینے کا حق حاصل ہوگا۔ نکاح کے چند روز بعد خالدہ نے اس بیان کے ساتھ کہ زید کا برتاؤ بے رحمانہ ہے، اور اس نے مہر ادا نہیں کیا، طلاق لے لی۔ زید نے اس پر اعادۂ حقوق زناشوہی کا دعوی دایر کیا۔ اس صورت حال میں جو شرائط کئے گئے ہیں وہ سب معقول ہیں، اور ان میں کوئی امر شرع اسلام کے منشا کے مخالف نہیں ہے۔ اس لئے طلاق جائز ہے اور زید حقوق زناشوہی کے اعادے کا مستحق نہیں متصور ہو سکتا: حمید اللہ بنام فیض النسا ۱۸۸۱ء کلکتہ ۳۲۷۔

طلاق ذریعہ تفویض — تمثیل مذکورۂ بالا میں جس قرارداد کا ذکر ہے اس کی تائید اصول "تفویض" سے ہوتی ہے جو شرع اسلام کے قانون طلاق کا اہم جز ہے۔ شرع مذکور کی رو سے شوہر خود اپنی ذات سے زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے یا طلاق کا اختیار شخص ثالث، یا خود زوجہ کو سپرد کر سکتا ہے: بیلی ۲۳۸: ایسے اختیار کی سپردگی کا نام "تفویض" ہے۔ "اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے، کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے تو وہ اسی جلسے میں طلاق لے سکتی ہے، شوہر پھر اس کا مجاز نہیں رہتا کہ یہ اختیار زوجہ سے لے لے۔"

بیلی، ۲۵۴ - "اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو (طلاق کے لئے) یہ دن، یا یہ مہینا، یا کوئی مہینا، یا سال منتخب کر لے، تو زوجہ ان معین اوقات میں سے کسی وقت بھی اپنا اختیار کام میں لا کر مطلقہ ہو سکتی ہے" : بیلی، ۲۴۲ . جس قرارداد کا تفصیل (الف) میں ذکر ہے، اسے زوجہ کی طلاق بربنائے اختیار عطا کردہ زوج یا "طلاق تفویض" متصور کرنا چاہیے۔ یہ طلاق اگرچہ بظاہر زوجہ زوج کو دیتی ہے، مگر قانون میں اس کا وہی اثر ہے جو زوج کا زوجہ کو طلاق دینے کا ہوتا ہے۔

[(ب) زوج اور زوجہ میں یہ قرارداد کہ اگر زوج بغیر زوجہ کی رضامندی کے دوسرا نکاح کر لے گا، تو زوجہ کو طلاق لے لینے کا اختیار ہو جائے گا، جائز ہے: محرم علی بنام عائشہ خاتون ۱۹۱۵ء ۱۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۲۲۶؛ ۳۱ انڈین کیسز ۵۶۲؛ بدر النسا بنام معافیت اللہ ۱۸۷۱ء، بنگال لا رپورٹ ۴۴۲۔]

کسی وقت بعد وقوع واقعۂ معہودہ ——— جب معاہدۂ نکاح سے زوجہ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ زوج کے دوسرے نکاح کر لینے پر اپنے آپ کو طلاق دے لے اور اس کا شوہر دوسرا نکاح کر لے، تو زوجہ پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس خبر کے سننے کے ساتھ ہی اپنے اختیار کو کام میں لائے؛ جو عمل ناجائز اس کے مقابلے میں کیا گیا ہے وہ مسلسل ہے، اس لئے اپنے اختیار کو کام میں لانے کا حق بھی اسے مسلسل حاصل رہے گا۔[1]

[1] آیۃ النسا بی بی بنام کرم علی ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۱۲۳ ؛ ۱ انڈین کیسز ۵۱۳ -

دفعہ ۲۳۴ - جبریہ طلاق ـــــ اگر طلاق کے الفاظ "صریح" [دفعہ ۲۹۹] ہیں تو طلاق جائز ہے اگرچہ وہ بالجبر دلوائی گئی ہو[۱]، یا خود پیدا کردہ نشے میں، یا اپنے باپ یا کسی دوسرے شخص کو خوش کرنے کے لئے دی گئی ہو[۲]۔

ہدایہ، ۵، ۲، ۶؛ بیلی، ۲۰۸ ـــ ۲۱۰۔

شیعوں کا قانون ـــ جو طلاق بحالات مذکورۂ دفعہ ہذا دی جائے وہ شیعوں کے نزدیک ناجائز ہے: بیلی جلد دوم ۱۰۸۔

دفعہ ۲۳۴ - اس نکاح میں طلاق جو انگلستان میں انگلستان کے قانون کے مطابق منعقد ہو ـــــ جو مدنی نکاح (Civil Mariage) لندن میں ایک مسلمان متوطن ہندوستان اور ایک انگریزی قوم کی عورت سے رجسٹرار کے دفتر میں منعقد ہوا ہو[۳]، اسے شوہر زوجہ کو طلاق نامہ [دفعہ ۲۳۲] حوالے کر دینے سے فسخ نہیں کر سکتا، اگرچہ یہ شرع اسلام کی رو سے فسخ نکاح کا جائز طریقہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا نکاح عیسائی نکاح ہے، یعنی ایک مرد اور ایک عورت کا اپنی مرضی سے تمام عمر کا سنجوگ ہے، جس میں دوسروں کو کوئی دخل نہیں؛ یہ نکاح اسلامی نکاح نہیں ہے جو اسلامی طریقے سے فسخ ہو جائے۔ انگلستان کے قانون کے لحاظ سے، اسلامی نکاح، تعدد ازدواج کی وجہ سے نکاح ہی نہیں سمجھا جاتا۔

دفعہ ۲۳۵ - خلع اور مبارات ـــــ (۱) نکاح نہ صرف

---

[۱] ابراہیم بنام عنایت الرحمٰن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ آل انڈیا کلکتہ ۱۳۔

[۲] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۵۲ ـــ ۵۳؛ ۳۶ انڈین کیسز ۹۲، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

[۳] سرکار بنام ہیمر اسمتھ مہتمم دفتر اندراجات نکاح ۱۹۱۷ء آئی - کے - بی، ۶۳۴۔

طلاق سے فسخ ہو سکتا ہے جو کہ شوہر کا ایک خود مختارانہ عمل ہے؛ بلکہ شوہر اور زوجہ کی باہم رضامندی سے بھی اس کی تنسیخ عمل میں آ سکتی ہے۔ جو تنسیخ باہمی رضامندی سے ہوتی ہے، وہ خلع یا مبارات کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۲) طلاق بالخلع ایسی طلاق ہے جو زوجہ کی مرضی، اور خود اس کی خواہش سے دی جاتی ہے، اور جس میں وہ عقدِ نکاح سے آزاد کئے جانے کے معاوضے میں شوہر کو کوئی بدل دیتی یا دینے کا وعدہ کرتی ہے۔ ایسی صورت میں معاملے کے شرائط وہی ہوتے ہیں جو زوجہ اور زوج میں باہم قرار پا جائیں؛ ممکن ہے کہ زوجہ معاوضے میں مہر یا اپنے دوسرے حقوق سے دست بردار ہو جائے[1] یا شوہر کو نفع پہنچانے کا کوئی دوسرا انتظام کرے۔ زوجہ کے معاوضہ نہ ادا کر سکنے کی وجہ سے جو طلاق ہو چکی ہے وہ ناجائز نہیں ہو جاتی[2] شوہر اس کے متعلق زوجہ پر دعویٰ کر سکتا ہے۔

طلاق بالخلع اس طرح عمل میں آتی ہے کہ زوجہ کی طرف سے یہ ایجاب ہوتا ہے کہ اگر زوج اسے اپنے ازدواجی حقوق سے آزاد کر دے تو وہ اس کا معاوضہ دے گی اور زوج اس ایجاب کو قبول کر لیتا ہے۔ ایجاب کے قبول کر لینے کا اثر ایک طلاق بائن کا ہوتا ہے [دفعہ ۲۳۰ (۳) ۲۳۱] اور یہ اثر خلع نامہ کی تکمیل تک ملتوی نہیں رہتا[3]۔

(۳) طلاق مبارات بھی خلع کی طرح بتراضی طرفین فسخِ نکاح ہے، مگر ان دونوں کی علت میں فرق ہے۔ جب زوجہ ناراض ہو کر جدائی چاہتی ہے، تو اسے خلع کہتے ہیں۔ اور جب زوج اور زوجہ دونوں باہمی تعلقات سے ناراض ہو کر افتراق کے خواہشمند ہوتے ہیں، وہ مبارات کے نام سے موسوم

---

[1] منشی بزل الرحیم بنام لطف النساء ۱۸۶۱ء مورس انڈین اپیلز ۳۷۹، ۳۹۵؛ سدن بنام فیض بخش ۱۹۲۰ء لاہور ۴۰۲، ۵۵ انڈین کیسز ۱۸۴۔

[2] ۱۸۶۱ء مورس انڈین اپیلز ۳۷۹، ۳۹۷ — ۳۹۸، گزشتہ۔

[3] ۱۸۶۱ء مورس انڈین اپیلز ۳۷۹، ۳۹۶، ۳۹۷ — ۳۹۸، گزشتہ۔

کیا جاتا ہے۔ طلاق مبارات میں ایجاب، زوج یا زوجہ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو سکتا ہے، اور اُس کے قبول ہو جانے کے ساتھ ہی (نکاح کی) کامل تنسیخ ہو جاتی ہے، اور اُس کا خلع کی طرح طلاق بائن کا اثر ہوتا ہے۔

(۴) طلاق کی طرح خلع اور مبارات میں بھی زوجہ پر عدت کی پابندی لازم ہوتی ہے، جیسا کہ دفعہ ۱۹۹ سابق میں بیان ہو چکا ہے۔[1]

ہدایہ، ۱۱۲ — ۱۱۶؛ بیلی، ۳۰۵ — ۳۰۸ — "خلع کے معنی اتار دینے کے ہیں، ایک شخص کے متعلق کہا جاتا ہے خلع لباسہٗ یعنی اس نے اپنا لباس اتار دیا۔ شرع میں زوج کا اپنے اس حق اور اختیار سے جو اسے زوجہ پر حاصل ہے معاوضہ لے کر الگ ہو جانا ہے"؛ بیلی، ۳۰۶؛ ہدایہ، ۱۱۲۔ مبارات کے معنی ایک دوسرے سے بری ہونے کے ہیں؛ بیلی، ۳۰۶؛ ہدایہ، ۱۱۶۔

دفعہ ۲۳۶۔ طلاق خلع اور مبارات کا اثر — جو طلاق ذریعۂ خلع یا مبارات واقع ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ زوجہ اپنے مہر سے دست بردار ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی معاہدہ نہ ہو گیا ہو۔ لیکن اس سے زوج کی اس ذمہ داری پر کہ وہ زمانۂ عدت میں اسے نفقہ دے یا اس اولاد کی پرورش کرے جو اس کے بطن سے ہو، کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بیلی، ۳۰۶ — ۳۰۷؛ ہدایہ، ۱۱۶۔

دفعہ ۲۳۷۔ اسلام سے ارتداد (یعنی ترک اسلام)۔ — زوجین میں سے کسی ایک کے مذہب اسلام ترک کر دینے سے فوراً اور پورے طور سے عقد نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔[2]

---

[1] ۱۸۶۱ء مورس انڈین اپیلز ۹، ۳۷، ۳۹۶، ۳۹۷ — ۳۹۸ گزشتہ
[2] امین بیگ بنام سامن ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۹۰، ۷ انڈین کیسز ۳۴۲۔

ایک مسلمان شوہر عیسائی ہو جاتا ہے۔ عدت [دفعہ ۱۹۹] کے ختم ہونے سے پہلے زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے۔ کیا وہ حسب دفعہ ۴۹۴ تعزیرات ہند "بائیگمی" کی مجرم قرار پائے گی؟ نہیں، کیونکہ ترک مذہب سے فوراً نکاح فسخ ہو جاتا ہے[1]۔ قبول اسلام کے متعلق دیکھو دفعہ ۴ سابق۔

ارتداد سے حق توریث پر کوئی اثر نہیں پڑتا — تبدیل مذہب سے حق توریث یا دوسرے حقوق متاثر نہیں ہوتے: دیکھو ایکٹ ۲۱ بابت سنہ ۱۸۵۰ء۔

دفعہ ۲۳۴ - آئندہ افتراق کے متعلق قرارداد — بمبئی ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ مسلمان زوج اور زوجہ میں بحالتِ نا اتفاقی آئندہ افتراق کے متعلق جو قرارداد کی جائے وہ خلافِ مصلحت عامہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے[2]۔ دیکھو دفعات ۲۱۵ الف اور ۲۱۶ (۳)

بمبئی ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ ایکٹ معاہدۂ ہند سنہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۲۳ پر مبنی ہے، جس میں یہ حکم ہے کہ جو معاہدہ مصلحت عامہ کے خلاف ہو وہ کالعدم ہے۔ لیکن اس فیصلے کی صحت مشتبہ ہے۔ اگر ایک مسلمان زوجہ بطریق جائز طلاق کے متعلق شرط کرنے کی مجاز ہے جیسا کہ دفعہ ۲۳۳ میں بیان ہوا، تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ کیوں آئندہ افتراق کے متعلق شرط نہ کر سکے، خصوصاً جب کہ افتراق معقول وجہ سے ہو۔ ایسی شرط کے متعلق یہ کہنا کہ وہ شرع اسلام کی مصلحت کے خلاف ہے نہایت مشکل ہے۔

[1] عبد الغنی بنام عزیز الحق سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۴۰۹، ۱۴ انڈین کیسز ۹۴۱۔

[2] بائی فاطمہ بنام علی محمد سنہ ۱۹۱۳ء، ۳۷ بمبئی ۲۸۰، ۱۷ انڈین کیسز ۹۴۶۔

ب — زوجہ کے مقدمہ دائر کرنے پر عدالتی تفریق

دفعہ ۲۳۹ — زوج کی نامردی — زوج کی نامردی کی بنا پر زوجہ طلاق کے لئے مقدمہ دایر کرنے کی مجاز ہے، بشرطیکہ (۱) زوج میں یہ نقص نکاح کے وقت موجود ہو اور اس وقت سے برابر قائم رہا ہو، (۲) زوجہ کو اس کا علم اس وقت نہ ہوا ہو۔ ان واقعات کے ثابت ہونے پر، مقدمے کی پیشی ایک سال کے لئے ملتوی کر دی جائے گی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا نقص مذکور رفع ہو سکتا ہے۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد، زوجہ کی درخواست، اور اس امر کے ثابت ہونے پر کہ اس درمیان میں زوج اور زوجہ میں صحبت نہیں ہوئی، عدالت فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی[1]۔

ہدایہ، ۱۲۶ — ۱۲۸؛ بیلی، ۳۴۷ - ۳۴۹ -

دفعہ ۲۴۰ - لعان — (۱) زوجہ اس بنا پر کہ زوج نے اس پر زنا کا غلط الزام لگایا ہے طلاق کے لئے مقدمہ دایر کرنے کی مجاز ہے۔ اگر الزام غلط ثابت ہو تو زوجہ ڈگری پانے کی مستحق متصور ہوگی، الزام کے صحیح ثابت ہونے کی صورت میں اسے ڈگری نہ دی جائے گی[2]۔ فاسد نکاح میں ایسی نالش دائر نہیں ہو سکتی [بیلی، ۳۳۷]۔

(۲) ڈگری صادر ہونے تک افتراق نہیں ہو سکتا — محض الزام

---

[1] محمد ابراہیم بنام الطافن ۱۹۲۵ء، ۴۸ الہ آباد ۲۴۳، ۸۳ انڈین کیسز ۲، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۲۸۴؛ الف بنام ب ۱۸۹۶ء ۲۱ بمبئی ۷۷؛ واڈکے وٹھل بنام اوڈاکیل ۱۸۸۱ء ۳ مدراس ۳۴۷ -

[2] ظفر حسین بنام امۃ الرحمان ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۲۷۸؛ ۴۹ انڈین کیسز ۲۵۶؛ خدیجہ بی بنام عمر صاحب ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی ۲۹۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا بمبئی ۲۸۵ -

لگانے سے عقد نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ صدور ڈگری تک نکاح قایم رہتا[1] ہے۔

(۳) الزام سے دست برداری —— ضمنی مباحث اور آرا سے قطع نظر کرکے جو تجویزیں اس قسم کے مقدمات میں ہوی ہیں، ان کا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقدمے کے شروع ہونے پر یا اس سے قبل شوہر الزام سے دست بردار ہو جائے تو زوجہ ڈگری کی مستحق نہیں رہتی ہے[2] لیکن اگر دست برداری ختم شہادت[3] یا ختم تحقیقات کے بعد کی جائے[4] تو زوجہ ڈگری کی مستحق ہوگی، مگر بمبئی ہائی کورٹ کی رائے میں برطانیہ ہند کی عدالتوں کے ضابطے میں "اس قسم کی دست برداری کی کوئی گنجایش نہیں ہے"[5]۔

بیلی، ۳۳۵ —— ۳۳۹؛ ہدایہ، ۱۲۳ —— ۱۲۴۔

لعان —— وہ شہادت ہے جو بحلف دی جاتی ہے اور جس میں بالآخر بد دعا کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ خلاصہ شرع اسلام کے لحاظ سے اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام

---

[1] جان بی بی بنام بیباری ۱۸۶۵ء ۳ ویکلی رپورٹ ۹۳؛ خدیجہ بی بنام عمر صاحب ۱۹۲۸ء ۲ ۵ بمبئی ۲۹۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا بمبئی ۲۸۵۔

[2] مسماۃ فخر جہاں بنام محمد ۱۹۲۹ء ۴ لکھنؤ ۶۸۰، ۱۱۴ انڈین کیسز ۳۱۴، ۱۹۲۹ء آل انڈیا اودھ ۱۶۵۔

[3] رحیمہ بی بی بنام فضل ۱۹۲۶ء ۴۸ الٰہ آباد ۸۳۴، ۹۸ انڈین کیسز ۳ ۵ ۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الٰہ آباد ۶۵۔

[4] احمد بنام بی بی فاطمہ ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۶۰، ۱۲۸ انڈین کیسز ۹۰۹، ۱۹۳۱ء آل انڈیا بمبئی ۷۶، جس میں شوہر نے مرافعہ اولے میں پہلی مرتبہ الزام سے دست برداری کی اجازت چاہی تھی۔

[5] ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۲۸ انڈین کیسز ۹۰۹، ۱۹۳۱ء آل انڈیا بمبئی ۷۶، گزشتہ۔

لگائے تو زوجہ کی درخواست پر زوج کو حکم دیا جائے گا کہ وہ
یا تو اس الزام کو واپس لے یا اس کی تصدیق حلف اور لعان
سے ان الفاظ میں کرے کہ: "اگر اس نے زنا کا الزام
غلط لگایا ہو تو خدا اس پر لعنت کرے۔" اس کے بعد زوجہ
سے کہا جائے گا یا تو وہ الزام کی صحت قبول کرے، یا
بحلف و لعان اس سے ان الفاظ میں انکار کرے کہ:
"جو الزام میرے اوپر زوج نے لگایا ہے اگر وہ صحیح ہو تو
مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔" اس حلف لینے پر قاضی کو
لازم ہے، کہ وہ اس حلف کو صحیح باور کر کے فریقین میں
افتراق کرا دے۔ یہ محض شہادت کے قواعد ہیں، اور
قانون شہادت ہند ۱۸۷۲ء سے ناقابل عمل ہو گئے ہیں۔
قانون حلف ہند ایکٹ ۱۸۷۳ء کے مخصوص حلفوں کے لئے
دیکھو دفعات ۸، ۹، ۱۱ قانون مذکور، اور مقدمۂ مندرجۂ حاشیہ
نشان [1]۔

جس صورت میں زوجہ حد بلوغ کو نہ پہنچی ہو ——
جو زوجہ حد بلوغ کو پہنچ گئی ہو وہ دفعہ ہذا کے تحت بلا کسی ولی
کے دعویٰ کر سکتی ہے، اگرچہ وہ ہندوستان کے قانون بلوغ
۱۸۷۵ء کی رو سے بالغ نہ متصور ہوتی ہو[2]۔
زنا کے الزام لگانے کی صورت میں اعادۂ حقوق
زناشوی کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۱۶ (۲)۔

دفعہ ۲۴۱ — عدالتی طلاق کی کوئی اور بنا تسلیم نہیں کی جاتی —
زوجہ شوہر کی زناکاری، یا نفقہ دینے کی ناقابلیت [بیلی ۲۴۳]، یا بیرحمی کی بنا پر

[1] خدیجہ بی بنام عمر صاحب ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی ۲۹۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا بمبئی ۲۵
[2] احمد بنام بائی فاطمہ ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۶۰، ۱۲۸ انڈین کیسز ۹۰۹، ۱۹۳۱ء آل انڈیا بمبئی ۷۶۔

عدالتی طلاق کی مستحق نہیں ہو سکتی ۔

"شرع اسلام کی رو سے زوجہ کو طلاق لینے کا غیر مقید حق نہیں ہے ۔ خاص خاص حالات اور واقعات کی بنا پر اسے ایسا حق دیا گیا ہے[1]۔" اعادہ حقوق زناشوی کے مقدمے میں بیرحمی کی جواب دہی کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۱۶ (۲)

دفعہ ۲۴۲ ۔ طلاق کے مقدمے میں بیوی پر خرچے کا عاید ہونا

انگلستان کے قانون کا یہ قاعدہ کہ طلاق کے مقدمے میں بیوی کے خرچے کا ادا کرنا ابتدائی طور سے شوہر ذمہ دار ہوتا ہے، تا وقتیکہ بیوی جداگانہ کافی جائداد کی مالک نہ ہو[2]، مسلمانوں کے طلاق کے مقدمات سے متعلق نہیں ہوتا ۔

انگلستان کا قاعدۂ مذکور قانون عمومی کے اس اصول پر مبنی ہے جس کی رو سے شوہر اپنی زوجہ کی کل منقولہ جائداد اور غیر منقولہ جائداد کی تمام آمدنی کا مالک ہو جاتا ہے ۔ شرع اسلام میں شوہر کو بربنائے ازدواج زوجہ کی جائداد پر کوئی حق نہیں ہوتا، اس لئے مسلمانوں کے طلاق کے مقدمات میں اس قاعدے سے کام لینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ۔

ج ۔ طلاق کے اثرات

دفعہ ۲۴۳ ۔ زوجین کے حقوق اور وجوب، طلاق کے بعد

بعد طلاق، خواہ وہ کسی قسم کی ہو، حسب ذیل حقوق اور وجوب پیدا ہوتے ہیں:۔

---

[1] محمد ابراہیم بنام الطافن ۱۹۲۵ء، ۴۸ الہ آباد ۲۴۳، ۲۴۵؛ ۳ انڈین کیسز ۲۷، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۲۴، ۲۶ ۔

[2] الف بنام بار ۱۸۹۶ء ۲۱ بمبئی ۷۷ ۔

(۱) دوسرا نکاح کر لینے کا حق ——— اگر صحبت ہوئی ہے، تو زوجہ بعد تکمیل عدت دوسرا شوہر کرنے کی مجاز ہے، اگر صحبت نہیں ہوئی ہے، تو فوراً نکاح کر سکتی ہے۔

اگر صحبت ہوئی ہو، اور مرد بشمول مطلقہ زوجہ کے چار بیویاں رکھتا ہو، تو وہ مطلقہ بیوی کی عدت کے ختم ہو جانے کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔

ہدایہ، ۱۲۸، ۳۲؛ بیلی، ۳۵۰ — ۳۵۱، ۳۴۴ — ۳۵۔

عورت — کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۹۹ اور نوٹس، اور عدت کے نفقے کے متعلق دفعہ ۲۱۵۔ اگر صحبت نہ ہوی ہو، تو طلاق کے بعد عدت کی ضرورت نہیں [دفعہ ۱۹۹]۔

(۲) مہر فوراً واجب الادا ہو جاتا ہے ——— اگر صحبت ہوئی ہو، تو زوجہ فوراً کل غیر ہوئی مہر کے پانے کی مستحق ہو جاتی ہے، مہر خواہ موجل ہو یا معجل۔ اگر صحبت نہ ہوئی ہو، اور مہر حسب معاہدہ مقرر ہو، تو وہ نصف مہر پانے کی مستحق ہو گی۔ اگر مہر کی کوئی مقدار قرار نہ پائی ہو تو وہ صرف تین پارچہ لباس بطور ہدیہ پانے کی مستحق ہو گی۔ [جسے شرعی اصطلاح میں متعہ کہتے ہیں؛ تین پارچہ لباس مذکورۂ بالا — درع، خمار، اور ملحفہ (چادر) کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ مترجم]

ہدایہ، ۴۴ — ۴۵؛ بیلی، ۹۶ — ۹۷۔

(۳) باہم توریث کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں ——— جب تک طلاق بائن نہ ہو جائے زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے وراثت پانے کا مستحق رہتا ہے (دفعہ ۲۲۱)۔ طلاق کے بائن ہو جانے کے ساتھ ہی باہمی توریث کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں؛ بجز اس صورت کے کہ شوہر نے مرض الموت [دفعہ ۱۱۴] میں طلاق دی ہو، ایسی حالت میں زوجہ کا حق توریث عدت کے ختم تک قایم رہتا ہے بشرطیکہ طلاق خود زوجہ کی استدعا پر نہ دی گئی ہو۔[1]

---

[1] دیکھو مقدمہ سارہ بائی بنام رابعہ بائی ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۴۷ — ۵۴۸۔

بیلی، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۲؛ ہدایہ، ۹۹ — ۱۰۰۔

۱۔ حق توریث زایل ہونے کا وہی وقت ہے جو طلاق کے بائن ہونے کا ہے۔ طلاق احسن میں وہ وقت ختم عدت ہے [دفعہ ۲۳۱ (۲)]، اور طلاق حسن میں تیسری طلاق [دفعہ ۲۳۱ (۱)]۔ اور طلاق بدعی میں جب طلاق کے الفاظ زبان پر آئیں [دفعہ ۲۳۱ (۳)]۔

۲۔ جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے ظاہر ہے کہ طلاق حسن اور طلاق بدعی میں حق توریث طلاق کے بائن ہو جاتے ہی زایل ہو جاتا ہے، اگرچہ شوہر یا زوجہ کی موت عدت کے ختم ہو جانے سے پہلے ہی واقع ہو؛ مگر اس میں ایک استثنا مفید زوجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر طلاق شوہر نے مرض موت میں دی ہو، اور وہ عدت کے ختم ہونے کے قبل ہی فوت ہو جائے، تو زوجہ وراثت کی مستحق ہوگی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مرض الموت میں طلاق دینے کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ طلاق دینے والا اس ترکیب سے اپنی زوجہ کو حق وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر زوجہ ختم عدت سے پہلے مر جائے تو شوہر اس کی وراثت کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ "تعلقات زناشوی" کا قطع کرنے والا خود شوہر تھا نہ کہ زوجہ۔ یہ احکام طلاق احسن سے متعلق نہیں ہوتے، کیونکہ اس قسم کی طلاق میں باہمی حقوق توریث ختم عدت تک قایم رہتے ہیں خواہ طلاق حالت صحت میں دی گئی ہو یا مرض الموت میں۔

[1] سنہ ۱۹۰۵، ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۵۶ — ۵۵۷ گزشتہ۔

۳ - ختم عدت کے بعد کسی صورت میں توریث کا حق باقی نہیں رہتا۔

(۴) صحبت ناجایز ہو جاتی ہے — طلاق کے بائن ہو جانے کے بعد زوجین میں صحبت ناجائز ہو جاتی ہے۔ ایسی صحبت سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ غیر صحیح النسب ہو گی [تمثیل (الف) ضمن (۵)] اور اقرار بالنسب سے بھی صحیح النسب نہ قرار پائے گی[1] [دفعہ ۲۴۰]۔ مگر زوجین پھر باہم نکاح کر سکتے ہیں جیساکہ ضمن (۵) آیندہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) مطلقہ زوجہ سے دوبارہ نکاح — (الف) جب زوج نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیدیں (بظاہر مولف کا مقصد یہ ہے کہ جب طلاق بائن ہو جائے خواہ ایک طلاق سے ہو یا تین طلاقوں سے۔ مترجم) [دفعہ ۲۳۰ (۲) و دفعہ ۲۳۰ (۳) الف] تو وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ زوجہ دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے، اور وہ مرد بعد حقیقی صحبت کے اسے طلاق نہ دے یا اسے بیوہ چھوڑ کر نہ مرجائے۔ (اولاد کی) صحیح النسبی کے اقرار [دفعہ ۲۰۶ الف] سے (اس اولاد کی ماں سے) نکاح کے متعلق جو قیاس قایم ہوتا ہے وہ زوجہ مطلقہ سے دوبارہ نکاح کے معاملے میں کارآمد نہیں ہوتا تا وقتیکہ جب تک یہ نہ ثابت کیا جائے کہ طلاق سے دوبارہ نکاح کرنے میں جو موانع پیدا ہو جاتے ہیں وہ سب رفع کر دیے گئے تھے، یعنی زوجہ کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور حقیقی صحبت کے بعد اسے طلاق دی گئی تھی[2] [تمثیل الف]۔ اگر مطلقہ زوجہ کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا جانا

---

[1] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲؁ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۵۳، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲؛ ۱۹۳۲؁ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵۔

[2] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲؁ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۲۸، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۵۳ — ۵۴، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۱۹۳۲؁ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵۔

ثابت بھی ہو تو وہ نکاح اس وقت تک جائز نہ متصور ہوگا جب تک یہ نہ ثابت کیا جائے کہ جو موانع نکاح مکرر میں تھے وہ سب رفع کر دیے گئے تھے۔ محض فریقین کے دوبارہ نکاح کر لینے سے یہ قیاس نہ کر لیا جائے گا کہ تمام شرائط مذکورۂ بالا کی تکمیل بھی کر لی گئی تھی[1] [تمثیل ب]۔ شرائط مذکورۂ بالا کی تکمیل کے بغیر جو نکاح کیا جائے وہ فاسد ہے، باطل نہیں [بیلی، ۱۵۱]۔

(ب) دوسری تمام صورتوں میں[2] زوجین دوبارہ نکاح کر لینے کے مجاز ہیں گویا کہ عدت میں یا اس کی تکمیل کے بعد کوئی طلاق ہی نہ ہوئی تھی۔

[الف] ایک حنفی مسلمان اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں ان الفاظ میں دیتا ہے "میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں" [دفعہ ۲۳۰ (۳) الف] اور اس کے بعد زوج اور زوجہ ساتھ ہی رہتے ہیں، اور ان سے پانچ بچے پیدا ہوتے ہیں جنھیں باپ صحیح النسب تسلیم کرتا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ اولاد اس کی جائداد سے بحیثیت وارث ہونے کے حصہ چاہتی ہے۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے کہ فریقین کا دوبارہ نکاح ہوا مگر عدالت سے یہ چاہا جاتا ہے کہ وہ صحیح النسبی کے اقرار کی بناء پر دوبارہ نکاح ہونے کا قیاس قایم کرے۔ اس میں شک نہیں کہ صحیح النسبی کے اقرار سے نکاح کا قیاس قایم ہوتا ہے، مگر یہ اسی صورت میں ہوتا ہے

---

[1] اختر النساء بنام شریعت اللہ ۱۸۹۶ء، ویکلی رپورٹ ۲۶۸۔

[2] اس ضمن میں مولف صاحب سے بظاہر کسی قدر لغزش ہوگئی ہے "دوسری تمام صورتوں" سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ جن صورتوں میں تین طلاقیں نہ واقع ہوئی ہوں یا طلاق بائن نہ ہوگئی ہو۔ جب طلاق بائن نہ ہوئی ہو تو تجدید نکاح کی ضرورت ہی نہیں واقع ہوتی اس لئے یہ کہنا کہ زوجین دوبارہ نکاح کے مجاز ہیں، بیکار ہے۔ مترجم۔

جب کہ نکاح میں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ صورت زیر بحث میں طلاق کی وجہ سے ایک شرعی مانع موجود ہے اور وہ صرف اسی طرح رفع ہو سکتا ہے کہ مدعی یہ ثابت کریں کہ طلاق کے بعد ان کی ماں کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہوا، اور وہ شخص حقیقی صحبت کرنے کے بعد اسے بیوہ چھوڑ کر مر گیا یا اس نے طلاق دے دی۔ جب تک یہ امور نہ ثابت کئے جائیں نہ دوبارہ نکاح کا قیاس قایم ہو سکتا ہے، اور نہ اولاد صحیح النسب سمجھی جا سکتی ہے، اور نہ ان کا دعویٰ تسلیم کیا جا سکتا ہے: رشید احمد بنام انیسہ خاتون سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، سنہ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

(ب) ایک حنفی مسلمان اپنی بیوی کو تین طہر میں تین طلاقیں دیتا ہے [دفعہ ۲۲۰ (۲)]۔ اس کے بعد وہ پھر اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے۔ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ اس کی بیوی کا درمیان میں کوئی نکاح ہوا تھا، مگر عدالت سے دوبارہ نکاح ہونے کی بنا پر درمیانی نکاح کے متعلق قیاس قایم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ محض دوبارہ نکاح کر لینے سے ایسا قیاس قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ نکاح فاسد ہے۔ فاسد نکاح کے نتائج کے متعلق دیکھو ۲۰۶ گزشتہ]۔

بیلی، ۲۹۲-۲۹۳؛ ہدایہ، ۱۰۷-۱۰۸۔ جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں اس کے ساتھ شرائط مذکورہ بالا کی تکمیل کے بغیر دوبارہ نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مانع نکاح دوسرے شوہر کی صحبت اور عدت کے گزر جانے سے رفع ہو جاتا ہے: بیلی، ۱۵۱۔ حقیقی صحبت کے لئے دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۹۹ "خلوت صحیحہ"۔

فصلِ ہفدہم

نسب ـ صحیح النسبی اور اقرار (بالنسب)

الف ـ قیامِ نسب

دفعہ ۲۴۴ ـ **پدری اور مادری نسب** ــ نسب وہ تعلق ہے جو اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ ہوتا ہے ـ پدری نسب وہ قانونی تعلق ہے جو اولاد کو اپنے باپ کے ساتھ ہوتا ہے، اور مادری نسب اس قانونی تعلق کا نام ہے جو اولاد کو اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے ـ ان قانونی تعلقات سے وراثت، ولایت اور نفقات کے متعلق بعض حقوق اور وجوب پیدا ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۴۴ الف۔ مادری نسب کس طرح قائم ہوتا ہے ۔
اولاد کا مادری نسب اس عورت سے قایم ہوتا ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوئی ہے، بلالحاظ اس کے کہ اس کی ماں کے تعلقات اس کے باپ کے ساتھ جایز تھے یا ناجایز۔

بیلی، ۳۹۱۔
مادری نسب میں اولاد کا ذریعۂ نکاح یا زنا پیدا ہونا ناقابل لحاظ ہے۔ اولاد کا مادری نسب ہر صورت میں اس عورت سے قایم ہوتا ہے جس کے بطن سے وہ فی الحقیقت پیدا ہوئی ہے۔ لیکن پدری نسب اس وقت تک نہیں قائم ہوتا جب تک کہ اولاد نکاح سے نہ پیدا ہوئی ہو۔ اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو، اور اس سے کوئی اولاد پیدا ہو، تو صرف اپنی ماں کی اولاد متصور ہوگی اور اس سے یا اس کے رشتہ داروں سے وراثت پانے کی مستحق قرار پائے گی (دفعہ ۲۰۷)۔ زانی اس اولاد کا باپ نہ سمجھا جائے گا، کیونکہ پدری نسب صرف نکاح سے قایم ہوتا ہے، اور نہ ازروئے قانون وہ اس شخص کی اولاد قرار دی جائے گی، بلکہ حرامی متصور ہوگی اور شخص مذکور کی وراثت نہ پاسکے گی۔

دفعہ ۲۴۴ ب۔ پدری نسب کس طرح قائم ہوتا ہے ۔
(۱) پدری نسب صرف اولاد کے والدین میں جایز نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ یہ نکاح صحیح یا فاسد ہوسکتا ہے لیکن باطل نہ ہونا چاہئے۔ نکاح صریح اور بلاواسطہ شہادت سے ثابت کیا جاسکتا ہے، اگر بلاواسطہ شہادت موجود نہ ہو، تو غیر صریح اور استنباطی شہادت، یعنی اس قیاس سے جو خاص واقعات پر قایم کیا جائے، ثابت ہوسکتا ہے۔ (مرد اور عورت کے) ایک زمانہ دراز تک ساتھ رہنے سے بشمول دوسرے واقعات کے [دفعہ ۲۰۶ الف]،

یا اولاد کی صحیح النسبی کے اقرار سے، نکاح کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۲) جب اولاد کا نسب ثابت ہو جاتا ہے، تو اس کی صحیح النسبی بھی مسلم ہو جاتی ہے۔

بیلی، ۲۹۱، ۳۹۲، ۴۰۰ — ۴۰۲؛ شاما چرن سرکار کے ٹاگور لا لکچر بابت ۱۸۷۳ء دفعہ ۲۱۵۔

مقدمۂ حبیب الرحمان بنام الطاف علی[1] میں پرایوی کونسل کی تجویز کے مندرجۂ ذیل فقرے سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسب اور اس کی صحت کا تمام تر دار و مدار نکاح پر ہے اور یہی حال اقرار بالنسب کا ہے۔ "مطابق شرع اسلام کی رو سے صحیح النسب بیٹا ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک مرد اور اس کی بیوی یا اس کی لونڈی سے پیدا ہوا ہو؛ اس کے سوائے جو اولاد ہو گی وہ حرامی اور غیر صحیح النسب قرار پائے گی۔ لفظ "بیوی" سے خود بخود نکاح مستنبط ہوتا ہے؛ مگر نکاح بغیر ادائے ہر اسم کے بھی ہو سکتا ہے؛ اس لئے ممکن ہے کہ نکاح کی مقدمے میں مابہ النزاع ہو اور اس کا صریح اور بلا واسطہ ثبوت مل سکتا ہو۔ لیکن اگر ایسا ثبوت موجود نہ ہو تو اس کا غیر صریح اور استنباطی ثبوت بھی کافی ہو جاتا ہے۔ غیر صریح اور استنباطی ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ (باپ) بیٹے کی صحیح النسبی کا اقرار کرے۔"

دفعہ ۲۴۵ - صحیح النسبی کے متعلق کب قیاس قطعی ہو گا —

یہ واقعہ کہ کوئی شخص اپنی ماں کے کسی مرد کے جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں،

[1] سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، سنہ ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدا ہوا، اور اس اثنا میں اس کی ماں بے زوج رہی، قطعی ثبوت اس امر کا ہوگا کہ وہ (مولود) اس مرد کا صحیح النسب فرزند ہے، بجز اس صورت کے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ زوجین کو کسی وقت بھی ایک دوسرے سے ملنے کا ایسا موقع نہ تھا کہ اس کا حمل قرار پا سکتا۔

یہ قانون شہادت ایکٹ سنہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۱۱۲ ہے۔ یہ امر کہ آیا اس دفعہ سے شرع اسلام کا جو قاعدہ صحیح النسبی کا ہے وہ منسوخ ہو جاتا ہے یا نہیں، الہ آباد کے ایک مقدمے میں[1] غیر منفصل رہا۔ اس کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ طے کیا کہ اس دفعہ سے شرع اسلام کا قاعدہ منسوخ ہو جاتا ہے، اور دفعہ ہذا مسلمانوں سے بھی متعلق ہے[2]۔ لاہور میں بھی یہی رائے قائم کی گئی ہے[3]۔ اودھ کی چیف کورٹ نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ اگر دفعہ ۱۱۲ مسلمانوں سے متعلق بھی کی جائے، تو وہ نکاح فاسد سے متعلق نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس قسم کا نکاح دفعۂ مذکور کے مفہوم کے لحاظ سے "جایز" نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت مذکور کی رائے میں "جایز" کے معنی بغیر کسی نقص کے ہیں[4]۔ اودھ کے مقدمے میں نکاح بیوی کی بہن کے ساتھ ہونے سے

---

[1] محمد الہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۹ -

[2] سبط محمد بنام محمد سنہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۶۲۵، ۹۶ انڈین کیسز ۵۸۲، سنہ ۲۶ آل انڈیا الہ آباد ۵۰۹ -

[3] مسماۃ رحیم بی بی بنام چراغ دین سنہ ۳۰ آل انڈیا لاہور ۹۷، ۱۲۰ انڈین کیسز ۴۹؛ غلام محی الدین بنام خضر سنہ ۱۹۲۹ء ۱۰ لاہور ۴۷۰، ۱۱۴ انڈین کیسز ۴، سنہ ۲۹ آل انڈیا لاہور ۹ -

[4] مسماۃ کنیزہ بنام حسن سنہ ۱۹۲۶ء ۱ لکھنؤ ۱۷، ۹۲ انڈین کیسز ۸۲، سنہ ۲۶ آل انڈیا اودھ ۲۳۱ -

فاسد تھا [دفعہ ۲۰۴]

شرع اسلام کے مطابق صحیح النسبی کا قیاس۔ اس بارے میں شرع اسلام کے قواعد حسب ذیل ہیں [ابلی ۳۹۲-۳۹۳، ۳۹۶--۳۹۷]:-

۱۔ جو بچہ نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے سے کم مدت میں پیدا ہو، وہ صحیح النسب نہیں ہے۔

۲۔ جو بچہ نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے کے بعد پیدا ہو وہ صحیح النسب قیاس کیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ ظاہری باپ اس کی ولدیت سے ذریعہ "لعان" (دفعہ ۲۴۰) انکار کر دے[1]۔

۳۔ جو بچہ فسخ نکاح سے دو سال کے اندر پیدا ہو وہ صحیح النسب قیاس کیا جائے گا، بجز اس کے اس کی ولدیت سے ذریعہ "لعان" (دفعہ ۲۴۰) انکار کیا جائے۔ یہ حنفیوں کا قاعدہ ہے۔ شافعی اور مالکی قانون میں یہ مدت چار سال ہے اور شیعوں کے قانون میں صرف دس مہینے۔

قانون شہادت اور شرع اسلام کے اختلافات:-

(۱) قاعدہ ۱ کے مقابلے میں ---- قانون شہادت کی دفعہ ۱۱۲ کی رو سے جو بچہ نکاح کے ایک دن بعد بھی پیدا ہو وہ صحیح النسب ہے، بجز اس صورت کے کہ والدین کو کسی وقت بھی باہم یکجائی کا ایسا موقع نہ ملا ہو کہ اس کا حمل رہ سکتا۔

(۲) جو بچہ نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے کے بعد، مگر تاریخ فسخ نکاح سے ۲۸۰ دن کے اندر پیدا ہوا ہو، وہ قانون شہادت اور شرع اسلام دونوں کے لحاظ سے صحیح النسب ہے، بجز اس کے لعان

[1] جو بچہ ٹھیک چھ ماہ میں پیدا ہو۔ اس کے متعلق کیا تصوّر کیا جائے گا؟ مترجم

کیا جائے یا عدم یکجائی ثابت ہو۔

(۳) جو بچہ فسخ نکاح کی تاریخ سے ۲۸۰ یوم اور دو سال کی مدّت کے اندر پیدا ہو، وہ حنفیوں کے نزدیک بحالت عدم لعان صحیح النسب ہے۔ مگر قانون شہادت کے لحاظ سے اس سے دفعہ ۱۱۴ متعلق ہوگی، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ "عدالت ایسے واقعے کا وجود قیاس کر سکتی ہے جس کا وقوع میں آنا عدالت کی دانست میں محتمل ہو، مگر اس میں وقوع واقعات کے فطری طریقے کا لحاظ کیا جانا چاہیئے"۔

کلکتے کے مقدمے[1] میں جو قانون شہادت کے اجرا سے قبل کا ہے، عدالت نے ایک ایسے بچے کے متعلق جو طلاق کی تاریخ سے ۱۹ مہینے کے بعد پیدا ہوا تھا شرع اسلام کے قاعدے کے اس جز کی تعمیل سے اس بنا پر انکار کیا کہ ایسے بچے کو صحیح النسب قرار دینا "فطری طریقے کے خلاف اور محالات سے ہے"۔

دفعہ ۲۴۶ - قیاسی نکاح سے صحیح النسبی کا قیاس

بچے کی صحیح النسبی کا قیاس اِن حالات سے کیا جا سکتا ہے جن سے اس کے والدین میں نکاح کا ہونا قیاس کیا جاتا ہے (دفعہ ۲۰۶ الف)۔

مقدمۂ محمد باقر بنام شرف النساء[2] میں پرایوی کونسل نے لکھا کہ دو مسلمان ماں باپ کے بچے کی صحیح النسبی بطریق معقول صرف حالات سے قیاس یا مستنبط کی جا سکتی ہے بلا اس کے کہ اس کے والدین کے نکاح یا خود اسے باضابطہ

[1] اشرف علی بنام اسد علی ۱۸۷۱ء ۱۶ ویکلی رپورٹ ۲۶۰۔
[2] ۱۸۶۰ء ۸ مدراس انڈین اپیلز ۱۳۶، ۱۵۹۔

صحیح النسب قرار دئے جانے کا کسی قسم کا ثبوت یا کم از کم صریح ثبوت پیش کیا جائے۔" اسی مقصد کے لئے دیکھو امیر علی کی کتاب، اشاعت پنجم، جلد دوم، صفحہ ۲۱۳۔

ب۔ اقرار بالنسب

دفعہ ۲۴۷۔ اقرار صحیح النسبی ۔۔۔ (۱) "جب کسی بچے کا نسب، یعنی اس کا بطریق جائز اپنے باپ کے صلب سے پیدا ہونا، اس کے حمل میں رہنے یا پیدا ہونے کے وقت اس کے والدین کے ازدواج کے ثبوت سے ثابت نہ ہو سکتا ہو، تو شرع اسلام میں ایک طریقہ اقرار بالنسب کا تسلیم کیا گیا ہے جس سے باغراض وراثت اصلی قانون کے قاعدے کی طرح اس کے والدین کا نکاح اور خود اس کا صحیح النسب ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔"

"شرع اسلام کے اقرار بالنسب اور اس کے صحیح النسبی کے اثرات کو ان صورتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جن میں بچے کا غیر صحیح النسب ہونا ثابت اور مبین کر دیا جائے۔ خواہ یہ ثابت کر کے کہ بچے کے والدین میں بطریق جائز مجامعت ناممکن تھی، (مثلاً وہ مجامعت محرمات کے ساتھ تھی یا محض زناکاری تھی) خواہ یہ ثابت کر کے کہ جو نکاح بچے کو صحیح النسب ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا وہ پیش ہو کر نامنظور کر دیا گیا۔ یہ اصول (اصول اقرار بالنسب) صرف انھیں صورتوں سے متعلق ہوتا ہے جن میں خود واقعۂ نکاح یا بچے کی صحیح النسبی کے لحاظ سے نکاح کا ٹھیک وقت، بلحاظ اس قانونی فرق کے "جو پیش ہو کر نامنظور شدہ" (Disproved) اور غیر ثابت کردہ" (Not proved) میں کیا جاتا ہے، ثابت نہ کیا گیا ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں، کہ اس اصول سے صرف ان صورتوں میں کام لیا جاتا ہے جن میں صحیح النسبی کی نسبت اشتباہ ہوتا ہے، اور انھیں صورتوں میں اقرار موثر ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ اثر ہمیشہ اسی قیاس پر مبنی رہتا ہے کہ جس بچے کے نسب کے متعلق اقرار

کیا گیا ہے، اس کے والدین میں جو تعلقات تھے وہ جائز تھے[1]۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ اصول انھیں صورتوں میں کار آمد ثابت ہوتا ہے جہاں بینۂ نکاح یا اس کی ٹھیک تاریخ کے متعلق شبہ ہوتا ہے، یعنی نہ وہ ثابت شدہ ہوتی ہے اور نہ پیش ہو کر نامنظور شدہ ہے[2]۔ اسی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ یہ اصول "صحیح النسبی کی غیر یقینی صورتوں تک محدود ہے اور ہمیشہ صحیح النسبی کے قیاس اور بربنائے اقرار اس صحیح النسبی کو تسلیم کر لینے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے[3]"۔

(۲) جس بچہ کے نسب کا اقرار کیا جائے، وہ لڑکا یا لڑکی دونوں ہو سکتے ہیں[4]۔

بیلی، ۴۰۸؛ ہدایہ، ۴۳۹۔ اصول اقرار بالنسب محض قاعدۂ شہادت

---

[1] محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۰، ۳۳۴ ـ ۳۳۵؛ مسماۃ فضیلت النسا بنام مسماۃ قمر النسا سنہ ۱۹۰۵ء ۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۳۵۲؛ حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳، سنہ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹ [نکاح رد کر دیا گیا]؛ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ احسان بنام پنا لال سنہ ۱۹۲۸ء ۶ پٹنہ ۱۰۳، ۱۱ انڈین کیسز ۳۴۴، سنہ ۲۸ آل انڈیا پٹنہ ۱۹؛ محمد شفیق اللہ بنام نوح اللہ سنہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۸۵، ۸۸ انڈین کیسز ۹۵۴، سنہ ۲۶ آل انڈیا الہ آباد ۴۸؛ آغا محمد بنام زہرہ بیگم سنہ ۱۹۲۸ء ۳ لکھنؤ ۱۹۹، ۱۰۵ انڈین کیسز ۹۰۴، سنہ ۲۸ آل انڈیا اودھ ۲۵۶؛ فیروز دین بنام نواب خاں سنہ ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۲۲۴، ۱۰۹ انڈین کیسز ۷۷۹، سنہ ۲۸ آل انڈیا لاہور ۲۲۴ [نکاح رد کر دیا گیا]؛ ابراہیم بنام مبارک سنہ ۱۹۲۰ء ۱ لاہور ۲۲۹، ۵۶ انڈین کیسز ۹۲۳؛ عثمان میاں بنام ولی محمد سنہ ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۲۸، ۳۰ انڈین کیسز ۹۰۴۔

[2] محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۴۳،

[3] سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۴ گزشتہ۔

[4] دیکھو دھان بی بی بنام لالن بی بی سنہ ۱۹۰۰ء ۲۷ کلکتہ ۸۰۱۔

نہیں ہے، بلکہ اصلی قانون وراثت کا ایک
جز ہے۔ اس لئے جن حالتوں میں اسے موثر ہونا چاہئے
ان کا تعین اسلامی اصول فقہ سے کیا جانا لازم ہے۔[1]
اس مضمون پر مشہور و معروف مقدمہ محمد اللہ داد بنام
محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء۔ الہ آباد ۲۸۹ ہے، جس کی پیروی
ہندوستان کی تمام عدالتوں میں کی گئی ہے اور جسے
پرایوی کونسل نے بھی پسند کیا ہے۔ اس دفعہ میں جو فقرے
نقل کئے گئے ہیں، وہ جسٹس محمود کی تجویز سے لئے گئے
ہیں۔ صادق حسین بنام ہاشم علی[2] میں پرایوی کونسل نے
اس قاعدے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "ایک شخص
کا یہ بیان کہ دوسرا شخص جو غیر صحیح النسب ثابت ہو چکا
ہے اس کا بیٹا ہے، اس دوسرے شخص کو صحیح النسب
نہیں بنا سکتا، لیکن جس صورت میں (غیر صحیح النسبی کا)
کوئی ثبوت نہ پیش کیا گیا ہو، اس صورت میں ایسا بیان
یا اقرار اس امر کی صریح شہادت ہے کہ جس شخص کی
نسبت اقرار کیا جاتا ہے وہ اقرار کرنے والے کا
صحیح النسب فرزند ہے، بشرطیکہ اس کی صحیح النسبی حد امکان
کے اندر ہو" (دفعہ ۲۵۰)

دفعہ ۲۴۸۔ اقرار صریح یا معنوی، دونوں طرح کا ہو سکتا ہے ـــ اقرار بالنسب کا صریح ہونا لازم نہیں ہے۔ اس کا قیاس اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص عادۃً اور علانیہ طور سے

[1] ۱۸۸۸ء۔ الہ آباد ۲۸۰، گزشتہ۔
[2] ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۴، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۶۱، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

دوسرے شخص کے ساتھ مسلسل اپنی اولاد اور صحیح النسب اولاد کے برتاؤ کرتا رہا ہے[1]۔

مقدمہ محمد عظمت بنام لالی بیگم[2] میں حجان پرایوی کونسل نے لکھا کہ "متعدد مقدمات میں یہ طے ہو چکا ہے کہ اقرار بالنسب کا صریح ہونا ضرور نہیں ہے، ایک مسلمان کا اپنی اولاد کے نسب کا اقرار اس کے علانیہ فرزندانہ برتاؤ سے مستنبط کیا جا سکتا ہے"۔

دفعہ ۲۴۹۔ صحیح اقرار بالنسب کے شرائط — اقرار بالنسب کے صحیح اور موثر ہونے کے لئے مفصلۂ ذیل شرائط کا پورا ہونا لازم ہے:۔

(۱) "اقرار نہ صرف فرزندی کا ہونا چاہیئے، بلکہ اس طرح کیا جانا چاہیئے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اقرار کا مقصد مقر لہ کو نہ صرف فرزند بلکہ صحیح النسب فرزند تسلیم کرنا مقصود تھا"[3] [دیکھو نوٹ ۲ جو آگے آتا ہے]۔

---

[1] محمد عظمت بنام لالی بیگم سنہ ۱۸۸۱ء ۹ انڈین اپیلز ۸، ۱۸، ۸ کلکتہ ۴۲۲؛ خواجہ ہدایت بنام رائے جان خانم سنہ ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۹۵، ۳۲۳، [مسلسل برتاؤ]؛ محمد باقر بنام شرف النساء سنہ ۱۸۶۰ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۱۳۶، ۱۵۸—۱۵۹؛ اشرف الدولہ بنام حیدر حسین خان سنہ ۱۸۶۶ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۹۴، ۱۱۶؛ صادق حسین بنام محمد یوسف سنہ ۱۸۸۳ء ۱۰ کلکتہ ۶۶۳، ۱۱ انڈین اپیلز ۳۱؛ عبدالرزاق بنام آغا محمد جعفر سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶؛ حبیبت النساء بنام مٹھائی سنہ ۱۹۰۴ء ۲۶ الہ آباد ۲۹۵؛ مسماۃ بی بی نجبن النساء بنام مسماۃ بی بی قمر النساء سنہ ۱۹۰۵ء ۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۳۵۲۔

[2] سنہ ۱۸۸۱ء ۹ انڈین اپیلز ۸، ۱۸، ۸ کلکتہ ۴۲۲۔

[3] حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰، انڈین کیسز ۸۳۷، سنہ ۲۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹؛ عبدالرزاق بنام آغا محمد جعفر سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶؛ صادق حسین بنام محمد یوسف سنہ ۱۸۸۳ء ۱۰ کلکتہ ۶۶۳، ۱۱ انڈین اپیلز ۳۱۔

(۲) فریقین کی عمر ایسی ہونی چاہیئے کہ مقر، مقر لہ کا باپ ہوسکتا ہو[1] [دیکھو نوٹ ۳ جو ذیل میں ہے]؛

(۳) مقر لہ زنا، یعنی محرمات کے ساتھ زنا، یا ناجایز مجامعت کی اولاد نہ ہو[2]۔ اگر اس کی ماں ایسے وقت میں کہ اس کا حمل رہ سکتا تھا دوسرے شخص کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے مقر کی کسی طرح جایز زوجہ نہ ہوسکتی تھی[3] یا مقر کے محرمات میں داخل تھی[4] تو ایسی صورتوں میں اس کا ولد الحرام ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح اگر نکاح ناجایز قرار پاچکا ہے تو اس کی اولاد بھی ولد الحرام قرار پائے گی[5] [دیکھو آئندہ نوٹ ۴]؛

---

[1] جبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰ — ۱۲۱؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[2] جبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹؛ صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۴، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۶۱، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۷۶۲، ۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵؛ محمد الہ داد بنام محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۴ — ۳۳۷؛ مردان صاحب بنام رزاق صاحب ۱۹۰۹ء ۳۴ بمبئی ۱۱۱، ۴ انڈین کیسز ۲۵۴۔

[3] لیاقت علی بنام کریم النساء ۱۸۹۳ء ۱۵ الہ آباد ۳۹۶؛ مردان صاحب بنام رزاق صاحب ۱۹۰۹ء ۳۴ بمبئی ۱۱۱، ۴ انڈین کیسز ۲۵۴؛ آغا محمد بنام زہرہ بیگم ۱۹۲۸ء ۳ لکھنؤ ۱۹۹، ۱۰۵ انڈین کیسز ۹۰۴، ۲۸ء آل انڈیا اودھ ۵۶۲؛ محمد شفیق اللہ بنام نوح اللہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۵۸، ۸۰ انڈین کیسز ۹۵۴، ۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۸۴۔

[4] جبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[5] دھان بی بی بنام لالن بی بی ۱۹۰۰ء ۲۷ کلکتہ ۸۰۱؛ فیروز دین بنام نواب خاں ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۲۴۴، ۱۰۹ انڈین کیسز ۷۷۹، ۲۸ء آل انڈیا لاہور ۴۳۲؛ جبیب الرحمان بنام

(۴) مقرلہ کسی دوسرے شخص کی مشہور اور معروف اولاد نہ ہو[۱]؛
(۵) اقرار کی مقرلہ نے تردید نہ کی ہو[۲] [دیکھو نوٹ ۵ ذیل میں]۔
شرائط مذکورۂ بالا لڑکے اور لڑکی دونوں سے متعلق ہوتی ہیں [دیکھو دفعہ ۲۴۷ (۲)]۔

ہدایہ، ۴۲۹؛ بیلی، ۴۰۸۔ شرائط مذکورۂ بالا کا خلاصہ پرایوی کونسل کے مقدمہ حبیب الرحمان بنام الطاف علی میں پایا جائے گا[۳]۔

۱۔ اقرار اور اس کا بارِ ثبوت ـــــ چونکہ مسلمانوں میں بغیر کسی قسم کے مراسم کے نکاح منعقد ہو سکتا ہے، اس لئے بلاواسطہ نکاح کا ثبوت ہر حالت میں دستیاب ہونا مشکل ہے۔ جہاں بلاواسطہ ثبوت نہیں مل سکتا ہو وہاں بواسطہ یا قرائنی ثبوت کافی متصور رہوتا ہے۔ بواسطہ یا قرائنی ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اولاد کی صحیح النسبی کا اقرار کیا جائے۔ یہ اقرار نہ صرف فرزندی بلکہ صحیح النسب فرزندی کا ہونا چاہیئے۔ مزید برآں، جیسا کہ دفعہ میں بیان کیا گیا ہے اقرار مذکور بادی النظری

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۴۳۷، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[۱] عثمان میاں بنام ولی محمد ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۲۸، ۳۰ انڈین کیسز ۹۰۴۔

[۲] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[۳] ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰ ـــ ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

طور سے از قسم محالات نہ ہو، جب شرائط مذکورۂ دفعۂ ہذا کی تکمیل ہو جاتی ہے، تو اقرار کی وقعت محض شہادتی بیان سے بالاتر ہو کر نکاح کا قیاس قائم کرتی ہے۔ اس قیاس سے زوجہ اور بیٹا دونوں بحیثیت مدعی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چونکہ یہ واقعاتی قیاس ہے نہ کہ قطعی قیاس اس لئے دوسرے واقعاتی قیاسوں کی طرح اس کے خلاف ثابت کرنے سے اس کی تردید ہو سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس دعویدار بیٹے کی تائید میں صحیح النسبی کا باضابطہ اقرار موجود ہو (اس کی ماں کا) نکاح ثابت شدہ اور اس کی صحیح النسبی مسلّم متصور ہوگی، تاوقتیکہ اس نکاح کی تردید نہ کی جائے۔ جب تک کہ مدعی اقرار بالنسب نہ ثابت کرے نکاح کا بار ثبوت اسی کے ذمے رہتا ہے اقرار بالنسب ثابت ہو جانے کے بعد بار ثبوت اس شخص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو نکاح کا منکر ہوتا ہے[1]۔

۲۔ ضمن (۱) صحیح النسب قرار دینے کا ارادہ — اقرار بالنسب نہ صرف فرزندی بلکہ صحیح النسب فرزندی کا ہونا چاہیئے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف فرزندی کے اقرار کی کوئی شہادتی وقعت نہیں ہے۔ اقرار فرزندی کے بادی النظری معنی صحیح النسب فرزندی کے اقرار کے ہیں[2]۔

---

[1] حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰۔۱۲۱، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، سنہ ۲۱ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[2] فضلن بی بی بنام عمدہ بی بی سنہ ۱۸۶۸ء ۱۰ ویکلی رپورٹ ۴۶۹ ۴۹ جس کا حوالہ پسندیدگی کے ساتھ مقدمۂ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۳۴ میں دیا گیا ہے۔

فرزندی کا ایسا سرسری اقرار جس سے صحیح النسبی قایم کرنے کی نیت نہ ہو صحیح النسبی نہ قائم کر سکے گا۔ صحیح النسبی کے قایم کرنے کے لئے نیت کا ہونا لازم ہے۔

۳۔ ضمن (۲): عمر —— مقر کو مقرلہ سے کم از کم ساڑھے بارہ سال بڑا ہونا چاہئے: بیلی ۴۱۱۔

۴۔ ضمن (۳): ولد الزنا —— جو اولا و زنا یا محرمات کے ساتھ یا ناجائز مجامعت سے پیدا ہوئی ہو وہ اقرار بالنسب سے صحیح النسب نہیں قرار پا سکتی۔ جو نکاح عدالتی طور سے رد شدہ ہو اس کی اولاد ولد الحرام ہوگی، اور اسی طرح اس دوبارہ نکاح کی اولاد جس میں زوجہ کو تین بائن طلاقیں دی جا چکی ہوں، اور درمیانی نکاح نہ ثابت کیا گیا ہو حرامی قرار پائے گی، اس وجہ سے کہ ایسا نکاح (یعنی بغیر درمیانی نکاح کے ثبوت کے) باطل ہے۔

مدت دراز تک ساتھ رہنے سے نکاح کا قیاس نہ کیا جائے گا اگر وہ عورت جواب زوجیت کی دعویدار ہے مرد کے گھر لائے جانے سے پہلے طوائف تھی[۳]، لیکن اگر

بقیہ حاشیہ بصفحہ گزشتہ: ۳۸ الہ آباد ۶۲، ۶۵، ۳۶ انڈین کیسز ۴۰۱، عثمان میاں بنام ولی محمد سنہ ۱۹۱۶ ۴۰ بمبئی ۲۸، ۳۳، ۳۰ انڈین کیسز ۹۰۴۔

[۱] عبد الرزاق بنام آغا محمد جعفر سنہ ۱۸۹۳ ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۶۶۷۔

[۲] رشید احمد بنام انیسہ خاتون سنہ ۱۹۳۲ ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، سنہ ۳۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵۔

[۳] غضنفر بنام کنیز فاطمہ سنہ ۱۹۱۰ ۳۷ انڈین اپیلز ۱۰۵، ۳۲ الہ آباد ۳۴۵، ۶ انڈین کیسز ۶۷۴۔

مرد اس اولاد کو جو اس عورت کے بطن سے پیدا ہوئی ذریعۂ اقرار صحیح النسب قرار دیتا ہے تو نکاح کا قیاس کیا جائے گا، کیونکہ طوائف کے ساتھ نکاح ممنوع نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس اولاد کی پیدایش کے وقت وہ اس مرد کی جایز بیوی ہو[1]۔ لیکن اگر یہ صحیح طور سے ثابت کر دیا جائے کہ اولاد کی پیدائش کے وقت مرد اور عورت میں کوئی عقد نکاح نہ تھا، یا یوں کہو کہ نکاح کو عدالت نے رد کر دیا تھا، تو وہ اولاد ولد الحرام سمجھی جائے گی، اور کسی طرح اقرار بالنسب سے جایز اولاد نہ قرار پائے گی؛ جیسا کہ مقدمات مندرجہ فٹ نوٹ ۱۲ صفحہ ۴۵۵ میں طے ہوا ہے۔

۵۔ ضمن (ہ): تردید — اگر مقرلہ اس عمر کو پہنچ گیا ہو کہ معاملے کی نوعیت کو سمجھ سکتا ہو، تو اسے اختیار ہے کہ وہ اقرار بالنسب کو رد کر دے یعنی اسے نہ قبول کرے۔

دفعہ ۲۵۰۔ حق وراثت — اگر اقرار صحیح النسب فرزندی کا ہے، اور وہ رشتہ واقعاتی اور قانونی [دفعہ ۲۴۹] دونوں طرح ممکنات سے ہے، تو اس سے مقر اور مقرلہ کی ماں میں نکاح کا قیاس قائم کیا جائے گا۔ اور بہ استثنائے اس صورت کے کہ اس کی تردید کی جائے، مقرلہ کو بحیثیت مقر کی صحیح النسب اولاد کے[2] اور مقرلہ کی ماں کو بحیثیت مقر کی

---

[1] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۱ – ۸۲؛ ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۹ — ۸۹۰؛ ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[2] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۸۶۰؛ انڈین کیسز ۸۳۲؛ ۲۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹؛ محمد عظمت بنام لالی بیگم ۱۸۸۱ء ۸ کلکتہ ۴۲۲، ۹ انڈین اپیلز ۸؛ صداقت حسین بنام محمد یوسف ۱۸۸۳ء ۱۰ کلکتہ ۶۶۳، ۱۱ انڈین اپیلز ۳۱۔

جائز زوجہ[1] کے حق وراثت پیدا ہو جائے گا۔

اس امر کی صریح اور صاف شہادت ہے کہ ایک مسلمان نے اپنی اولاد کی صحیح النسبی کا اقرار کیا ہے اس میں اور اولاد کی ماں میں جائز نکاح کا قیاس قائم ہو جاتا ہے[2]۔

دفعہ ۲۵۱ — اقرار بالنسب نا قابل رجوع ہے — جو اقرار بالنسب ایک مرتبہ کر لیا جائے وہ پھر منسوخ نہیں کیا جا سکتا[3]۔

دفعہ ۲۵۲ تبنیت نا قابل تسلیم ہے — شرع اسلام میں تبنیت کے ذریعے سے بیٹا بنانا جائز نہیں ہے[4]۔

جن مقامات میں واضعان قانون نے رواج کو عام شریعت اسلام پر ترجیح دی ہے، جیسے پنجاب اور اودھ وغیرہ

---

[1] خواجہ ہدایت بنام رائے جان خانم سنہ ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۹۵، ۳۱۸؛ وصی بنام صندل النساء سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۸، ۱۷، ۱۹۳؛ نواب ملکہ جہاں بنام محمد سنہ ۱۸۷۳ء ایس یو پی، جلد انڈین اپیلز ۱۹۲؛ کھجورالنساء بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۹، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱؛ جہاں طالع بنام حلیم الزماں سنہ ۱۸۸۱ء ۱۰ کلکتہ لا رپورٹ ۲۹۳؛ امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۰، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، سنہ ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[2] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۱ — ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۸۹ — ۸۹۰، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[3] اشرف الدولہ بنام حیدر حسین سنہ ۱۸۶۶ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۹۴؛ محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۱۷۔

[4] محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۴۰؛ محمد عمر بنام محمد نیاز الدین سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۴۱۸، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۹، ۱۳ انڈین کیسز ۳۴۴۔

میں [دیکھو دفعات ۱۰، ۱۰ الف، ۱۱، و ۱۲ گزشتہ] وہاں مخصوص خاندانی یا قومی رواج تبنیت کو اگر وہ ثابت کیا جائے، شریعت اسلام پر ترجیح دی جائے گی۔ اودھ کے ایکٹ تعلقداران ۱۸۶۹ء کی دفعہ ۲۹ کی رو سے ایک مسلمان تعلقہ دار تبنیت کا مجاز ہے[۱]۔ جن ہندوؤں نے مسلمان ہو کر اپنے ہندوانی طریقے وراثت اور جانشینی کے قائم رکھے ہیں، ان کی نسبت یہ نہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے دوسرے رواجوں کے ساتھ ہندوؤں کا طریقۂ تبنیت بھی قائم رکھا ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ تبنیت کا رواج بھی قائم رکھا گیا ہے، اس کا ثابت کرنا اسی کے ذمے ہوگا[۲]۔

۱۔ دیکھو عبدالحلیم خاں بنام سعادت علی خاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۰۲، ۷ لکھنؤ ۱۹۴، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۵، ۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳۷۔

۲۔ دیکھو بائی چھابائی بنام بائی ہیرابائی ۱۹۱۱ء ۳۵ بمبئی ۲۶۴، ۱۰ انڈین کیسز ۸۱۶۔

ولایت ذات و جائداد

الف۔ تقرر اولیا

دفعہ ۲۵۳ — عمر بلوغ — اس فصل میں "نابالغ" سے مراد وہ شخص ہے جس نے اٹھارہ سال کی عمر پوری نہ کی ہو۔

دیکھو بلوغ کے ایکٹ ہندستان ۹ ۱۸۷۵ء کی دفعہ ۳ اور ایکٹ گارڈین اور وارڈ ہندستان ۸ ۱۸۹۰ء کی دفعہ ۴ ضمن (۱)۔

شرع اسلام میں نابالغی کی عمر — شرع اسلام کی رو سے نابالغی اس وقت ختم ہو جاتی ہے جبکہ مرد یا عورت جو کوئی ہو فی الحقیقت بالغ ہو جاتا ہے۔ حنفیوں اور شیعوں میں پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جانے پر بلوغ کا قیاس قایم ہوتا ہے۔ ہند کے ایکٹ بلوغ کی دفعہ ۳ کے لحاظ سے اٹھارہ سال کی تکمیل پر نابالغی ختم ہو جاتی ہے، بہ استثنا اس صورت کے کہ نابالغ کے اٹھارہ سال پورے کرنے سے قبل

اس کی ذات یا جائداد یا دونوں کا کوئی ولی مقرر کیا گیا ہو، یا
کیا جانے والا ہو، یا نابالغ کی جائداد کورٹ آف وارڈز کی نگرانی میں
ہو۔ ان حالات میں نابالغی کی مدت طویل تر ہو جاتی ہے
اور نابالغ کے اکیس سال پورے کرنے پر ختم ہوتی ہے۔
شرع اسلام کے مطابق ہر شخص جو سن بلوغ کو پہنچ گیا ہو
اپنی ذات اور جائداد کے تمام معاملات میں (حسب صوابدید خود)
کارروائی کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان
کے ایکٹ بلوغ نے اس میں بڑا تغیر پیدا کر دیا ہے۔ اب ایک
مسلمان پندرہ سال کی عمر پر پہنچنے کے بعد صرف (۱) نکاح
(۲) مہر اور (۳) طلاق کے معاملات میں کارروائی کر سکتا
ہے، بقیہ معاملات میں اس کی نابالغی اٹھارہ سال کی
تکمیل تک قایم رہتی ہے۔ اس زمانے تک از روئے
"قانون گارڈین و وارڈ" عدالت اس کی ذات یا
جائداد یا دونوں کا کسی شخص کو ولی مقرر کرنے کی مجاز ہے۔
دیکھو نوٹس زیر دفعہ ۱۰ گزشتہ۔

دفعہ ۳۵۳ الف۔ ولی کے تقرر کی درخواست ——— نابالغ
کی ذات یا جائداد یا دونوں کے لئے ولی مقرر کئے جانے کی درخواست
"ایکٹ گارڈین و وارڈ ۱۸۹۰ء" کے تحت پیش ہونی چاہئے۔
ہر شخص جو شرع اسلام کی رو سے نابالغ کا ولی ہو سکتا
ہے، وہ بحیثیت ولی کام کرنے کا مجاز ہے بلا اس کے کہ اس نے
کوئی اجازت قبل از قبل عدالت سے حاصل کی ہو۔
اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کہ وہ "گارڈین اور
وارڈ ایکٹ" کے تحت عدالت میں درخواست دے کہ
وہ ایکٹ مذکور کے لحاظ سے ولی مقرر یا قرار دیا جائے۔
اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنا کام اس وقت تک

ملتوی رکھے جب تک کہ اس کے ولی ہونے کا قانونی استحقاق یا اس خدمت کی انجام وہی کی قابلیت، کسی شخص کے اعتراض کی بنا پر، متنازع فیہ رہے۔ ولی قرار دئے جانے کی درخواست نہ صرف وہ شخص پیش کرسکتا ہے جو ولی مقرر ہونا چاہتا یا اس کا دعویدار ہے، بلکہ نابالغ کا ہر رشتہ دار یا رفیق اور بعض صورتوں میں کلکٹر ضلع (دفعہ ۸ ایکٹ مذکور) بھی اسے پیش کرنے کا مجاز ہے۔ یہ درخواست اس شکل میں ہونی چاہئیے جو ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۰ میں بتائی گئی ہے۔ اس درخواست پر اس وقت تک کوئی حکم نہ صادر ہوگا جب تک کہ درخواست ہذا کی اطلاع ان لوگوں کو نہ دی جائے گی جو کہ نابالغ سے تعلق یا غرض رکھتے ہیں (دفعہ ۱۱ ایکٹ مذکور)۔

دفعہ ۲۵۴۔ عدالت کو ولایت کے متعلق حکم دینے کا اختیار۔
جب عدالت کو اس امر کا اطمینان ہوجائے کہ نابالغ کے فائدے کے لئے (۱) نابالغ کی ذات یا جائداد یا دونوں کے لئے ولی مقرر کرنا، یا (۲) کسی شخص کو ولی قرار دینا ضرور رہے، تو وہ حسبہ حکم دے سکتی ہے۔
ایکٹ گارڈین اور وارڈز ۱۸۹۰ء کی دفعہ ۷۔

دفعہ ۲۵۵۔ وہ امور جن پر ولی مقرر کرتے وقت عدالت غور کرے گی۔ (۱) کسی نابالغ کا ولی مقرر کرتے یا قرار دیتے وقت عدالت دفعہ ہذا کے احکام کی پابندی کے ساتھ اس طریقے پر معمل ہوگی جو بلحاظ حالات نابالغ مذکور کی صلاح و فلاح کے لئے مفید متصوّر ہو، اور اس قانون کے مطابق ہو جس کا نابالغ تابع ہے۔
(۲) اس امر پر غور کرتے وقت کہ نابالغ کی صلاح و فلاح کس میں ہے، عدالت نابالغ کی عمر، جنس، مذہب اور مجوزہ ولی کے چال وچلن اور قابلیت، اور نابالغ سے اس کی قرابت، اور والدین متوفی کی خواہشات (اگر کچھ ہوں)

اور ان تعلقات پر جو ولی مجوزہ کو نابالغ کی ذات یا جائداد سے اس وقت ہیں یا کسی وقت رہے ہوں، لحاظ کرے گی۔

(۳) اگر نابالغ اس سن کو پہنچ چکا ہے کہ وہ معقول ترجیح دے سکتا ہے تو عدالت اس کی ترجیح پر بھی غور کر سکے گی۔

نابالغ کی صلاح و فلاح ـــــ دفعۂ بالا ایکٹ گارڈین اور وارڈز کی دفعہ ۱، ضمن (۱)، (۲)، (۳) کی لفظاً نقل ہے۔ اس سے عدالت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ ایسا ولی مقرر کرے جو اس قانون کے مطابق ہو جس کا تابع نابالغ ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں، کہ اصل خیال نابالغ کی صلاح و بہبود کا ہے، مگر وہ قاعدے جن سے نابالغ کی فلاح اور بہبود کا تعین کیا جاتا ہے وہی قاعدے ہیں جو اس قانون میں درج ہیں جس کا نابالغ تابع ہے۔ اس لیے ایک مسلمان نابالغ کا ولی مقرر کرتے وقت عدالت کو یہ مان لینا چاہیے کہ ولی مقرر کرنے کے جو قاعدے شرع اسلام میں بتائے گئے وہی نابالغ کی فلاح اور بہبود کے ہیں۔ عدالت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان قواعد کی جگہ اپنی اس رائے کے مطابق عمل کرے جو اس کے نزدیک نابالغ کے لیئے مفید معلوم ہو۔ جو تقرر ان قواعد کے خلاف کیا جائے گا وہ حسب دفعۂ ہذا برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اب ہم ان قواعد کو بیان کرتے ہیں۔

ب۔ نابالغ کی ذات کے اولیا

(۱) سات سال سے کم عمر کے لڑکوں اور نا حد بلوغ لڑکیوں کی حضانت۔

دفعہ ۲۵۶۔ کم عمر بچوں کی حضانت کا حق ماں کو ہے ـــ ماں کو سات سال

کی تکمیل تک اپنے بیٹے کی، اور بالغ ہونے تک اپنی بیٹی کی حضانت کا حق حاصل ہے۔ اگر بچوں کا باپ ان کی ماں کو طلاق بھی دیدے، تب بھی ماں کا یہ حق قائم رہتا ہے[1]، البتہ دوسرا شوہر کر لینے کی حالت میں وہ حق باپ کو حاصل ہو جاتا ہے[2]۔

ہدایہ، ۱۳۸؛ بیلی، ۱۳۵۔

حق حضانت کی نوعیت اور اس کی حد۔ — مقدمہ امام باندی بنام منصدی[3] میں ججان پریوی کونسل نے لکھا کہ "یہ امر بالکل صاف ہے کہ شرع اسلام کی رو سے ماں کو اپنے نابالغ بچوں کی، بلحاظ جنس کے ایک خاص مدت تک صرف حضانت ذات کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مگر وہ فطری ولی نہیں ہے؛ قانونی ولی صرف باپ اور اگر وہ مر گیا ہو تو (حسب قانون حنفی) اس کا مہتمم ترکہ ہوتا ہے۔"

فقرۂ مندرجۂ بالا سے ظاہر ہوگا کہ باپ ہی اپنے نابالغ بچوں کا اصلی اور فطری ولی ہے، اور جو حق حضانت ماں اور دوسری رشتہ دار عورتوں (مندرجہ دفعہ ۲۵۱ آئندہ) کو حاصل ہے، اس پر باپ کو بحیثیت ولی ہونے کے

---

[1] بیلی، ۴۳۵؛ زہرہ بی بی بنام عبدالرزاق سنہ ۱۹۱۰ع ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۸۹۱، ۸ انڈین کیسز ۶۱۸؛ سرکار بنام عائشہ بائی سنہ ۱۹۰۴ع ۶ بمبئی لا رپورٹ ۵۳۶۔

[2] الفت بی بی بنام بفاتی سنہ ۱۹۲۷ع ۴۹ الہ آباد ۷۷۳، ۱۱۰۲ انڈین کیسز ۱۰۳، سنہ ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۵۸۱۔

[3] سنہ ۱۹۱۸ع ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۴ — ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ الفت بی بی بنام بفاتی سنہ ۱۹۲۷ع ۴۹ الہ آباد ۷۷۳، ۱۱۰۲ انڈین کیسز ۱۰۳، سنہ ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۵۸۱؛ مسماۃ صدیق النسا بنام نظام الدین سنہ ۱۹۳۲ع ۵۴ الہ آباد ۱۲۸، ۱۳۷ انڈین کیسز ۲۱۹، سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۲۱۵۔

نگرانی کا حق ہے۔ اگر فی الحقیقت ایسا ہے تو حق حضانت میں وہ تمام حقوق شامل نہیں ہیں جو گارڈین اور وارڈز ایکٹ ۱۸۹۰ء سے نابالغ کی ذات کے ولی کو حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۰۷ "بعنوان باپ بحیثیت اپنے نابالغ بچوں کے ولی کے"۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون کی رو سے ماں کو اپنے لڑکوں کے متعلق دو سال، اور لڑکیوں کے متعلق سات سال کی تکمیل تک حق حضانت حاصل رہتا ہے۔ جب بچے مذکورۂ بالا عمروں کو پہنچ جاتے ہیں تو ان کی حفاظت باپ سے متعلق ہو جاتی ہے[1]۔ اگر بچوں کے ان عمروں تک پہنچنے سے پہلے ماں کا انتقال ہو جائے، تو باپ کو حق حفاظت حاصل ہو جائے گا[2]۔ ماں اور باپ دونوں کے انتقال کی صورت میں حق حفاظت دادا کو پہنچتا ہے۔ یہ امر صاف نہیں معلوم ہوتا کہ دادا کے نہ ہونے کی صورت میں وہ حق کون استعمال کرے گا: بیلی، جلد دوم، ص ۹۵۔

دفعہ ۲۵۷۔ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں رشتہ دار عورتوں کا حق (حضانت) — ماں کے نہ ہونے کی صورت میں سات سال سے کم عمر لڑکوں اور نابالغ لڑکیوں کی حضانت مفصلۂ ذیل رشتہ دار عورتوں کی سے بہ ترتیب مندرجۂ دفعۂ ہذا متعلق رہے گی:—

(۱) ماں کی ماں بسلسلۂ صعودی؛

(۲) باپ کی ماں " "

---

[1] لاڈلی بنام محمد ۱۸۸۶ء ۱۲ کلکتہ ۶۱۵۔

[2] سلیم النساء بنام سعادت ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۶۲، ۲۴ انڈین کیسز ۶۳۲۔

(۳) حقیقی بہن؛
(۴) اخیافی بہن؛
(۵) [علاتی بہن]؛
(۶) حقیقی بہن کی بیٹی؛
(۷) اخیافی بہن کی بیٹی؛
(۸) علاتی بہن کی بیٹی؛
(۹) خالہ (بہنوں کی ترتیب میں)؛
(۱۰) پھپھی (″ ″)؛

ہدایہ ۱۳۸؛ بیلی ۴۳۵ — ۴۳۶ - علاتی بہن نشان (۵) اور اس کی بیٹی نشان (۸) کا صراحت کے ساتھ نہ ہدایہ میں ذکر ہے اور نہ فتاویٰ عالمگیری میں؛ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فروگذاشت اتفاقی ہے کیونکہ پھپھی کا نام بصراحت لیا گیا ہے۔

دفعہ ۲۵۸ - عورتیں کب ناقابل حضانت ہو جاتی ہیں —
ماں اور ہر عورت کا جو بچوں کی حضانت کی مستحق ہو سکتی ہے، مفصلۂ ذیل حالتوں میں حق حضانت زائل ہو جاتا ہے:-

(۱) اگر وہ ایسے شخص سے نکاح کر لیتی ہے جو بچے کے محرموں [دفعات ۲۰۱ — ۲۰۲] میں داخل نہیں ہے، یعنی اجنبی ہے۔ لیکن اگر یہ نکاح موت یا طلاق سے فسخ ہو جائے تو حق حضانت عود کر آئے گا؛[1] یا

(۲) بحالت قیام نکاح وہ (بچوں کے) باپ کے مقام سکونت سے دور جا کر رہتی ہے؛ یا

(۳) بد اخلاقی کی زندگی بسر کرتی ہے مثلاً طوائف ہے؛[2] یا

---

[1] قصیحن بنام کاجو ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۵؛ پوچا بنام الٰہی بخش ۱۸۸۴ء ۱۱ کلکتہ ۵۷۴؛ انصار احمد بنام سمیع الدین ۱۹۲۸ء آل انڈیا او دھ ۲۲۰، ۱۰۶؛ انڈین کیسز ۸۲۲ -

[2] عباسی بنام ڈنی ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۹۸ -

(۴) بچوں کی حفاظت اور نگرانی بطریق معقول کرنے میں غفلت کرتی ہے۔

ہدایہ، ۱۳۸ - ۱۳۹ ؛ بیلی، ۴۳۵ ــــ ۴۳۶۔

ضمن (۱) کے قاعدے کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جو بچوں کا قریب رشتہ دار نہ ہو، تو ممکن ہے کہ بچوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ کیا جائے اگر ماں بچوں کے چچا، یا بچوں کی نانی، بچوں کے دادا کے ساتھ نکاح کرلے، تو یہ صورت دوسری ہے، کیونکہ یہ لوگ بمنزلہ بچوں کے باپ کے ہیں، اور ان سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے: ہدایہ، ۱۳۸۔

ارتداد۔ فتاوی عالمگیری میں ارتداد بھی بنیاد نا قابلیت قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جو عورت اسلام سے مرتد ہو جاتی ہے وہ قید میں رکھی جاتی ہے جب تک کہ وہ پھر اسلام نہ قبول کرے: بیلی، ۴۳۵۔ لیکن اب اس سے ہندوستان میں کام نہیں لیا جاسکتا؛ اور ارتداد وجہ نا قابلیت نہیں قرار پاسکتا: بیلی، ۴۳۵، فٹ نوٹ (۳)۔ نیز دیکھو ایکٹ نشان ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء، اور نوٹ متعلقہ بدفعہ ۲۰۸ گزشتہ۔

دفعہ ۲۵۹ - عورتوں کے نہ ہونے کی صورت میں مردوں کا حق (حفاظت) ــــ اگر ماں اور وہ رشتہ دار عورتیں جن کا ذکر دفعہ ۲۵۷ میں کیا گیا ہے موجود نہ ہوں، تو حقِ حفاظت بہ ترتیب مندرجہ دفعۂ ہذا مفصلۂ ذیل اشخاص کو حاصل ہوگا:۔

(۱) باپ؛

(۲) قریب تر دادا؛

(۳) حقیقی بھائی ؛
(۴) علاتی بھائی ؛
(۵) حقیقی بھائی کا بیٹا ؛
(۶) علاتی بھائی کا بیٹا ؛
(۷) حقیقی چچا ؛
(۸) علاتی چچا ؛
(۹) حقیقی چچا کا بیٹا ؛
(۱۰) علاتی چچا کا بیٹا ؛

لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کوئی مرد کسی بے بیاہی لڑکی کی حفاظت کا مستحق نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس لڑکی کے محرموں سے نہ ہو [دفعات ۲۰۱ - ۲۰۲]۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص بھی موجود نہ ہو، تو عدالت نابالغوں کی ذات کا ولی کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دے گی۔

ہدایہ، ۱۳۸ - ۱۳۹؛ بیلی، ۴۳۷۔

دفعہ ہذا میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک لڑکا چچا زاد بھائی کی حفاظت میں دیا جاسکتا ہے، مگر لڑکی اس کی حفاظت میں نہیں دی جاسکتی، کیونکہ وہ لڑکی کے محرموں میں نہیں ہے: بیلی، ۴۳۷۔

شوہر بطور ولی کے — ایکٹ گارڈین و وارڈز کی دفعہ [۱۹ ضمن (۱)] کی تحت عدالت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو نابالغ کی ذات کا ولی مقرر کرے جب کہ نابالغ منکوحہ لڑکی ہو، اور عدالت کی رائے میں اس کا شوہر ایسا ولی مقرر کئے جانے کے قابل ہو۔ اور اگر شرع اسلام کا یہ قاعدہ ہو کہ شوہر اپنی زوجہ کی ولایت کا تاوقتیکہ زوجہ بالغ نہ ہو جائے مستحق نہیں ہوتا، تو اس مفروضہ قاعدے کی بنا پر یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ شرع اسلام کے لحاظ سے شوہر

ولایت کے ناقابل ہے۔ اگر فی الحقیقت ایسا ہے تو عدالت گارڈین اور وارڈز ایکٹ دفعہ ۱۹ کے تحت یہ رائے قائم کر سکتی ہے، کہ دفعہ مذکور کے مفہوم میں ایک مسلمان شوہر اپنی زوجہ کی ذات کا (تاوقتیکہ زوجہ سن بلوغ کو نہ پہنچے) ولی قرار دیئے جانے کے ناقابل ہے، اور اس طرح بلا خلاف ورزی احکام دفعہ مذکور عدالت زوجہ کی ماں کو اس کا ولی اس وقت تک کے لئے مقرر کر سکتی ہے کہ زوجہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔[1]

دفعہ ۲۵۹ الف۔ نابالغ زوجہ کی حضانت —— جس لڑکی کا نکاح ہوگیا ہو مگر بالغ نہ ہوئی ہو، اس کی حضانت کی بمقابلہ شوہر کے لڑکی کی ماں مستحق ہے۔[2]

دیکھو ایکٹ گارڈین اور وارڈز ۱۸۹۰ء دفعہ ۱۹۔

(۲) سات سال سے زیادہ عمر کے لڑکوں اور بالغ لڑکیوں کی حضانت

دفعہ ۲۶۰۔ سات سال سے زیادہ عمر کے لڑکوں اور بالغ لڑکیوں کی حضانت کا حق باپ اور باپ کے رشتہ داروں کو —— جس لڑکے کی عمر سات سال سے زیادہ ہوگئی ہو، اور جو غیر منکوحہ لڑکی حد بلوغ کو پہنچ گئی ہو، اس کی حضانت کا حق باپ کو ہے، اگر باپ نہ ہو، تو حق حضانت ان پدری

[1] نور قادر بنام زلیخا بی ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۶۴۹؛ قربان بنام سرکار ۱۹۰۴ء ۳۲ کلکتہ ۴۴۴۔

[2] عیدو بنام امیرن ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۳۲۲۔

رشتہ داروں کو اسی ترتیب اور اسی شرط کے ساتھ پہنچتا ہے جو دفعہ ۲۵۹ بالا میں بتائی گئی ہے۔

ان لوگوں میں سے کوئی شخص موجود نہ ہو تو عدالت کسی دوسرے شخص کو نابالغ کا ولی مقرر کرنے کی مجاز ہے۔

ہدایہ، ۱۲۹؛ بیلی، ۴۳۸۔

باپ بحیثیت اپنے نابالغ بچوں کے ولی کے ——— گارڈین اور وارڈز ایکٹ کی دفعہ [(۲) ۱۹] کی رو سے عدالت مجاز نہیں ہے کہ ایسے نابالغ کی ذات کا کسی شخص کو ولی مقرر کرے جس کا باپ زندہ ہو اور جو اس کی رائے میں نابالغ کے ولی ہونے کے ناقابل نہ ہو[1]۔ شرع اسلام کی رو سے باپ اپنے ایسے بیٹے کا جس کی عمر سات سال سے زیادہ ہو گئی ہو اور بالغ بیٹی کا ولی مقرر کئے جانے کا مستحق ہے، لیکن شرع اسلام میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے کہ اس کام کے ناقابل ہونے کے باوجود بھی وہ ولی مقرر کئے جانے کا مستحق ہے، اس لئے اگر عدالت کی رائے میں باپ اس کام کے ناقابل ہے، تو وہ نابالغ کی ذات کے لئے اس کی ماں یا کسی دوسرے شخص کو ولی مقرر کرسکتی ہے۔ باپ کی ناقابلیت کی حالت میں عدالت اس امر پر مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے بعد کے مستحق شخص مثلاً دادا کو نابالغ کی ذات کا ولی مقرر کرے، کیونکہ باپ کی موجودگی میں دادا کو کوئی قانونی حق نہیں ہوتا۔ ایسی صورتوں میں سب سے زیادہ جو امر

---

[1] بیسنٹ بنام نارائنہ ۱۹۱۴ء انڈین اپیلز ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۸ مدراس ۸۰۷، ۸۲۲، ۲۴ انڈین کیسز ۲۹۰۔

قابل لحاظ ہے وہ نابالغ کی فلاح اور بہبود ہے۔ باپ دوسرا نکاح کر لینے سے بچے کی ولایت کے ناقابل نہیں ہو جاتا[1]۔

وصیتی ولیٔ ذات — بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باپ اس کا مجاز ہے کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت اس شخص کے سپرد کرے جسے وہ وصیت نامہ کے ذریعے سے اپنا وصی مقرر کر جائے۔

(۳) ولدالحرام بچوں کی ولایت۔

دفعہ ۲۶۱۔ ولدالحرام بچوں کی ولایت — ولدالحرام بچوں کی ولایت کا حق ان کی ماں اور ماں کے رشتہ داروں کو پہنچتا ہے [میکناٹن ۲۹۸]۔

ج۔ نابالغوں کی جائداد کے اولیا

دفعہ ۲۶۲۔ جائداد کے قانونی اولیاء — نابالغوں کی جائداد کے اولیا ہونے کے حسب ذیل اشخاص بہ ترتیب مندرجہ مستحق ہیں[2]:

(۱) باپ؛

(۲) مہتمم ترکہ جسے باپ نے ذریعۂ وصیت نامہ مقرر کیا ہو؛

---

[1] صدیق النساء بنام نظام الدین ۱۹۳۲ء ۵۴ الہ آباد ۱۲۸، ۱۳۷، انڈین کیسز ۲۱۹، ۳۲، سنہ آل انڈیا الہ آباد ۲۱۵۔

[2] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۳ — ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۰۲ — ۹۰۳، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

(۳) دادا ؛

(۴) مہتمم ترکہ جسے دادا نے ذریعۂ وصیت نامہ مقرر کیا ہو ؛
تبیلی ، ۶۸۹ ؛ میکناٹن ، ۴، ۳۰ ۔

ماں ، بھائی ، چچا وغیرہ قانونی ولی نہیں ہیں ———
جو چار ولی اس دفعہ میں بیان ہوئے ہیں وہ آئندہ "قانونی اولیا" کے نام موسوم کئے جائیں گے ۔ نابالغوں کی جائداد کے جو رشتہ دار قانونی ولی ہو سکتے ہیں وہ صرف (۱) باپ اور (۲) دادا ہیں ۔ کوئی اور رشتہ دار بطور حق کے نابالغوں کی جائداد کی ولایت کا دعویدار نہیں ہو سکتا ، حتیٰ کہ ماں ، بھائی ، اور چچا بھی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتے ۔ البتہ نابالغ کا باپ یا دادا ، نابالغ کی ماں بھائی یا چچا کو بطور مہتمم ترکہ مقرر کر سکتا ہے ؛ اس صورت میں وہ لوگ قانونی ولی ہو جاتے ہیں اور قانونی اولیا وہ تمام اختیارات کام میں لا سکتے ہیں جو دفعات ۲۶۴ اور ۲۶۷ الف میں بیان ہوئے ہیں ۔ دیکھو نوٹ نشان متعلق بدفعہ ۲۶۵ آیندہ ۔

ذریعۂ وصیت نامہ نابالغ کی جائداد کے ولی مقرر کرنے کا حق صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے ۔ ماں کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ وصیت نامہ کے ذریعے سے نابالغوں کی جائداد کا کسی شخص کو ولی مقرر کرے ۔ ماں یا بھائی یا چچا کا مہتمم ترکہ قانونی ولی نہیں ہو سکتا ۔ باپ یا دادا کے مہتمم ترکہ کے سوائے ، کوئی دوسرا مہتمم ترکہ نابالغ کی جائداد کا قانونی ولی نہیں ہو سکتا ؛ میکناٹن ، ۴، ۳۰ ۔ قانونی اولیا کے اختیارات کے متعلق دیکھو دفعات ۲۶۳ ، ۲۶۷ ۔

وصیتی اولیاء جائداد ——— جس شخص کو نابالغ کا باپ یا دادا بذریعۂ وصیت نامہ مہتمم ترکہ مقرر کرے وہ بحیثیت

اپنی خدمت کے نابالغ کی جائداد کا قانونی ولی ہوجاتا ہے۔
مگر کیا یہ ممکن ہے کہ نابالغ کا باپ یا دادا ایک شخص کو اپنی
جائداد کا مہتمم ترکہ اور دوسرے شخص کو نابالغ کی جائداد
کا ولی مقرر کرے ؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس
کا مجاز ہے[1] : بیلی ۶۸۲ ۔

دفعہ ۲۶۲ الف ۔ عدالت کا مقرر کردہ ولی جائداد ـــــ اگر قانونی اولیاء مذکورۂ دفعہ ۲۶۲ موجود نہ ہوں، تو نابالغ کی جائداد کی حفاظت اور قیام کے لئے کسی ولی کے مقرر کرنے کا فرض عدالت کے جج پر بحیثیت شاہی نمائندے کے عاید ہوتا ہے[2]۔

بیلی ۶۸۹ ۔

عدالت سے ولی کا تقرر ـــــ اگر کوئی قانونی ولی (دفعہ ۲۶۲) موجود نہ ہو تو عدالت نابالغ کی جائداد کا ولی کسی دوسرے شخص کو مقرر کرسکتی ہے ۔ اس تقرر میں عدالت پر لازم ہوگا کہ بلحاظ صورت حال نابالغ کی فلاح اور بہبود کو پیش نظر رکھے [دفعہ ۲۵۵ (۱) و (۲)] ۔ اس لحاظ سے عدالت نابالغ کی ماں کو بمقابلہ اس کے ماموں کے جائداد کا ولی مقرر کرسکتی ہے[3]۔ ماں کا پردہ نشین ہونا اس کے تقرر کا مانع نہیں ہوسکتا[4]۔

---

[1] ماتادین بنام احمد علی سنہ ۱۹۱۲ ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۵۵، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶ ۔

[2] امام باندی بنام منصدی سنہ ۱۹۱۸ ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۴، ۸۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۳، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳ ۔

[3] علیم اللہ بنام آبادی سنہ ۱۹۰۶ ۲۹ الہ آباد ۱۰ ۔

[4] جیونتی بنام گجدھر سنہ ۱۹۱۱ ۳۸ کلکتہ ۸۳، ۸۵، ۱۰، انڈین کیسز ۳۲۴ ۔

عدالت پر لازم نہیں کہ وہ جائداد کا ولی مقرر کرنے میں ددھیالی رشتہ داروں کو ننھیالی رشتہ داروں پر ترجیح دے۔ اگر نابالغ کی فلاح اور بہبود اس کی مقتضی ہو تو وہ ننھیالی رشتہ دار کو بھی مقرر کر سکتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں ایک مقدمے میں واقع ہوئیں جس میں نابالغ کے باپ کی پہلی بیوی کا بھائی بمقابلہ علاتی چچا کے جائداد کا ولی مقرر کیا گیا[1]۔

دفعہ ۲۶۲ ب۔ واقعی ولی — ممکن ہے کہ ایک شخص نہ قانونی ولی ہو (دفعہ ۲۶۲) اور نہ اسے عدالت نے مقرر کیا ہو (دفعہ ۲۶۲ الف)، مگر اس نے بطور خود نابالغ کی ذات اور جائداد کی حفاظت اپنے ذمے لے لی ہو۔ ایسا شخص "ولئ واقعی" کہلاتا ہے۔ ولئ واقعی نابالغ کی ذات اور جائداد کا صرف محافظ ہوتا ہے[2]۔

"واقعی ولی" (de facto guardian) کی اصطلاح بمقابلہ "ولی بالحق" (de jure guardian) کے مستعمل ہوتی ہے۔ قانونی ولی (دفعہ ۲۶۲) اور ولی مقرر کردۂ عدالت (دفعہ ۲۶۲ الف) "ولی بالحق" ہیں۔ ماں، بھائی، چچا، اور دوسرے رشتہ دار، بہ استثنائے باپ اور دادا کے "واقعی ولی" ہیں، بشرطیکہ انھیں باپ یا دادا نے ذریعۂ وصیت نامہ مہتمم ترکہ (دفعہ ۲۶۲) یا عدالت نے ولی (دفعہ ۲۶۲ الف) نہ مقرر کیا ہو۔

---

[1] محمد سعید بنام اسمٰعیل سنہ ۳۱ آل انڈیا رنگون ۶۶، ۱۳۱ انڈین کیسز ۴۹۶۔

[2] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۴۸، ۹۵۸؛ ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ محمد اعجاز بنام محمد افتخار سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۹۲، ۷۰۱، لکھنؤ ۱۳۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۹۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۷۸۔

دفعہ ۲۶۳ - قانونی ولی کا جائداد غیر منقولہ کو منتقل کرنا

نابالغ کی جائداد کا قانونی ولی [دفعہ ۲۶۲] اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو فروخت کر دے، الّا مفصلۂ ذیل صورتوں میں:-

(۱) جب کہ اس کی المضاعف قیمت ملتی ہو؛

(۲) جب کہ نابالغ کی کوئی اور جائداد نہ ہو اور اس کی بسر بود کے لئے فروخت کی ضرورت ہو؛

(۳) جب کہ متوفی کے ذمّے قرض ہو اور اس کی ادائی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو؛

(۴) جب کہ وصیتی ہبہ کی رقمیں ادا کرنی ہوں، اور ان کی ادائی کی کوئی اور سبیل نہ ہو سکتی ہو؛

(۵) جب کہ جائداد کے مصارف اس کی آمدنی سے بڑھ جاتے ہوں؛

(۶) جب کہ جائداد خراب ہوی جاتی ہو؛

(۷) جب کہ جائداد غصب کر لی گئی ہو اور ولی کو یہ اندیشہ ہو کہ اب بظاہر اس کی واپسی کی کوئی معقول امید نہیں ہے[1]۔

بیلی، ۶۸۷ — ۶۸۸؛ میگناٹن، صفحہ ۶۴، دفعہ ۱۴، صفحات ۳۰۵ - ۳۰۶۔

جب نابالغ کا حق متنازع فیہ ہو — جس انتقال کی ممانعت دفعہ ہذا میں کی گئی ہے وہ اس جائداد غیر منقولہ سے متعلق ہے جس کا غیر متنازعہ حق نابالغ کو حاصل ہے

---

[1] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۹۱؛ ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ حور بائی بنام ہیراجی ۱۸۹۶ء ۲۰ بمبئی ۱۱۶، ۱۲۱؛ کالی دت بنام عبدالعلی ۱۸۸۸ء ۱۶ کلکتہ ۶۲۷، ۱۶ انڈین اپیلز ۹۶؛ تھوٹولی بنام کنا حامد ۱۹۱۰ء ۳۴ مدراس ۲۷، ۵، ۱۸ انڈین کیسز ۱۰۹۳۔

جہاں نابالغ کا حق متنازعہ فیہ ہوگا وہاں یہ ممانعت متعلق نہ ہوگی۔ ایک نابالغ کے باپ نے اس جائداد غیر منقولہ کا ایک جزو فروخت کر دیا تھا جو نابالغ کو اس کی ماں کی طرف سے ملی تھی اور جس کا حق متنازعہ فیہ تھا، یہ فروخت ایک باہمی سمجھوتے کی بناپر عمل میں آئی تھی جس نے مقدمۂ متدائرہ کو ختم کر دیا تھا، اس فروخت کو عدالت نے نابالغ کے لئے قابل پابندی قرار دیا، کیونکہ یہ عمل نابالغ کی فلاح اور بہبود کے لئے تھا۔[1] ولی کو جائداد منقولہ کے علیحدہ کر دینے کے متعلق جو اختیارات ہیں ان کے لئے دیکھو دفعہ ۲۶۷ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۲۶۴۔ عدالت کے مقرر کردہ ولی کا جائداد غیر منقولہ منتقل کرنا —— جو شخص ایک گارڈین اور وارڈز ۱۸۹۰ء [دفعہ ۲۶۲ الف] کی رو سے نابالغ کی جائداد کا عدالت کی طرف سے ولی مقرر کیا جائے وہ بغیر اس کے کہ پہلے عدالت سے منظوری حاصل کرے نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کے کسی جز کو رہن یا زیربار مواخذہ یا بذریعۂ فروخت، ہبہ، تبادلہ یا کسی دوسرے طریقے پر منتقل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اور نہ اس جائداد کے کسی جز کو پانچ سال سے زیادہ یا ایسی مدت کے لئے جو نابالغ کے سن بلوغ کے پہنچنے کے بعد ایک سال سے زیادہ مدت تک قائم رہے اجارے پر دے سکتا ہے۔ اگر ولی کوئی جائداد غیر منقولہ ان احکام کی خلاف ورزی کر کے منتقل کر دے گا تو وہ انتقال نابالغ یا کسی دوسرے[2] ایسے شخص کی تحریک پر جس پر اس کا اثر پڑتا ہو قابل ابطال قرار پائے گا۔

افعال مذکورۂ بالا میں سے کسی فعل کی اجازت عدالت سے ولی کو

---

[1] کالی دت بنام عبد العلی ۱۸۸۸ء ۱۶ کلکتہ ۶۲۷، ۱۶ انڈین اپیلز ۹۶۔

[2] سلیمہ بی بی بنام حافظ محمد ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۶۸۰، ۱۰۴ انڈین کیسز ۸۳۳، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۸۳۶۔

نہ دی جانی چاہیئے بجز اس کے کہ اس کی ضرورت پیش آئے یا اس میں نابالغ کا صریح فائدہ ہوتا ہو [گارڈین اور وارڈز ایکٹ ۱۸۹۰ء کی دفعات ۲۹، ۳۰، ۳۱] ۔

عدالت کے مقرر کردہ ولی کا کسی معاملے کو سپرد ثالثی کرنا۔

الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک تجویز میں ضمنی طور سے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ عدالت کا مقررہ کردہ ولی بغیر عدالت کی منظوری کے ایسی نزاعات کو جو نابالغ کے باپ کی جائداد غیر منقولہ کی تقسیم کے متعلق ہوں سپرد ثالثی کر سکتا ہے، مگر ایکٹ مذکورۂ بالا کی دفعہ ۳۳ کی رو سے بغیر عدالت کی "رائے، مشورہ یا ہدایت" کے ایسی سپردگی بے ضابطہ ہے ۔ مگر تجویز میں کہیں اس کا اشارہ نہیں ہے کہ اس بے ضابطگی کا نتیجہ کیا ہوگا[1]۔

عدالت کے مقرر کردہ ولی کو جائداد منقولہ کے علیحدہ کرنے کے اختیار کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۶۷ الف جو آگے آتی ہے ۔

دفعہ ۲۶۵ ۔ ولیٔ واقعی کا جائداد غیر منقولہ کو منتقل کرنا ۔۔۔ واقعی ولی [دفعہ ۲۶۲ ب] کو اختیار نہیں ہے کہ وہ نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کا کوئی حق یا حقیت منتقل کرے ۔ ایسا انتقال نہ صرف قابلِ ابطال بلکہ باطل (کالعدم) ہے[2] ۔

---

[1] سعید النسا بنام رقیہ بی بی سنہ ۱۹۳۱ء ۵۳ الہ آباد ۴۴۸؛ ۱۳۰ انڈین کیسز ۲۰۱، سنہ ۳۱ آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷ ۔

[2] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ ماتادین بنام احمد علی سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶؛ خوشیا بنام فیض سنہ ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۳۳، ۱۰۳ انڈین کیسز ۳۶۵، سنہ ۲۸ آل انڈیا لاہور ۱۱۵ [ماں کی منتقل کردہ جائداد کی تنسیخ کے مقدمے سے ایکٹ میعاد سماعت سنہ ۱۹۰۸ء متعلق ہوگا]؛ نیز ملاحظہ ہو مقدمہ مولوی ابو محمد بنام عبدالکریم سنہ ۱۸۸۵ء ۱۵ انڈین اپیلز ۲۰ [فروخت ماں کی طرف سے۔ مدت کا گزرنا ۔۔۔ خاموشی] ۔

۱۔ ماں، بھائی، چچا وغیرہ واقعی ولی ہیں ـــــ ماں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، اپنی نابالغ اولاد کی جائداد کی قانونی ولی نہیں ہے (دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۲۶۲)۔ وہ صرف ولیٔ واقعی ہے، یعنی محض اس کی جائداد کی محافظ۔ وہ اس کی جائداد غیر منقولہ کو فروخت، رہن نہیں کر سکتی اور نہ کسی دوسری کارروائی کی مجاز ہے جیسا کہ جوڈیشل پریوی کونسل نے مقدمۂ امام باندی بنام متصدی[۱] میں لکھا ہے، جو اس بارے میں مشہور مقدمہ ہے؛ وہ لکھتے ہیں کہ "ماں کو اپنی اولاد کی جائداد پر اس سے زیادہ کوئی حق نہیں ہے جو ایک ایسے بیرونی یا غیر رشتہ دار شخص کو ہوتا ہے جو فی الوقت بچے کا محافظ ہو جائے۔" جو فروخت یا رہن یا انتقال ماں کرے، وہ باطل (کالعدم)[۲] ہے۔ یہی حالت بھائی، چچا اور دوسرے رشتہ داروں کی ہے: نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کا بھائی[۳]، چچا[۴] یا کسی دوسرے رشتہ دار کا منتقل کر دینا بالکل باطل ہے۔ اگر منتقل الیہ کا جائداد پر قبضہ کرا دیا گیا ہے، تو جہاں تک کہ نابالغ کے حصے کا تعلق ہے، اس کا قبضہ مداخلت بیجا کنندہ کا قبضہ متصور ہوگا[۵]۔

۱؎ سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۱۰۳، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۴، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

۲؎ امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ محمد شفیع بنام مسماۃ کلثوم بی بی سنہ ۱۹۲۳ء ۴ لاہور ۴۶۷، ۷۹ انڈین کیسز ۲۶۰، سنہ ۲۴ انڈین اپیلز ۲۰۰۔

۳؎ آتا دین بنام احمد علی بحوالۂ سابق، فتح دین بنام گرمکھ سنگھ سنہ ۱۹۲۹ء ۱۰ لاہور ۳۸۵، ۱۲۱ انڈین کیسز ۲۲۷، سنہ ۲۹ آل انڈیا لاہور ۸۱۰۔

۴؎ نظام الدین بنام آنندی سنہ ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۷۳۔

۵؎ امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۹۲-۹۳، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۰۳-۹۰۴، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

دوسرا سوال قابل غور یہ ہے کہ آیا وہ بیع یا رہن جو ولیٔ واقعی نابالغ کے باپ یا کسی دوسرے مورث کے انفکاک رہن یا ادائے قرضہ کے لیئے کرے، اس کا پابند نابالغ ہوگا یا نہیں۔ ماتا دین بنام احمد علی[1] میں، ایک مسلمان اپنی غیر منقولہ جائداد رہن کرنے کے بعد مرگیا۔ جو وصیت نامہ اس نے لکھا اس میں جائداد چار پوتوں کو مساوی حصوں میں اپنے دیون کی مساوی ذمہ داری کے ساتھ دی گئی تھی، ان پوتوں میں سے ایک پوتا نابالغ تھا، تین بالغ پوتوں نے مورث کے مرنے کے بعد کل جائداد بشمول حصۂ نابالغ رقم رہن اور دوسرے قرضوں کی ادائی کے لئے فروخت کردی۔ پراوی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ بیع متوفی کے قرض کی ادائی کے لیئے کی گئی تھی مگر نابالغ اس کا پابند نہیں ہے، اور وہ جائداد مرہونہ کی ایک چوتھائی کے انفکاک کا مستحق ہے۔ لاہور کے ایک مقدمہ[2] میں ایک مسلمان نے اپنی غیر منقولہ جائداد زید کے پاس رہن کی اور اس کے بعد ایک بیوہ اور نابالغ بچے چھوڑکر مرگیا۔ بیوہ نے تین ہزار روپے عمر سے قرض لئے، جس میں سے دو ہزار پانچسو روپے اس نے زید کو اس کے زر رہن کی بابت ادا کئے اور وہی جائداد عمر کے پاس رہن کردی پانچسو روپے جو باقی رہ گئے وہ اس نے بچوں کے کفاف میں صرف کئے۔ رہن ۲۰ سال کے لئے تھا، اور عمر کو جائداد پر قبضہ دلا دیا گیا تھا۔ عمر نے جائداد کی درستی میں چار سو روپے

---

[1] سنہ ۱۹۱۳، ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۰۶۔
[2] رنگ الٰہی بنام محبوب الٰہی سنہ ۱۹۲۶، لاہور ۳۵، ۹۴ انڈین کیسز ۲۵، سنہ ۲۶ آل انڈیا لاہور ۱۷۰۔

صرف کئے تھے۔ اس کے بعد بچوں نے بمقابلہ
عمر کے اپنے حصوں کی واپسی کا دعویٰ کیا۔ عدالت نے یہ
فیصلہ کیا کہ بچوں کے حصوں کا رہن باطل تھا، اور رہن کو
اس شرط کے ساتھ فسوخ کر دیا کہ بچے وہ رقوم ادا کریں
جن سے وہ منتفع ہوئے تھے، یعنی ۳۴۰۰ = ۴۰۰ ۵۰۰
+ ۲۵۰۰ = یہ فیصلہ غالباً حد سے متجاوز ہے اور ممکن ہے
کہ اس پر دوبارہ غور کیا جائے۔

۲۔ واقعی ولی کی منتقل کردہ جائداد کے فسخ کے
مقدمات کی میعاد ـــ ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء
مد ۴۴ ضمیمہ ا سے تین سال کی مدت مقرر ہے، جس میں
نابالغ بعد بلوغ کے ولی کی منتقل کردہ جائداد کے فسخ کا
دعویٰ دایر کرسکتا ہے۔ یہ میعاد نابالغ کے بالغ ہونے کی
تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اس مد کا تعلق قانونی
اولیا سے ہے نہ کہ واقعی یا بے قاعدہ اولیا سے۔

واقعی ولی کے انتقالات سے جو مد متعلق ہوتی ہے
وہ ۱۴۴ ہے جسے ایکٹ مذکور کی دفعہ ۸ کے ساتھ ملا کر
پڑھنا چاہئے۔ مد ۱۴۴ جائداد غیر منقولہ کے متعلق ہے،
اور اس میں بارہ سال کی مدت دی گئی ہے، اس
وقت سے جب کہ مدعی علیہ کا قبضہ مدعی کے مقابلے میں
مخالفانہ ہو جاتا ہے۔[۱]

۳۔ واقعی ولی کے معاملے کو سپرد ثالثی کرنا ـــ مقدمۂ
امام باندی بنام متصدی کا اصول اقرار دادۂ پریوی کونسل
جس کا ذکر نوٹ نشان ا میں ہو چکا ہے، واقعی ولی کے

[۱] مانا دین بنام احمد علی ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶۔

معاملے کو سپرد ثالثی کرنے سے بھی متعلق کیا گیا ہے۔ ایسے ولی کو اختیار نہیں کہ وہ نابالغ کے باپ کی جائداد غیر منقولہ کی تقسیم کی نزاع کو سپرد ثالثی کرے، اور نہ نابالغ اس فیصلے کا پابند ہے جو اس طرح سپرد کیئے جانے پر صادر ہوا ہو۔ واقعی ولی کا بعدہ ایکٹ گارڈین ووارڈز ۱۸۹۰ء کی دفعہ ۱۰ کے تحت ولی مقرر ہو جانا بھی فیصلۂ ثالثی کا نابالغ کو پابند نہیں کرتا، اگر کوئی ایسی شہادت موجود نہ ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ عدالت نے اس سپردگی کو پسند کیا تھا[1]۔

۴۔ کاروبار میں شراکت کا جاری رکھنا ——— اس اصول کے اتباع میں جو پراوی کونسل سے مقدمۂ امام باندی بنام متصدی میں طے ہوا، اور جس کا ذکر نوٹ امندرجۂ بالا میں ہو چکا ہے، یہ قرار پایا کہ جس صورت میں نابالغ کا باپ ایک کمپنی کا شریک تھا جو دھان کی گرنی کی مالک تھی اور دھان کوٹنے اور صاف کرنے کا کاروبار کرتی تھی، ماں کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ نابالغ کی طرف سے باقیماندہ شرکا کے ساتھ شراکتی کاروبار جاری رکھنے کی قرارداد کرتی۔ ایسی قرارداد کالعدم ہے[2]۔

واقعی ولی کو جو اختیارات نابالغ کی جائداد منقولہ کے متعلق حاصل ہوتے ہیں، ان کے لئے دیکھو دفعہ ۲۶۸ جو آگے آتی ہے۔

[1] محمد اعجاز بنام محمد افتخار ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۹۲، لکھنو ۱، ۳۶ انڈین کیسز ۹۷، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پراوی کونسل ۸، مسیح الدین بنام کے احمد ۱۹۲۰ء ۴۷ کلکتہ ۷۱۳، ۵۷ انڈین کیسز ۹۴۵۔

[2] مکورا سانی بنام اچا ۱۹۲۶ء ۴ رنگون ۱۹۰، ۱۱۰ انڈین کیسز ۳۴۹، ۱۹۲۸ء آل انڈیا رنگون ۱۶۰۔

دفعہ ۲۶۶۔ ولی کی قرارداد نابالغ کے لئے جائداد غیر منقولہ خریدنے کی ——— نہ نابالغ کا ولی اور نہ اس کی جائداد کا منتظم اس کا مجاز ہے کہ وہ کسی جائداد غیر منقولہ کی خرید کی قرارداد کرکے نابالغ یا اس کی جائداد کو اس قرارداد کا پابند کرے۔ ایسی قرارداد کالعدم ہے[1]۔

[زید، عمر نابالغ کی جائداد کا منتظم ہے، وہ عمر کے لئے بکر سے جائداد غیر منقولہ خریدنے کی قرارداد کرتا ہے۔ یہ قرارداد کالعدم ہے، اس کی بنا پر تعمیل مختص کا نہ عمر دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ بکر۔]

دفعہ ۲۶۷۔ قانونی ولی کا اختیار جائداد منقولہ کو علیحدہ کر دینے کا ——— نابالغ کی جائداد کے قانونی ولی [دفعہ ۲۶۲] کو اختیار ہے کہ وہ نابالغ کی قطعی ضرورتوں مثلاً اس کے کھانے پینے، کپڑوں اور پرورش کے لئے[2] اس کی غیر منقولہ جائداد فروخت یا رہن کر دے۔

دفعہ ۲۶۷ الف۔ ولی مقرر کردہ عدالت کا اختیار جائداد منقولہ کی علیحدگی کا ——— نابالغ کی جائداد کا جو ولی عدالت سے مقرر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ نابالغ کی جائداد منقولہ کے ساتھ وہ عمل کرے جو ایک معمولی فہم کا آدمی اپنی ذاتی جائداد کے ساتھ کرتا [گارڈین اور وارڈز کے ایکٹ ۱۸۹۰ء دفعہ ۲۷]۔

دفعہ ۲۶۸۔ واقعی ولی کا اختیار جائداد منقولہ کو علیحدہ کر دینے کا ——— واقعی ولی [دفعہ ۲۶۲ ب] کو نابالغ کی جائداد منقولہ فروخت یا رہن کر دینے کا وہی اختیار حاصل ہے جو نابالغ کے قانونی ولی کو ہوتا ہے[3]۔

---

[1] میر سرور جان بنام فخر الدین سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۱، ۳۹ کلکتہ ۲۳۲، ۱۳ انڈین کیسز ۳۳۱۔

[2] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۶ ——— ۸۷، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۵، ۸۹۶، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[3] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۶ ـ ۸۷، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۵ ـ ۸۹۶، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

فصلِ نوزدہم

رشتہ داروں کا نفقہ

دفعہ ۲۶۸ الف۔ نفقے کی تعریف ۔۔۔ یہ فصل "نفقہ" خوراک، لباس، اور رہنے کے مکان پر حاوی ہے۔

بیلی، ۴۴۱۔

دفعہ ۲۶۹۔ اولاد اور اولاد کی اولاد کا نفقہ ۔۔۔ (۱) باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو بالغ ہونے، اور بیٹیوں کو نکاح ہونے تک نفقہ دے۔ جوان بیٹوں کو نفقہ دینا اس کے فرائض میں داخل نہیں ہے بجز اس حالت کے کہ وہ کسی نقص یا بیماری کی وجہ سے ناقابلِ کار ہوں۔ بچوں کے بچپن میں ماں کی حضانت [دفعہ ۲۵۶] میں رہنے سے ان کے نفقے کا وجوب باپ کے ذمے سے ساقط نہیں ہو جاتا ہے[1] مگر باپ پر ایسی اولاد کا نفقہ

---

[1] سرکار بنام عائشہ بائی ۱۹۰۴ء، ۶ بمبئی لاء رپورٹ ۵۳۶؛ محمد جوسب بنام حاجی آدم ۱۹۱۳ء، ۳۷ بمبئی ۷۱، ۱۵ انڈین کیسز ۵۲۰ [کچھی میمنوں کا مقدمہ]۔

واجب نہیں ہے جس کی پرورش خود اس کی جائداد سے ہو سکتی ہو۔

(۲) اگر باپ مفلس اور کمائی کے ناقابل ہو، تو ماں، بشرطیکہ اس کی مالی حالت اچھی ہو، باپ کی طرح اولاد کے نفقے کی ذمہ دار ہے۔

(۳) اگر باپ مفلس اور ضعیف ہو اور ماں بھی مفلس ہو، تو اولاد کے نفقے کا ذمہ دار ان کا دادا ہو گا بشرطیکہ اس کی مالی حالت اچھی ہو۔

ہدایہ، ۱۴۸؛ بیلی، ۴۵۹ - ۴۶۲ - بیٹی نکاح کے بعد شوہر کے خاندان میں شمار ہوتی ہے، اور اس کے نفقے کی ذمہ داری اس کے اصلی خاندان کے ارکان سے ساقط ہو جاتی ہے، اگرچہ اسے طلاق بھی دیدی گئی ہو۔[1]

نفقے کا حق: اور وہ کب تک قائم رہتا ہے —— ہندوستان کے ایکٹ بلوغ ۱۸۷۵ء کا اثر جہاں تک کہ اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے، یہ ہے کہ اس سے نابالغی کا زمانہ بڑھ گیا ہے اور وہ اٹھارہ سال کی تکمیل کے بعد ختم ہوتا ہے، بہ استثنائے نکاح، مہر اور طلاق کے معاملات کے۔ ان معاملات میں ایک مسلمان شرع اسلام کے مطابق بالغ ہو جانے پر کارروائی کرنے کا مجاز ہے۔ شخص مذکور اس عمر کو اس وقت پہنچتا ہے جب کہ وہ بالغ یعنی پندرہ سال کا ہو جاتا ہے۔ سر رولینڈ ولسن کا یہ خیال ہے کہ نفقہ مستثنیٰ مضامین میں نہیں ہے، اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ نفقے کے لئے بھی نابالغی کے زمانے میں وسعت ہو گئی ہے اور نفقے کے لئے نابالغی کا زمانہ اٹھارہ سال تک قرار پایا ہے [اینگلو محمدن لا دفعات ۱۴۰، ۱۴۲]۔ اس رائے کی نسبت یہ عرض کیا جاتا ہے،

[1] بکریچی بنام کنھا چا ۱۹۱۳ء ۳۶ مدراس ۳۸۵، ۱۳ انڈین کیسز ۲۳۶۔

کہ وہ صحیح نہیں ہے۔ ہندوستان کے ایکٹ
بلوغ کا اثر یہ ہے کہ اس نے بجز ان تین معاملات کے جن
کا ذکر اوپر ہو چکا بقیہ معاملات مثلاً معاہدات، وصایا، ہبہ اور
اوقاف وغیرہ میں ناقابلیت کی مدّت کو بڑھا دیا ہے۔
مگر حقوق اور اس کے بالمقابل وجوب کے قایم رہنے کی
مدت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، اس لئے ایک مسلمان
کے بیٹوں کو بالغ ہو جانے کے بعد نفقہ پانے کا کوئی حق باقی
نہیں رہتا، اور نہ اس عمر پر پہنچنے کے بعد والدین پر ان
کا نفقہ واجب رہتا ہے، بجز اس صورت کے کہ وہ کسی
نقص یا بیماری سے ناقابل کار ہوں۔

دفعہ ۲۷۰۔ والدین کا نفقہ ——— (۱) اس اولاد پر جس کی مالی
حالت اچھی ہو مفلس والدین کا نفقہ واجب ہے، اگرچہ والدین خود اپنے لئے
کچھ کما بھی سکتے ہوں۔

(۲) بیٹا، مالی حالت نہ اچھی ہونے پر بھی اپنی مفلس ماں کے نفقہ کا ذمہ دار
ہے اگرچہ ماں ناقابل کار نہ ہو۔

(۳) بیٹا جو کچھ کماتا ہو اگرچہ مفلس ہو، اپنے مفلس باپ کے نفقے کا جو کچھ
نہیں کماتا ذمہ دار ہے۔

ہدایہ، ۱۴۸؛ بیلی ۴۶۵، ۴۶۶۔

دفعہ ۲۷۰ الف۔ اجداد کا نفقہ ——— ہر شخص پر اپنے دادا،
دادی، نانا اور نانی کا نفقہ اسی طرح واجب ہے جس طرح اپنے مفلس باپ
کا نفقہ، بشرطیکہ وہ لوگ مفلس ہوں۔ اگر وہ مفلس نہیں ہیں تو کوئی وجوب عاید
نہیں ہوتا۔

بیلی، ۴۶۶۔

دفعہ ۲۷۱۔ دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ ——— ان لوگوں
پر، جو خود مفلس نہیں ہیں، اپنے مفلس محرم رشتہ داروں کا نفقہ اسی تناسب

سے واجب ہے جس تناسب سے وہ ان کی موت پر ترکہ پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں

بیلی ۴۶۷ -

دفعہ ۲۷۲- باپ پر اپنی اولاد کے نفقے کا قانونی وجوب —

اگر ایک مقدرت والا باپ اپنی ایسی صحیح النسب یا غیر صحیح النسب اولاد کو جو خود کما کر بسر اوقات نہیں کر سکتی نفقہ دینے میں غفلت یا انکار کرے، تو وہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کے احکام کے مطابق ان کے نفقے کے لئے ایک ایسی ماہانہ رقم دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے جو ایک سو روپے سے زیادہ نہ ہو۔

دیکھو ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۴۸۸ جس میں ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ نشان ۱۸ ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۲۱ سے ترمیم ہوئی ہے۔ اگر اولاد صحیح النسب نہیں ہے تو ماں کا اس اولاد کو باپ کے حوالے کرنے سے انکار کی بنا پر باپ حکم نفقہ کی تعمیل سے انکار کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

دیکھو دفعہ ۲۶۱ گزشتہ۔

دفعہ ۲۷۳- بیبیوں کا نفقہ — دیکھو دفعات ۲۱۲ تا ۲۱۵ گزشتہ۔

تمت

ل کاری یا دھن بنام کیات بیرن ۱۸۹۵ء ۱۹ مدراس ۴۶۱ -

اشاریہ

اصول شرع اسلام

فصل اوّل

فصل دوم

فصل سوم

فصل چہارم

فصل پنجم

فصل ششم

فصل ہفتم

وارثوں کی تین قسمیں

ذوی الفروض

تمثیلات

باپ زوج اور زوجہ۔

ماں۔

جدِ صحیح و جدّۂ صحیحہ۔

بیٹیاں اور بیٹے کی بیٹیاں خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہوں۔

بہنیں

تمثیلات

عصبات

تمثیلات

نشان ۱۔ بیٹے اور بیٹیاں

نشان ۲۔ پوتے اور پوتیاں خواہ درجے میں کتنے ہی نیچے کیوں نہ ہوں۔

نشان ۳۔ باپ۔

نشان ۴۔ جدِ صحیح خواہ کتنے ہی اوپر درجے کا ہو۔

نشان ۵ و ۷ - بھائی اور بہنیں -
نشان ۶ - حقیقی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ -
نشان ۸ - علّاتی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ خواہ کسی درجے کی ہوں

دوسرے عصبات　　　　صفحہ ۹۵

عصبات کی تقسیم -
وہ عصبات جو دراصل ذوی الفروض ہیں -
اناث عصبات -
ذوی الفروض اور عصبات میں توریث کے اصول
اصلی وارث -
قائم مقام وارث -
پس انداز یا بچت -

رد (Return)　　　　صفحہ ۱۰۳

تمثیلات
عصبات بوجہ خاص
زوج و زوجہ -
رد اور عول کا فرق -
باپ اور دادا (جدّ صحیح)

ذوی الارحام　　　　صفحہ ۱۱۰

ذوی الارحام چار قسمیں :-　　　　" ۱۱۰

اول - متوفیٰ کی اولاد -
دوم - متوفیٰ کے آباؤ اجداد -

ذوی الارحام کی چوتھی قسم

متفرقات

فصل ہشتم

شیعوں کا قانون وراثت صفحات ۱۵۷ تا ۱۹۷

تقسیم جائداد قسم اوّل کے وارثوں میں

رد اور عول

فصل نہم

وصیّت — صفحات ۱۹۸ تا ۲۱۹

فصل دہم

فصل یازدہم

تمثیل متعلق بضمن (۳)

فصل دوازدہم

وقف

متفرقات

فصل سیزدہم

فصل چہاردہم

نکاح، نفقہ، اعادۂ حقوق زناشوئی : صفحات ۳۶۵ تا ۳۹۱

نکاح

نابالغوں کا نکاح

فصل شانزدہم

طلاق

طلاق منجانب زوج صفحات ۴۱۷ تا ۴۴۱

طلاق کے اثرات

زوجین کے حقوق اور وجوب، طلاق کے بعد۔ صفحہ ۴۳۶
دوسرا نکاح کر لینے کا حق۔
مہر فوراً واجب الادا ہو جاتا ہے۔
باہم توریث کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں۔
صحبت ناجائز ہو جاتی ہے۔
مطلّقہ زوجہ سے دوبارہ نکاح۔

فصل ہفدہم

نسب صحیح النسبی اور اقرار (بالنسب) صفحات ۴۴۲ تا ۴۵۸

قیام نسب

پدری اور مادری نسب۔ صفحہ ۴۴۲
مادری نسب کس طرح قائم ہوتا ہے۔ ” ۴۴۳
صحیح النسبی کے متعلق کب قیاس قطعی ہوگا۔ ” ۴۴۴
شرع اسلام کے مطابق صحیح النسبی کا قیاس۔

قانون شہادت اور شرع اسلام کے اختلافات

قیاسی نکاح سے صحیح النسبی کا قیاس صفحہ ۴۴۷

اقرار بالنسب

اقرار صحیح النسبی۔ ” ۴۴۸

فصل سیزدہم

ولایت ذات وجائداد صفحات ۴۵۹ تا ۴۸۱

تقرر اولیا

فصل نوزدہم

رشتہ داروں کا نفقہ

صحت نامہ

اصول شرع اسلام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۴	حاشیہ سطر ۳	ممبئی	بمبئی	۲۴۲	۱۱	ماِی	مامی
۴۶	۳	بروبیٹ	پروبیٹ	"	حاشیہ سطر ۲	اپیلز ا، ۶ لکھنو	اپیلز ا، ۱۳، ۶ لکھنو
۵۸	۲۴	وارت	وارث	۲۴۶	۹	نہ ہو سکے گی لہ	ہو سکے گی لہ
"	۲۴	وراتت	وراثت	۲۴۷	۲	موموب لہ	موہوب لہٗ
۶۶	۳۰	ہوحانے	ہوجانے	۲۴۹	۶	دو علیحدہ کرکے	وہ علیحدہ کرکے
۹۰	۷	بحیثت	بحیثیت	۲۵۰	۱۱	حوحصہ	جو حصہ
۹۵	۱۵	روسرے عصبات	دوسرے عصبات	"	۱۵	تقسیم ہو جانا جائز ہے	تقسیم ہونا جائز ہے
۱۵۴	۲۰	محتلف	مختلف	۲۵۲	۱۹	کیا گسا ہے	کیا گیا ہے
۱۷۰	۲۱	قانوں	قانون	۲۵۴	۱	کابعدم سے	کالعدم ہے
۱۸۰	۱۴	۳/۲	۲/۳	۲۷۴	۱۷	پرائیمری نوٹ	پرامیسری نوٹ
۱۸۹	۳ و ۱۵	مورت	مورث	"	۱۹	اختلاف آرہا تھا	اختلاف آرا تھا
۱۹۲	۳	زریعۂ رد	ذریعۂ رد	۲۷۵	۸	پرائمیری نوٹوں	پرامیسری نوٹوں
۲۲۹	۱۵	قبصے	قبضے	"	۵	انڈین کیز	انڈین کیسز
۲۳۹	۱۲	موموب لہ	موہوب لہٗ	۲۹۵	۱۴	بطریق وقف	بطریق وقف
۲۴۱	۱۷	کرائے	کرایہ	۲۹۷	۵	غیر متنقق	تیقین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۹۸	۶	توریت	توریث	۳۵۷	۱	کلات	کلمات
۳۱۱	۱۶	دولوں	دونوں	۳۷۵	۲۳	سینوں	سُنّیوں
۳۲۲	۱	پٹنہ لاجزل	پٹنہ لاجرنل	۳۸۶	۱۱	نققہ	نفقہ
۳۲۳	پیشانی کتاب	وصول شرع اسلام	اُصول شرع اسلام	۳۹۰	۱۲	دبکھو	دیکھو
〃	۱۵	آلہ آباد	الٰہ آباد	۳۹۴	۶	دودہی	وہ وہی
۳۲۵	۱۴	مسجد	مسجد	〃	۱۵	مقداہمر	مقدار مہر
۳۲۶	۵	〃	〃	۳۹۵	۶	مرادود	مراد وہ
〃	۲۲	کرتی ہو	کرتی ہو	〃	۱۹	فسح	فسخ
〃	حاشیہ سطر ۱	پٹنہ لاجزنل	پٹنہ لاجرنل	۳۹۶	۲	مقداریر	مقدار پر
۳۲۷	〃 〃	ال انڈیا	آل انڈیا	۳۹۸	۴	تین ساں	تین سال
۳۲۹	۱۳	چیرسیٹبل	چیرسیٹیبل	۴۰۵	۱۳	حقِ اختباس	حقِ احتباس
۳۳۲	حاشیہ سطر ۲	دلسن	ولسن	۴۰۶	۵	ججاں پرائیوی کونسل	ججان پرائیوی کونسل
۳۴۰	۵	کے دعویٰ	کے دعوے	۴۰۹	۱۲	انے	آنے
۳۴۲	۳	بالیع	بایع	۴۱۱	۱۱	غرص	غرض
۳۴۳	حاشیہ سطر ۱	آلہ اباد	الٰہ آباد	〃	حاشیہ سطر ۱	نڈیں	انڈین
۳۴۴	۱۱	جوڈیشل کمپنی	جوڈیشل کمیٹی	۴۳۴	〃 سطر ۳	مساہ	مساۃ
〃	۱۳	یہ ہے، کو	یہ ہے، کہ	۴۴۰	۶	زوجیں	زوجین
۳۴۵	۱	اورچوپندرہ فرودری کو	اور چونکہ پندرہ فروری کو	۴۴۷	۲	تاریح	تاریخ
۳۴۶	۱۱	متصو	متصور	۴۵۴	۹	موجودہ	موجود
۳۴۷	حاشیہ سطر ۲	آل مذکورہ سابق،	آل انڈیا ۴۹ء	۴۵۷	حاشیہ سطر ۳	روشن جہاں ۱۸۷۶ء	روشن جہاں ۱۸۷۶ء
۳۴۹	۹	جیسے	جسے	۴۶۲	۱۸	نامالغ	نابالغ
۳۵۱	۱۱	رگھبیر	رگھبیر	۴۶۴	۴	دفعہ ۲۶	دفعہ ۲۶۰